ملفوظاتِ شیخ الحدیث

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ

خلیفہ مجاز:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

مکتبہ لدھیانوی

نام کتاب : ملفوظات شیخ الحدیث

ترتیب : مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ

اشاعت اول : مارچ 2012ء

تعداد : 1100

ناشر : مکتبہ لدھیانوی

مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

021-34130020-0321-2115595-0321-2115502

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد!

جن لوگوں کو اللہ رب العزت سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے، جنہیں وہ اپنی قبولیت خاصہ سے نوازتا ہے اور جنہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے وہ چن لیتا ہے ان کے ہر قول و فعل میں خاص برکت ڈال دی جاتی ہے۔ ان کے تقویٰ وطہارت، اخلاص و للّٰہیت اور منجانب اللہ موفق ہونے کی وجہ سے بہت تھوڑا عمل بھی بہت زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے۔ دورِ آخر میں اس سلسلہ کی بہترین مثال کاندھلہ کا وہ برگزیدہ خاندان ہے جس کے چشم و چراغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب (بانی تبلیغی جماعت)، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (امیر تبلیغ) اور ان کے بھتیجے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مراقدھم ہیں۔ اول الذکر دونوں بزرگوں کی تبلیغی جدو جہد، ملفوظات اور تقاریر سے اُمتِ مسلمہ نے جو فائدہ اٹھایا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

سیّدی ومرشدی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی علمی اور تبلیغی خدمات کسی سے مخفی نہیں۔ ان کی بلند پایہ علمی شروح حدیث سے لے کر عام فہم رسائل فضائل (تبلیغی نصاب) تک ہر کتاب لازوال مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ جنہوں نے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بدل کر رکھ دی ہیں۔ آپ کی ان خدمات نے جس طرح امت کو سیراب کیا ہے اسی طرح آپ کے ارشادات، ملفوظات بھی ہزار ہا لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لا چکے ہیں۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے یہ ملفوظات علم وحکمت کی باتوں کا حسین مرقع ہیں۔ جن میں ایک طرف سالکین، طلباء مدارس عربیہ اور علماء کے لئے اہم نصائح ہیں، دوسری طرف عام مسلمان کو بھی زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ ان ملفوظات میں ایسی

ایسی کارآمد باتیں ہیں کہ جنہیں انسان برسہا برس کے مطالعہ اور طویل صحبتوں سے بھی حاصل نہیں کرسکتا۔

ان ملفوظات کے مخاطب چونکہ ہر طبقہ کے لوگ ہیں اس لئے ان میں ذکر کی جانے والی باتیں بھی بہت آسان اور سادہ پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت اقدس کے یہ ملفوظات ان کی زندگی بھر کے تجربات کا نچوڑ، سینکڑوں علماء اور اولیاء اللہ کی طویل صحبتوں کا حاصل اور زندگی بھر کے مطالعوں کا خلاصہ ہے۔

قاری کو ان میں جا بجا ایسے ایسے سبق آموز قصے ملیں گے جو نہایت دلچسپ، اثر انگیز اور ذہن نشین ہو جانے والے ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والا سبق اس کے ذہن میں جاگزیں ہونے کے بعد برسہا برس تک رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

ان قصوں میں وہ قصے بھی ہیں جنہوں نے حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی سیرت و کردار کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم گھرانوں میں بچوں بلکہ بڑوں کی تربیت میں بھی ماضی قریب تک کسی نوع کے سچے اور پاکیزہ واقعات سنے اور سنائے جاتے تھے۔ جن کے مقابلہ میں رائج الوقت قصے کہانیوں نے پوری نسلِ انسانی کے دل و دماغ کو سڑا کر رکھ دیا ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہ ملفوظات ایک اہم تاریخی دستاویز ہیں جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ معاشرے میں کس قدر تبدیلیاں آچکی ہیں۔ اخلاقی اقدار کس قدر بدل چکے ہیں۔ بدیسی اقتدار اور حالات کی سختی نے محکوموں سے ان کی معصومیت اور دیانت جیسی قیمتی دولتیں بھی چھین لی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت کے بیان کردہ وہ واقعات بہت اہم ہیں جن میں انہوں نے معاشرے میں پھیلی ہوئی عام سچائی، دیانت، سادگی اور بھولپن کا تذکرہ کیا اور پھر اس کا موازنہ بعد کے حالات سے کیا۔ جن میں بعض اوقات خود فرنگیوں نے اعتراف کیا کہ ہمارے آنے کے بعد اہل ہند کے عادات و اخلاق کس قدر خراب ہو گئے ہیں۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے یہ ملفوظات اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان سے سو، سوا سو سال پہلے کی مسلم معاشرت کی سچی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے جسے

اب جان بوجھ کر مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور جسے پڑھ کر ایک اچھا خاصہ انسان بھی احساسِ کمتری محسوس کرنے لگتا ہے۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کو اپنے اسلاف سے جتنا والہانہ عشق تھا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے انہوں نے اس دورِ زوال میں مسلمانوں کی ان طاقتور شخصیتوں کو دیکھا تھا جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ ہدایت کا روشن چراغ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ملفوظات میں حضرت جابجا ان کے قصے مزے لے لے کر سناتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح اتباع سنت اور شریعت کا اہتمام اپنی زندگیوں میں کیا کرتے تھے۔ اور کس طرح اخلاص، محنت اور جانفشانی سے انہوں نے امت کے لئے کام کیا ہے۔

ان ملفوظات میں زیادہ تر چونکہ وہ ہیں جو رمضان المبارک کی مجلسوں میں ارشاد فرمائے گئے ہیں اس لئے یہ ایک سالک کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں آپ نے سالکوں کو بیش قیمت نصائح ارشاد فرمائی ہیں۔ انہیں ہمت، استقلال اور جواں مردی سے مسلسل محنت کرنے پر اُکسایا۔ اس راستے کی خطرناک گھاٹیوں سے آگاہ کیا ہے اور کامیابی کا اصل راستہ بار بار بتایا ہے۔

اعتکاف کے دوران چونکہ بسا اوقات تبلیغی احباب بھی حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ سے ملنے آجایا کرتے تھے۔ اس لئے ان ملفوظات میں ہمیں جابجا وہ قیمتی نصائح بھی ملتی ہیں جن کے مخاطب ایک طرف دعوت و تبلیغ سے منسلک حضرات ہیں اور دوسری طرف علماء کرام اور طلبہ مدارس عربیہ ہیں۔ آپ نے نہایت دردمندی اور اخلاص سے انہیں سمجھایا ہے کہ دینی کام کرنے والے سب اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں، ان میں باہمی کوئی تضاد نہیں۔ سب کی منزل ایک، اللہ رب العزت کے ہاں سب کی قدر و منزلت یکساں ہے۔ اس لئے باہمی تصادم کے بجائے ہم آہنگی اور ساتھ مل کر کام کی عادت ڈالنا چاہئے۔ بار بار یہ بات دہرائی ہے کہ ذکر اللہ ان تمام کاموں کی اصل روح ہے، جس کو نظر انداز یا کم کرنے کی وجہ سے یہ سب چیزیں پیدا ہو رہی ہیں اور خیر و برکت میں مسلسل کمی آتی جا رہی ہے۔

ان ملفوظات میں طالب علموں کے لئے بھی اہم نصائح ہیں کہ انہیں کس طرح اپنے

مقصد کے لئے لگن سے کام کرنا چاہیے۔ ایک طالب علم کی زندگی کس طرح کی ہونا چاہیے۔اس کے حواس پر کس طرح طلبِ علم چھا جانی چاہئے۔ پھر ساتھ ہی اسے اپنی اخلاقی اور روحانی تربیت کی کس طرح فکر رکھنا چاہئے۔اساتذہ کا ادب کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ پھراس سلسلہ میں حضرت نے بعض بڑے دلچسپ واقعات بھی سنائے ہیں۔

میرے آقا، میرے مرشد، میرے شیخ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدّس اللہ سرّہ العزیز کے ملفوظات جومختلف مجالس میں اور مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے گئے، متعدد حضرات نے جمع فرمائے ہیں۔ان میں سے بعض تو کتابی شکل میں شائع ہو گئے۔ بعض مختلف رسالوں میں شائع ہوئے اور بعض تاحال شائع نہیں ہو سکے۔ اس ناکارہ نے ارادہ کیا کہ ''تربیت السالکین'' میں جس طرح اصلاحی مکاتبت کو جمع کیا ہے اسی طرح حضرت قدّس سرّہ کے ملفوظات اور ارشادات کو بھی یکجا شائع کر دیا جائے تاکہ استفادہ آسان ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ شانہ ہم مسلمانوں کو اکابر کے ارشادات کی کماحقّہ قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور ان پرعمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن جن احباب اور عزیزوں نے معاونت کی اللہ جل شانہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(ڈاکٹر) محمد اسماعیل میمن مدنی

خادم دارالعلوم المدنیۃ بفلو نیویارک

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۹ مارچ ۲۰۰۹ء

ملفوظات شروع کرنے سے پہلے برکت کے لئے ان مبارک کلمات کو ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بیعت کے وقت ارشاد فرمایا کرتے تھے:

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیّئات أعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد أن لا الہ إلّا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد أن سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا بین یدی الساعۃ من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فلا یضر إلا نفسہ ولا یضر اللہ شیئا. أما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہِ

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔
ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کے سب رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر، اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر، بھلا ہو یا برا سب اللہ کی طرف سے ہے۔ توبہ کی ہم نے کفر سے، شرک سے، بدعت سے، نماز چھوڑنے سے، زنا کرنے سے، لواطت کرنے سے، داڑھی منڈانے سے، جھوٹ بولنے سے، چوری کرنے سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان باندھنے سے، کسی کی غیبت کرنے سے اور ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا۔
اور عہد کیا ہم نے کہ انشاء اللہ کوئی گناہ نہیں کریں گے اور جو ہو جائے گا فوراً توبہ کریں گے۔ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما، یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما، یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما۔
ہمیں اپنے سچے بندوں میں شامل فرما، ہمیں توفیق عطا فرما اپنی رضا مندی کی اپنے پاک

رسول کی تابعداری کی۔ بیعت کی ہم نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے زکریا کے ہاتھ پر۔

پھر مختصر سی دعا کے بعد اعلان کرتے کہ جو حضرات بیعت ہوئے ہیں ان کے لئے چار چیزیں ہیں۔ کلمۂ طیبہ، درود شریف، استغفار، اور سوئم کلمہ۔ اس کی تین تین تسبیح صبح و شام پڑھیں۔ اس کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، نماز با جماعت اور تلاوت کا اہتمام رکھیں اور اس سے زائد جو حضرات کچھ کرنا چاہیں تو ان کے لئے معمولات کا پرچہ چھپا ہوا ہے۔

حصہ اوّل

مجالس رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

جمع کردہ

جناب الحاج ذکی بھوپالی صاحب

خلیفہ مجاز حضرت شیخ قدس سرہ

حضرت شیخ کے ساتھ ان کے اکابر کا معاملۂ احترام

ارشاد فرمایا: بھئی کئی روز سے ایک بات کہنا چاہ رہا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے، بہت ہی معاف کرے کہ میں نے اپنے بڑوں کے ساتھ بہت ہی بے ادبی کا معاملہ کیا اور میرے بڑے میری بے ادبی کو ہمیشہ حسن ظن ہی سے دیکھتے رہے۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ، والد صاحب، چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نور اللہ مراقدہم سب ہی بڑی عزت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ جب بخاری پڑھاتے تھے تو ختم بخاری کے روز دارالحدیث میں بندہ بھی پہنچتا تھا۔ میرے پہنچنے پر حضرت ناظم صاحب اپنی جگہ (مسند) سے ہٹ جاتے تھے۔ جس پر مجھے بڑی غیرت آیا کرتی تھی۔

تنقید کرنے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! ایک بات عرض کروں کہ میرے بارے میں جو تنقید سُننے میں آئے، لوگ کریں اس کو میرے پاس ضرور پہنچا دیا کرو۔ دراصل تنقید کرنے والے تو آدمی کے محسن ہوتے ہیں (کہ اس کو اس کی غلطی پر توجہ دلاتے ہیں)۔ تنقید سُننے کے بعد آدمی کو چاہئے کہ اس پر غور کرے کہ اس میں کتنی صداقت ہے۔ تنقید اخلاص کے ساتھ ہوتی ہے تو اچھی لگتی ہے، ایسی صورت میں اس کی اصلاح کرنی چاہئے اور اگر غلط ہو تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو (کہ اللہ کا فضل ہے ہم میں یہ بات نہیں ہے) غرضیکہ کسی کی تنقید پر غصے نہ ہونا چاہئے۔ میں تو تنقید کرنے والوں پر خوش ہوا کرتا ہوں۔ میرے پاس کوئی عمل تو ہے نہیں، یہ بیچارے اپنے نیک اعمال تنقید و غیبت کر کے مجھ کو دیدیتے ہیں وہ میرے اس دن کام آئیں گے جب میں تہی دست ہوں گا۔ میں ان مفتی صاحب سے کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ جو بات میری غلط دیکھو فوراً ٹوک دیا کرو مگر انہوں نے میری یہ بات کبھی نہ مانی۔

مجمع کے ساتھ اعتکاف پر بعض کی تنقید

فرمایا: آج کل ایک اعتراض یہ ہو رہا ہے کہ یہ میلہ کیوں لگتا ہے؟ کیا یہ جائز

ہے کہ اتنے لوگوں کو جمع کیا جائے، پھر حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم کی جانب متوجہ ہو کر پوچھا اس میں کوئی شرعی اشکال ہو تو فرمائیں۔ پھر حضرت شیخ نے خود ہی فرمایا کہ ایک مرتبہ قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم) سے پوچھا گیا کہ اس طرح میلہ لگانا کہاں جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا اس میں عدم جواز کی کیا بات ہے؟

تنہائی وسکون کے اعتکاف کو ترجیح

پھر حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا: اس اعتکاف کے لئے جمع ہونا مجھے اپنے اکابر کے یہاں ملا ہے۔ چنانچہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں (ماہ مبارک میں) تمام مشرقی پنجاب کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ ایسے ہی حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی مجلس کی توسیع فرما کر اس کو دوگنا کیا۔ ایک کمرہ صرف معتکفین کے لئے بنایا گیا۔ غرض یہ کہ اس میں اشکال تو کچھ نہیں ہے لیکن یہ اجتماع میری منشاء کے خلاف ہے، طبیعت کے خلاف ہے (کیونکہ حضرت تو یکسوئی کا رمضان چاہتے تھے) مگر میں کیا کروں مجبور کر دیا گیا ہوں، حد درجہ مجبور کر دیا گیا ہوں۔

پھر ارشاد فرمایا: مدینہ منورہ میں حج کے زمانے میں ۷ ذی الحجہ سے ۲۱ تاریخ تک اس قدر سکون رہتا ہے کہ کیا عرض کروں۔ وہاں والے حج کی غرض سے تقریباً سب مکہ مکرمہ چلے جاتے ہیں۔ وہاں دفعۃً تنہائی و یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے جس میں میرا خوب دل لگتا ہے۔

نابالغ اولاد کی موت ذخیرۂ آخرت

فرمایا: ایک بات اور کہتا ہوں معلوم نہیں کہنے کی ہے بھی یا نہیں۔ وہ یہ کہ میرے بارہ (۱۲) بچے ہوئے۔ ایک موجودہ اہلیہ سے، گیارہ پہلی اہلیہ سے۔ جب پہلے بچے کا شیر خوارگی میں انتقال ہوا تو اہلیہ روتی تھی، فطری طور پر رونا آتا ہی ہے۔ میں نے اس سے کہا دیکھو! کیوں روتی ہو؟ اپنے پاس کوئی عملِ خیر تو ہے نہیں، پہلے تین بچے تمہاری طرف سے پھر تین میری طرف سے ذخیرۂ آخرت ہو جائیں گے۔ نجات کا ذریعہ ہوں گے۔ اس کے بعد پھر کسی بچے کا انتقال ہوگا تو سوچیں گے کہ روئیں یا نہیں اور پھر

ماشاء اللہ ابھی تو ہم دونوں زندہ سلامت ہیں، جوان ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوا اور عطا فرمائیں گے) رونے کی کیا بات ہے۔

حضرت کی کیفیت بوقتِ حصولِ اجازت بیعت

از حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا: جب اس ناکارہ کو میرے حضرت نور اللہ مرقدہ نے (مدینہ منورہ میں) اجازت مرحمت فرمائی تو میری چیخ نکل گئی تھی اور دل کانپتا رہا۔ اس وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ میں نے حضرت کے پاؤں تک پکڑے کہ حضرت یہ خبر ہندوستان میں جا کر نہ کیجیو، مگر وہ نہ مانے۔ فرمایا کہ میں تو خبر کروں گا۔ فرمایا کہ میں شروع میں بیعت نہ کرتا تھا میرے چچا جان نے زبردستی یہ سلسلہ شروع کیا۔

حضرت شیخ کے بیعت فرمانے کی ابتداء اور حضرت کا اس سے گریز

اس کی صورت یہ پیش آئی کہ میں کاندھلہ گیا ہوا تھا۔ وہاں کی چند مستورات مجھ سے بیعت ہونے کے لئے آئیں، میں نے ان سے کہا بھاگ جاؤ، میں بیعت نہیں کروں گا۔ وہ چچا جان کے پاس گئیں۔ چچا جان میری بہت عزت فرمایا کرتے تھے لیکن کبھی بلا وجہ ڈانٹ بھی دیتے تھے اور فرماتے اس لئے ڈانٹتا ہوں کہ کبھی تکبر نہ پیدا ہو جائے۔ غرض یہ کہ چچا جان نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہوا دیکھا کہ غصہ میں منہ لال ہو رہا تھا، کہا بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا۔ فرمایا چل ان کو بیعت کر۔ میں نے کہا کہ حضرت؟ فرمایا چل خاموش۔ میں نے پھر کچھ کہنا چاہا تو پھر زور سے ڈانٹ دیا، تب میں نے کہا کہ اچھا کر لیتا ہوں، مگر آپ کے سامنے نہ کروں گا اس پر چچا جان اُٹھ کر تشریف لے گئے، تب میں نے مجبوراً ان مستورات کو بیعت کر لیا اور پھر بعد میں دوسرے وقت اُن پر بہت بگڑا کہ تم چچا جان کے پاس گئیں کیوں؟

فرمایا: ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھے میرے حضرت کی حیات میں خط لکھا تھا جس میں تھا کہ تم کو قبل از وقت اجازت مل گئی۔ میں نے جواب میں لکھا کہ تم نے بالکل ٹھیک فرمایا کہ وقت سے پہلے اجازت مل گئی، لہٰذا تم کسی طرح اس کو رُکوا دو۔

فرمایا: میں نے بہت کوشش کی، بہت اخلاص سے کی کہ کسی طرح حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مجھے بیعت کرنے سے منع فرمادیں تو پھر مجھے یہ کہنے کا موقع مل جاوے کہ فلاں بزرگ کے منع فرمانے سے میں کسی کو بیعت نہیں کرتا، یہاں تک کہ میں نے پاکستان حضرت رائپوری کی خدمت میں یہی مضمون لکھا۔ اس پر حضرت نے مجھے بڑی ڈانٹ کا خط لکھا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مرتبہ بڑے زور سے فرمایا کہ کون اپنے کو اہل سمجھتا ہے، کیا ہم سب اپنے کو اہل سمجھ کر بیعت کرتے ہیں؟

جو شخص اپنے کو اہل سمجھے وہی نا اہل ہے اور جو نا اہل سمجھے وہی اہل ہے۔

میرے پیارو! دیکھو تجربہ تو میرا بھی ہے کہ جو اپنے کو اہل سمجھے، وہ نا اہل ہی رہتا ہے اور جو اپنے کو انتہائی ناکارہ نا اہل سمجھے اللہ تعالیٰ اس سے کام لے لیتا ہے۔

حضرت شیخ کے والد کا طریق تربیت اور کاندھلہ کی عید

حضرت نے اپنے والد صاحب کی تربیت کے ذیل میں ایک قصہ سنایا۔ اس سلسلے کے قصے حضرت نے آپ بیتی میں کثرت سے ذکر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک قصہ آج کی مجلس میں بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ سے میرے ابا جان نے فرمایا عید کاندھلے میں کرے گا؟ میرے منہ سے بڑی زور سے نکلا جی!! بس اُنتیس تاریخ گنتے گنتے آ گئی، لیکن ابا جی نے کاندھلہ جانے کو نہ فرمایا۔ میں انتظار ہی کرتا رہا، لیکن اُنتیس تاریخ کی صبح کو انہوں نے دس گیارہ بجے کے قریب نہایت رعب دار منہ بنا کر فرمایا، کہ بس کیا کرے گا جا کر۔ بس اللہ مجھے معاف کرے والد صاحب کے سامنے تو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن اکیلے میں جا کر خوب کچھ کچھ کہا۔ میرے پیارو! اللہ تعالیٰ نہ زیادہ اترانے کو پسند فرماتے ہیں اور نہ زیادہ رنج کو پسند کرتے ہیں۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ط

مدرسہ میں خواص اور ان کی اولاد کی تربیت کا حضرت کے ذمہ ہونا

فرمایا: میں تعلیم اور تربیت کے مسئلہ میں شروع میں بہت سخت تھا اور خاص طور سے خواص کی اصلاح میرے ذمہ تھی۔ مدرسے کے ایک اونچے طالب علم تھے۔ مولانا

عبدالرحمن صاحب کیمل پوری (صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم) نے اُن کو میرے حوالے کیا کہ دیکھو ان کی تربیت تمہارے ذمّے ہے۔ اور کوئی تو ان کو کچھ کہہ نہیں سکتا تم ہی اس کی نگرانی کر سکتے ہو۔ فرمایا طلبہ کی تعلیم میں میرے دس اصول (آداب) تھے جن کو میں شروع سال میں اچھی طرح طلبہ کو سمجھا دیا کرتا تھا۔

طالب علم کے سبق میں سونے پر تنبیہ

فرمایا! ان دس آداب میں ایک یہ بھی ہے کہ کسی طالب علم کو میرے سبق میں سونے کی بالکل اجازت نہ تھی۔ اماں جی (حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ) کا ایک عزیز مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اس کی عادت سبق میں سونے کی تھی۔ ایک بار میں نے اس کی سبق میں سونے پر پٹائی کر دی۔ اماں جی کو معلوم ہوا، اماں جی نے مجھ کو بلا کر شکایت کی کہ تم نے اس کی پٹائی کی؟ میں نے عرض کیا کہ اماں جی! حدیث پاک کے درس میں یہ سوتا ہے میں نے تو اس لئے پٹائی کی۔ اگر آپ فرمادیں تو آئندہ کچھ نہ بولوں۔ یہ سُن کر اماں جی خاموش ہوگئیں۔

اسی طرح ایک طالب علم جو کہ بڑا رئیس زادہ تھا، اس نے درخواست دی کہ مجھ کو مدرسہ میں قیام کیلئے ایک حجرہ مستقل الگ دیدیا جائے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب نے اس پر سفارش لکھ دی۔ ناظم صاحب نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ جب مجھ تک وہ درخواست آئی، میں نے کہا ہرگز نہیں ملنا چاہئے۔ جب تک پھر وہ طالب علم مدرسہ میں رہے مجھ سے ناراض ہی رہے۔

طلبہ کے لئے داڑھی کے مسئلہ میں ترک تسامح

فرمایا، منجملہ ان دس آداب کے ایک داڑھی کا مسئلہ بھی ہے۔ داڑھی کا مسئلہ میرے یہاں ہمیشہ بہت تشدد کا رہا ہے۔ اس میں مسامحت مجھ کو بالکل گوارا نہ تھی۔ اگر کسی طالب علم کی داڑھی میں مجھے شک ہوتا تو پھر میں اس کا نام کم از کم اپنے رجسٹر سے تو کاٹ ہی دیتا تھا، مدرسہ سے اخراج ہو یا نہ ہو۔

میرا ایک طالب علم کے ساتھ اسی قسم کا قصہ پیش آیا۔ مجھے اس کی داڑھی میں شک

ہوا۔ میں نے اس کا نام اپنے رجسٹر سے کاٹ ڈالا جس پر ظاہر ہے کہ وہ مجھ پر بہت غصے ہوا، لیکن پھر وہ بیچارہ بعد میں میرا معتقد ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک عرصہ کے بعد میرے پاس اس طالب علم کا خط آیا جس میں اس نے بیعت کی درخواست کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ کسی دوسرے شیخ سے تو میری اصلاح نہ ہوگی، آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آپ مجھ کو بیعت فرمالیں تو بڑا احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے، انتقال ہو گیا ہو تو مغفرت فرمائے۔

فرمایا کسی کے داڑھی کٹانے سے مجھے بہت ہی کلفت ہوتی ہے، خواہ اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے یا کسی اور مصلحت سے اس کو کچھ نہ کہہ سکوں لیکن دل بہت کڑھتا ہے۔

داڑھی کٹانے اور دوسرے گناہوں میں فرق

فرمایا: داڑھی کٹانا خواہ اتنا بڑا گناہ نہ ہو جیسا کہ زنا اور شراب نوشی وغیرہ، لیکن فرق دونوں میں یہ ہے کہ جب آدمی مثلاً زنا کرتا ہے تو نورِ ایمانی سے ہٹ جاتا ہے بعد میں پھر وہ ایمان لوٹ آتا ہے۔ لیکن داڑھی کٹانے والا شخص ہر وقت اس گناہ کے ہمراہ ہے اور ہر وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا ہوا ہے، خواہ وہ عبادت میں مشغول ہو جیسے نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، حج وغیرہ۔ ویسے بھی اس گناہ میں بڑی جسارت پائی جاتی ہے کہ داڑھی کٹوانے والا علی الاعلان سب کے سامنے یہ عمل کرتا ہے۔

خلافت کی تمنا

فرمایا! بہت سے سالکین خلافت کی تمنا میں رہتے ہیں۔ خلافت کا تصور ہی نہ کرو کہ یہ سراسر تکبر ہے کہ مجھے کسی طرح خلافت مل جائے۔ ہاں! معرفت کی جتنی چاہو دعا کرو، کوشش کرو، اس کے حاصل کرنے میں لگے رہو۔

فرمایا! مشائخ کے یہاں یہ نسبت جس کو خلافت بھی کہتے ہیں کبھی خود چاہنے والے کو نہیں دی جاتی نہ ایسے شخص کو اہل سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے نسبت کی چار قسمیں تفصیل سے بیان فرمائیں جن کو حضرت نے آپ بیتی اور تقریر بخاری میں بھی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

سلوک میں نسبت کی چار قسمیں اوران کی تشریح

فرمایا: شیخ المشائخ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں نسبت کی چار قسمیں فرمائی ہیں جو سمجھنے کے اعتبار سے اور ایک دوسرے کو ممیز کرنے کے واسطے بہت مفید ہیں۔ حضرت قدس سرہ کا ارشاد تو فارسی میں ہے اور اس مضمون کو یہ ناکارہ لامع الدراری کے حاشیہ پر عربی میں لکھ چکا ہے۔

حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کی اصطلاح میں نسبت کی چار قسمیں ہیں۔ سب سے ابتدائی تو انعکاسی کہلاتی ہے یعنی ذکر و شغل کی کثرت سے دل کا زنگ دور ہونے کے بعد اس میں آئینہ کی طرح سے ایسی صفائی اور شفافی پیدا ہو جائے کہ اس میں ہر چیز کا عکس آئینہ کی طرح ظاہر ہو جاتا ہو۔ یہ شخص جب شیخ کی خدمت میں جاتا ہے تو شیخ کے قلبی انوار اور اثرات کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے، اس کو نسبت انعکاسی کہتے ہیں۔ اس کا اثر سالک کے قلب پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک شیخ کے پاس رہے یا اس ماحول میں رہے۔ لیکن جب شیخ کی مجلس یا وہ ماحول ختم ہو جاتا ہے تو یہ اثر بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں اس کی مثال فوٹو کی سی ہے کہ اس میں ہر وہ چیز منعکس ہو جاتی ہے جو اس کے سامنے ہو اور جب اس کو ہٹا لیا جائے تو وہ ختم وہ جاتی ہے لیکن فوٹو کی طرح سے اس کو مصالحہ وغیرہ کے ذریعے سے پختہ کر لیا جائے تو وہ پھر ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اس نسبت پر بھی بعض مشائخ اجازت دے دیتے ہیں۔ جس کے متعلق حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اگر مجاہدہ و ریاضت سے اس کو باقی رکھا جائے تو باقی رہتا ہے بلکہ مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں یہی وہ درجہ ہے جس کو حضرت تھانوی نے بایں مضمون لکھا ہے کہ "بعض مرتبہ غیر کامل کو بھی مجاز بنا دیا جاتا ہے۔ اس کو جو ناقص یا نااہل کہا گیا ہے وہ کمال کے اعتبار سے ہے۔ اس درجہ کی اجازت جس کو حاصل ہوتی ہے اس کو بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ باقی رہے بلکہ ترقی کر سکے۔

دوسرا درجہ جس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے وہ نسبت القائی ہے۔ جس کی مثال حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ کوئی شخص چراغ لے کر اس میں تیل اور بتی ڈال

کر شیخ کے پاس جائے اور اس کے عشق کی آگ میں سے لو لگائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ درجہ پہلے سے زیادہ قوی ہے اور اس درجہ والے کے واسطے شیخ کی مجلس میں رہنے کی شرط نہیں بلکہ شیخ کی مجلس سے غائب بھی ہو جائے تو بھی یہ نسبت باقی رہتی ہے اور جب تک تیل اور بتی رہے گی یعنی اور اد و اشغال کا اہتمام رہے گا کہ یہی چیزیں اس مشعل ہدایت کی تیل اور بتیاں ہیں اس وقت تک یہ نسبت باقی رہے گی۔ اس نسبت کے لئے تیل بتی تو اذکار و اشغال ہیں اور بادِ مخالف یعنی معاصی وغیرہ سے حفاظت بھی ضروری ہے کہ بادِ مخالف سے چراغ گل ہو جایا کرتا ہے۔

یہاں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ جس درجہ کی تیل بتی میں قوت ہو گی اتنے ہی درجہ کی مخالف ہوا کو برداشت کر سکے گی۔ یعنی اگر معمولی سا چراغ ہے تو ہوا کے ذرا سے جھونکے سے بجھ جائے گا۔ گویا ذراسی معصیت سے ختم ہو جائے گا لیکن اگر چراغ قوی ہے تو معمولی ہوا اس کو گل نہیں کر سکتی۔ بندہ کے خیال میں اس جگہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ہر شخص کو اپنی حفاظت تو نہایت اہتمام سے کرنی چاہئے مبادا کسی معصیت کے سرزد ہونے سے یہ بجھ جائے۔ لیکن اگر کسی دوسرے صاحبِ نسبت کے متعلق کسی واقعی یا غیر واقعی معصیت کی خبر سنے تو ہرگز اس کی فکر میں نہ رہے، نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اعتراض کی فکر کرے، نہ معلوم اس کی مشعل کس قدر تیز ہو۔

بندہ کے خیال میں میرے اکابر کی اکثر اجازتیں اسی نسبت القائی پر ہیں۔ چنانچہ بہت سے اکابر اور ان کے مجازین کے حالات میں یہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ جب ان کو اجازت دی گئی تو ایک بجلی سی ان میں کوندگئی جس کے اثرات مختلف ظاہر ہوئے۔ بندہ کے خیال میں یہ بجلی کی سی جو کیفیت کوندتی ہے، یہ شیخ کی نسبت کا القا ہوتا ہے جس کے بہت سے مظاہر دیکھے اور سنے ہیں۔ یہ نسبت پہلی نسبت کے بمقابل زیادہ قوی ہوتی ہے لیکن دو چیزوں کی اس میں بہت ضرورت ہوتی ہے، ایک تیل، بتی کے بقاء اور اس کے اہتمام کی یعنی اوراد و اشغال کی، دوسرے باد صرصر سے حفاظت کی۔ اگرچہ معمولی سی ہوا اس کو ضائع نہیں کرتی لیکن معمولی ہوا بھی ایک دم تیز ہو جاتی ہے اور معمولی معصیت بھی ایک دم کبیرہ بن جاتی ہے۔

تیسرا درجہ جو حضرت شیخ المشائخ نے لکھا ہے وہ نسبت اصلاحی کا ہے۔ حضرت نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ نسبت دونوں سے بہت قوی ہے۔ حضرت نے اس کی مثال لکھی ہے کہ جیسے ایک شخص نہر کھودے اور اس کو خوب مضبوط بنائے اور اس کی ڈولیں درست کرے اور اس کو کھود کر اس کا دہانہ کسی دریا سے ملا دے۔ اس دریا سے پانی کا دھارا زور و شور سے اس نہر میں آ جائے کہ معمولی عارض بھی، پتے، ٹہنیاں، معمولی اینٹ روڑے اس کے پانی کے سیل کو نہیں روک سکتے بلکہ اس کے ساتھ بہتے چلے جائیں گے۔ الّا یہ کہ کوئی نقب اس نہر میں لگ جائے یا کوئی چٹان اس نہر میں آ کر حائل ہو جائے۔

بندہ کا خیال یہ ہے کہ قدماء کی اجازتیں زیادہ تر اسی پر ہوتی تھیں کہ وہ اوّلاً تزکیہ نفوس و اخلاق پر بہت زور لگاتے تھے اور جب نفس مزکّی ہو جاتا تو اوراد و اذکار کی تلقین فرماتے اور اس کے بعد اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ اس نسبت والے اکابر مشائخ سے اگر کوئی لغزش عوام کی نگاہ میں محسوس ہو تو اس پر اعتراض ہرگز نہ کریں۔ کیا بعید ہے کہ اس لغزش کو ان کی نسبت کا سیلاب بہائے لئے چلا جائے اور تم اس کی عیب جوئی اور لغزشوں پر نگاہ کر کے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک نصیحت

چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ نے تو ایک اہم وصیت فرمائی ہے جو ابوداؤد شریف میں بہت تفصیل سے ہے۔ اس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حکیم کی زبان سے بھی بعض باتیں گمراہی کی نکل جاتی ہیں اور منافق بھی بعض مرتبہ کلمۃ الحق کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے، ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ یہ حکیم کی بات گمراہی کی ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم کی ایسی باتوں سے اجتناب کرو جس کو لوگ (علماء حق) یوں کہیں کہ فلاں نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ لیکن یہ بات تجھ کو اس حکیم سے دُور نہ کر دے۔ کیا بعید ہے کہ وہ حکیم تو عنقریب اپنی بات سے رجوع کر لے (یا اپنے فعل سے توبہ کر لے) اور تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ علماء حقہ کی غلط بات میں پیروی تو نہ کی جائے اور نہ ہی ان کے اس قسم کے قول و فعل کا اتباع کیا

جائے لیکن ان پر سب وشتم نہ کیا جائے، اس میں بڑے مضرات ہیں جن کو یہ ناکارہ اپنے رسالے الاعتدال میں بہت تفصیل سے لکھ چکا۔

لیگ اور کانگریس کے اختلاف میں حضرت کا موقف

فرمایا: دیکھو لیگ بھی ٹھیک، کانگریس بھی ٹھیک۔ دونوں کے حامیوں کی نیت اُمت کی صلاح وفلاح کی تھی۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ گویا دو ڈرائیور تھے۔ ایک کہے یہ راستہ بہت اچھا، دوسرا کہے نہیں، یہ راستہ قریب کا اور صاف ہے۔ اس میں غلطی کی کیا بات ہے دونوں کی بات الگ الگ اعتبار سے درست ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے نسبت کی چوتھی قسم اتحادی بتلائی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اپنی نسبت روحانیہ کو جو حامل کمالات عالیہ ہے مرید کی رُوح کے ساتھ قوت سے متصل کر دے اور اپنی نسبت کو قوت کے ساتھ دبوچ کر یا اور کسی طرح سے مرید کے قلب میں پیوست کر دے اور گویا شیخ و مرید میں روحانی اعتبار سے کوئی فرق نہ رہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت شاہ صاحب نے اس چوتھی نسبت کی مثال میں ایک عجیب قصہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا جو حضرت مجددؒ الف ثانی کے شیخ تھے، ان کا مزار مقدس دہلی میں ہے ان کے متعلق لکھا ہے۔ ان حضرات کو کوئی شخص ہدایا دے تو بعض اوقات بڑی گرانی سے محض ہدیہ دینے والے کی دلداری کی بنا پر قبول کرتے ہیں۔ لیکن جو ہدیہ غایتِ احتیاج کے وقت آئے اس کو بہت ہی قدر سے قبول کرتے ہیں۔ اس وقت کی دعا بہت دل سے نکلتی ہے۔ ایسے وقت کی دعاؤں میں معطی کے لئے یہ حضرات جو کچھ مانگتے ہیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرما دیتے ہیں۔ ایسے وقت کی دعائیں ہر وقت نہیں ہوتیں لیکن جب ہوتی ہیں تو تیر بہدف ہوتی ہیں اور بہت جلد پوری ہوتی ہیں۔

بہر حال اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں

کچھ مہمان اہم آ گئے۔ ایک بھٹیارے کی دکان حضرت کی قیام گاہ کے قریب تھی۔ اس بھٹیارے نے دیکھا کہ کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں اس نے بہت بڑا خوان لگا کر اور اس میں مختلف قسم کے کھانے رکھ کر حضرت خواجہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے ہاں کچھ مہمان آئے ہیں، میں ان کے لئے کچھ کھانا لایا ہوں قبول فرمالیں۔ حضرت کو بہت ہی مسرت ہوئی اور وہی بے اختیاری شان کے ساتھ فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنادو۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لے۔ طبّاخ نے کہا کہ بس یہی چاہیے۔ چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھے کہ مانگ کیا مانگتا ہے اس لئے اس کے تین مرتبہ کے اصرار پر اس کو حجرہ مبارکہ میں لے گئے، اندر سے زنجیر لگالی۔

اس کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح سے کہ انہوں نے نزول وحی کے وقت نبی کریم ﷺ کو تین مرتبہ دبوچا تھا اور ہر مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ پڑھو۔ دو مرتبہ کے دبوچنے میں تو حضور ﷺ نے یہی فرمایا کہ میں قاری نہیں اور تیسری دفعہ میں دبا کر جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتلایا وہ پڑھنا شروع کر دیا۔ یا حضرت خواجہ صاحب نے کوئی اور توجہ فرمائی ہوگی۔ آدھے گھنٹہ بعد جب حجرہ کھولکر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک بھی ایک ہوگئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے۔ لیکن وہ طبّاخ سُکر (بیخودی) کی حالت میں تھا اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔ اللہ بلند درجے عطا فرمائے، موت تو آنی ہی تھی اور اس کا وقت جو مقرر تھا اس میں تقدم و تاخر نہیں ہوسکتا تھا، لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طبّاخی کی اور موت کے وقت خواجہ باقی باللہ جیسا بن کر آخرت کے بھی مزے لوٹے۔

طلبہ کی تادیب پر ان کی دلداری

فرمایا: میں طلبہ کو سزا کے طور پر کبھی کبھی مار بھی دیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں اس کی تلافی اور

دلداری میں کسی کو چار آنے کسی کو آٹھ آنے حسبِ موقع دیا کرتا تھا۔ بہت سے طلبہ تو اس انتظار میں رہتے کہ شیخ سزا دیں تو ہمیں پیسے ملیں جس سے ہفتہ عشرہ کا خرچ چل جائے۔

پورے ماہ کے اعتکاف کی نیت

پورے ماہ کے اعتکاف کے سلسلے میں فرمایا کہ میری عادت یہ ہے کہ میں ابتداءً شروع رمضان میں نیت ایک ہی عشرہ کی کرتا ہوں، سنت یہی ہے۔ پہلا عشرہ پورا ہونے پر پھر دوسرے عشرہ کی کر لیتا ہوں، ایک ساتھ پورے ماہ کی نیت نہیں کرتا۔

ایک بزرگ کا قصہ منکر نکیر کے ساتھ

حضرت نے مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان سے قبر میں منکر نکیر نے سوال کیا۔ مَنْ رَّبُّكَ؟ (تمہارا ربّ کون ہے؟) تو انہوں نے جواب میں کہا مَنْ رَبُّکَ! (جو تمہارا ربّ ہے)۔ پھر اس نے کہا۔ مَا دِیْنُکَ؟ (تمہارا دین کیا ہے؟) انہوں نے جواب میں کہا۔ مَا دِیْنُکَ! (جو تمہارا دین ہے)۔

ایسے ہی سُنا ہے کہ ایک دوسرے بزرگ سے جب منکر نکیر نے یہ سوال کیا کہ تمہارا ربّ کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کہنے سے کیا ہو۔ ان سے (یعنی اللہ تعالیٰ) پوچھو، اگر وہ کہہ دیں کہ ہاں یہ میرا بندہ ہے تو میں کہوں کہ میرا ربّ اللہ ہے ورنہ صرف میرے کہنے سے کیا ہو۔

اہل دنیا کے نزدیک سیم و زر کی وقعت اور اس کا ایک عجیب واقعہ

فرمایا: کسی نے مغرب سے پہلے ایک بات یاد دلائی تھی مختصر سی ہے، سُننے کی بات ہے۔ اے مولویو! دلّی میں جب غدر ہوا تو بڑی غربت آ گئی تھی۔ شہزادے شہزادیاں سونے اور چاندی کی بڑی وزنی وزنی چیزیں معمولی رقم میں دیتے تھے۔ ایک ساہوکار کو کسی گھر کی خادمہ نے ایک مونگری کا دستہ جو سونے کا تھا بہت معمولی رقم میں فروخت کر دیا۔ اب کافی عرصہ تک وہ ساہوکار اس انتظار میں رہا کہ کب اُس کا ہاون آئے۔ ایک دن وہ ماما (خادمہ) دکھائی دی، اس سے کہا کہ اری! تو ہاون نہیں لائی۔ اس نے کہا

لائی تو تھی لیکن تم یہاں ملے نہیں تھے تو میں اس کو فلاں ساہوکار کو دے گئی تھی۔ حالانکہ یہ ساہوکار ایک عرصہ سے اسی انتظار میں تھا کہ دستہ تو میرے پاس آ ہی گیا کہیں سے ہاون بھی مل جائے۔ غرضیکہ اس کا یہ جواب سُن کر اس ساہوکار کو اپنے اُوپر بہت غصہ آیا اور افسوس کرتا رہا کہ میں اپنی جگہ سے کیوں ہٹا، حالانکہ وہ بیچارہ تھوڑی ہی دیر کے لئے ہٹا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت وہ ماما آئی تھی۔ بس اس ساہوکار نے اسی دستہ سے اپنی ٹانگیں توڑ ڈالیں اس صدمہ سے کہ ان ہی ٹانگوں کی وجہ سے میں اپنی جگہ سے ہٹا تھا جس سے سونے کا ہاون چلا گیا۔ ہائے! ہائے!! ارے کچھ کرلو۔ دیکھو معلوم نہیں آئندہ رمضان آئے یا نہ آئے۔ گویا رمضان کے لئے اپنی ٹانگیں توڑ لو۔

قرض کی ادائیگی میں سہولت کا ذریعہ

فرمایا: ایک بات کہتا ہوں، اب اس کو چاہے تم میری نصیحت سمجھو، وصیت سمجھو یا تجربہ۔ وہ یہ کہ اگر کسی سے قرض لو تو دینے کی نیت خالص رکھو(کہ اس کو ضرور بالضرور ادا کرنا ہے) اور پھر وقت پر فوراً ادا کرو(چاہے دوسری جگہ سے قرض لے کر ہی ادا کرنا پڑے)۔ نیت خالص رکھو گے تو اللہ کی جانب سے خوب مدد ہوگی۔

تحفہ و ہدیہ پیش کرنے میں مُہدیٰ الیہ کے حال کی رعایت

حضرت ایک بات ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، مالک کی ہے۔ جب مانگو اسی سے مانگو۔ اس پر فرمایا، ایک حکیم صاحب جو سبزی منڈی میں رہتے تھے خواہ مخواہ وہ میرے معتقد ہو گئے تھے۔ کپڑے وغیرہ دیکھنے سے تو معلوم ہوتا تھا کہ بڑے غریب آدمی ہیں لیکن تھے بڑے رئیس۔ وہ حج کو گئے۔ وہاں سے آنے پر مجھ سے ملے۔ کہنے لگے مکہ سے تمہارے لئے ایک کتاب لایا ہوں۔ میں نے مکہ میں ایک صاحب سے معلوم کیا تھا کہ شیخ کے لئے یہاں سے کیا تحفہ لے کر جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ یہ کتاب لے جاؤ، یہ وہاں ہندوستان میں نہیں ملتی۔ اس کی ان کو ضرورت ہوگی، اس لئے لایا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کیوں لائے تو کہنے لگے: بس جی چاہا تھا، لے آیا۔

قرض لینے کا ایک اصول

فرمایا: قرض کی ادائیگی وقت پر ہونا بہت ضروری اور مفید ہے۔ چنانچہ شروع شروع میں مجھ کو احباب سے قرض قیود و شرائط کے ساتھ ملا کرتا تھا۔ جب سب کو اس بات کا تجربہ ہو گیا کہ یہ قرض لے کر وقت پر ہی ادا کرتا ہے تو پھر دینے والوں کو پورا اطمینان ہو گیا، بلا تکلف مجھے قرض ملنے لگا۔ دیکھو حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس کا قرض لیتے وقت اس کے ادا کرنے کا پختہ ارادہ ہو تو اس کی اللہ کی طرف سے اعانت ہوتی ہے اور جو قرض لیتے وقت یوں سوچے کہ دیکھی جائے گی تو پھر معمولی سا قرض بھی ادا نہیں ہو پاتا۔ فرمایا: اصولی بات یہ ہے کہ قرض لے کر اس کا پہنچانا لینے والے ہی کے ذمہ ہے منی آرڈر وغیرہ کا خرچ دینے والے کے ذمہ نہیں۔

آمدنی کے لحاظ سے خرچ کرنا

میرا ایک اور بات کا بھی تجربہ ہے۔ بات بہت آسان ہے۔ حدیث سے مستنبط ہے کہ جتنی چادر ہو اتنا ہی پاؤں پھیلانا چاہئے۔ پہلے دیکھ لو کہ ہمارے پاس کتنا ہے اور کس قدر گنجائش ہے اسی کے اندر خرچ کرو، پھر انشاء اللہ پریشانی نہ اُٹھانی پڑے گی۔

رمضان گزارنے کا پُورے سال پر اثر

ایک عشرہ گزرنے والا ہے دیکھو وصول کر لو پیارو۔ جیسا رمضان گزار لو گے پورا سال ویسے ہی گزرے گا۔ پیارو! سونے کے وقت سو جایا کرو، باتیں نہ کیا کرو، ہر کام کے لئے اس کا وقت متعین ہے۔

اپنے ظاہری اعمال کو بہتر دیکھ کر مطمئن نہ ہونا

میرے دوستو! بہت احتیاط رکھو اپنی کسی حالت کو اچھا سمجھ کر اس پر اِتراؤ مت۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ زندہ آدمی خطرہ سے باہر نہیں (جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہو)۔ پھر حضرت نے روتے ہوئے فرمایا: دیکھو! شیطان ہر ایک پر لگا ہوا ہے، میرے لئے تم سب دعا کرو اللہ تعالیٰ میرا انجام بخیر فرمائے۔

دیکھو اپنے اکابر کے حالات واقعات خوب دیکھا کرو، پڑھا کرو۔ صحابہ میں بھی مجھے دیکھنے سے ہر رنگ کے ملے ہیں۔ اسی طرح اپنے اکابر بھی کہ ان میں بھی مختلف رنگ کے میں نے پائے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ان حضرات کی مثال گلدستہ کی سی ہے۔ گلدستہ کی خوبی یہی ہے کہ اس میں ہر رنگ وبو کے پھول ہوں۔

حضرت شیخ اور حضرت مدنی میں تعلقات کی بے تکلفی

حضرت نے اپنے سفر اور تقریر کی عادت نہ ہونے کے ذیل میں ایک واقعہ سُنایا۔ ایک مرتبہ رُڑکی میں کوئی جلسہ تھا۔ وہاں سے کچھ لوگ میرے پاس جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے آئے۔ میں نے کہا کہ بھائی! مجھ کو تقریر وقریر تو کچھ آتی نہیں شاید تمہیں کچھ سہو ہوا۔ مولانا قدوسی صاحب کے پاس آئے ہوگے، وہی بڑے مقرر ہیں اور میرے ہم نام ہیں، لہٰذا تم ان کے پاس جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں بلکہ آپ ہی کو لینے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے کہا چلو بھاگ جاؤ یہاں سے، میں نہیں جاؤں گا، چنانچہ وہ چلے گئے۔

اگلے دن صبح کو جب حضرت مدنی سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ رات میرے پاس کچھ لوگ اپنے جلسہ میں شرکت کے لئے لینے آئے تھے۔ میں نے بہت عذر کیا طبیعت ناساز ہونے کا، لیکن کسی صورت ان لوگوں نے میرا عذر قبول نہیں کیا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے چھٹکارا ملے۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی اور ان سے کہا کہ اچھا! مولانا زکریا صاحب کو اگر تم لوگ لے آؤ تو میں بھی چلے چلوں گا۔ مجھے چونکہ معلوم تھا کہ آپ کو لے آنا آسان نہیں، مجھے نجات مل جائے گی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو مجھے ہر سفر میں اتالیق بنالیا کریں، انشاء اللہ سارے سفر ختم کرادوں گا۔

ناجائز امور پر چشم پوشی اخلاقِ نبوی سے نہیں ہے

بھائی! ایک بات بہت غور سے سُنو، چاہے اس کو وصیت سمجھو۔ آج عصر کے بعد کی مجلس میں جو کتاب سُنائی جاتی ہے خُلق حسن (اچھے اخلاق) کا بار بار ذکر آیا۔ مجھے اس بارے میں ایک نصیحت کرنی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق (اخلاق) تو جابجا قرآن کریم

نے خود بیان فرمایا ہے۔خود حضرت ﷺ کا فرمان ہے، **بعثت لا تمم مکارم الاخلاق** میری بعثت مکارم اخلاق ہی کی تعلیم و تکمیل کے لئے ہوئی۔ خلق حسن یہ نہیں ہے کہ کسی کو ٹوکا نہ جائے چاہے کوئی کچھ ہی کرتا رہے۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو کسی ناجائز بات پر ٹوکا جائے، مثلاً داڑھی کٹانے پر تو وہ کہتے ہیں یہی ہیں اخلاق؟ حضور ﷺ کے اخلاق ایسے ہی تھے؟ گویا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حسن خُلق یہ ہے کہ کسی منکر پر ٹوکا نہ جائے۔

داڑھی کے مسئلہ میں حضرت مدنی کی ترک رعایت

حضرت مدنی آخر عمر میں داڑھی کے مسئلہ پر بڑی شدت سے تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ مجھ سے حضرت کے بعض جیل کے ساتھیوں نے کہا کہ ایک آپ کے اخلاق ہیں، ایک ان کے اخلاق کہ وہ حضرت داڑھی کو لے کر بیٹھ گئے (اس پر اتنی سختی کرتے ہیں)، بھلا کوئی بات ہوئی۔ یہ اعتراض کرنے والا شخص میرا ملاقاتی تھا۔

میں نے اس سے کہا، ارے بیوقوف! میرا اس پر شدت نہ کرنا ضعف ایمانی ہے اور وہ حضرت کا کمال ایمانی ہے، دیکھو! نامناسب بات پر ٹوکنا بھی خُلق حسن ہے، بد خلقی نہیں ہے۔ بلکہ نہ ٹوکنا یہ ایمانی کمزوری ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ ٹوکنے اور نکیر کرنے سے مزید خطرہ بگاڑ کا ہو تو دوسری بات ہے، وہاں بے شک صرف دل سے اصلاح کی دعا کرنی چاہئے کہ یہ بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ لیکن بغیر مصلحت و مجبوری چشم پوشی کرنا مداہنت ہے۔ ہاں! اپنے نفس کو ضرور دیکھتے رہنا چاہئے کہ ایسا تو نہیں کہ تعلق والے کے ساتھ چشم پوشی اور غیر پر نکیر۔

حضور ﷺ کا بعض مَعاصی کے ارتکاب پر بددعا فرمانا

خود حضور اکرم ﷺ جو سراپا خُلق حسن کا مصداق تھے۔ آپ کی سیرتِ طیبہ سے منکرات پر نکیر کے علاوہ بعض منکرات پر بعض مواقع میں بددعا فرمانا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک شخص سے ایک مسلمان کا قتل ہو گیا تھا۔ اس کے قبیلہ کے بہت سے لوگ قاتل کے حق میں سفارش لے کر آئے (کہ اس سے قصاص نہ لیا جائے بلکہ دیت لے کر معاف کر دیا

جائے)۔اس موقع پر آپ انے اس بڑے مجمع میں جو وہاں جمع ہو گیا تھا قاتل کے حق میں بددعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کی مغفرت نہ فرمایئے۔ حضرت نے فرمایا: بعض مشائخ کا قول ہے اور میرا بھی قیاس ہے کہ آپ نے اس کے لئے بعد میں ضرور دعا کی ہوگی۔

تبلیغی جماعت والے منکرات پر نکیر نہ کریں

فرمایا: تبلیغ کے لوگوں سے ضرور ایک بات کہوں کہ وہ منکرات کو نہ چھیڑیں۔ یہ ایک کام کو لے کر چلے ہیں بس اسی پر رہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے تھے کہ تبلیغ والوں کا ایک اصول ہے جب منکرات پر نکیر نہ کرنا ایک اصول بنایا ہے تو ضرور اس پر عمل کریں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ومولانا عاشق الٰہی صاحب کے درمیان تبلیغ کے سلسلہ میں گفتگو اور حضرت شیخ کا محاکمہ

اس کے بعد حضرت نے مجلس میں تحریک تبلیغ کے ابتدائی زمانہ میں جو گفتگو تبلیغ کے سلسلہ میں مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی سے فرمائی تھی اس کو سُنایا، جس کو حضرت نے آپ بیتی میں بھی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

چچا جان کا اصرار حضرت رائپوری پر یہ رہتا تھا کہ دہلی تشریف آوری زیادہ ہوا کرے اور کئی دن کے لئے ہوا کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ ناکارہ اور حضرت رائپوری قدّس سرّہ پہنچے ہوئے تھے۔ واپسی میں چچا جان نور اللہ مرقدہ بھی ساتھ تشریف لائے۔ چچا جان نے فرمایا کہ راستہ میں میرٹھ اُترنا ہے۔ میں نے عرض کیا میں تو اُتروں گا نہیں، سیدھا سہارنپور جاؤں گا۔ آپ دونوں حضرات اس گاڑی سے اُتر کر دوسری گاڑی سے سہانپور تشریف لے آدیں، وہاں استقبال کروں گا۔ حضرت رائپوری نے فرمایا، اگر تم نہیں اُترو گے میں بھی نہیں اُتروں گا۔ میں نے عرض کیا: چچا جان آپ کے ساتھ ہوں گے۔ چچا جان نے زور سے فرمایا کہ نہیں تم بھی اُترو گے، غرضیکہ اُترنا طے ہوگیا۔ آٹھ بجے کے قریب میرٹھ پہنچے۔

حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہ اس قدر خوش ہوئے کہ کچھ حد و حساب نہیں۔ یہ گرمی کا موسم تھا اور حضرت میرٹھی قدس سرہ کے زنانہ مکان کے نیچے ایک تہ خانہ ہے، نہایت ٹھنڈا، مولانا کو مکان بنوانے کا بہت ہی سلیقہ تھا۔ اس تہ خانہ کا ایک زینہ زنانہ میں اور ایک مردانہ میں تھا۔ اگر اس کو زنانہ کرنا ہو تو مردانہ زینہ بند کر دیا جائے اور اگر اس کو مردانہ بنانا ہو تو زنانہ زینہ بند کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے اس میں خوب چھڑکاؤ کرایا، تین چار پائیاں بچھوائیں اور خالی جگہ میں بوریا اور اس پر سیتل پاٹی کا فرش بچھایا اور کھانے سے فارغ ہو کر بہت خوشی خوشی ہم لوگ آ گئے اور مولانا میرٹھی ہمارے پیچھے پیچھے تہ خانہ میں پہنچ گئے۔

مولانا نے چچا جان کو خطاب فرما کر کہا کہ حضرت مولانا آپ کی خدمت میں بہت دنوں سے کچھ عرض کرنے کو جی چاہ رہا ہے، میری وہاں حاضری نہ ہوئی اور آپ یہاں تشریف نہ لا سکے۔ اس وقت یہ دونوں حضرات (حضرت رائپوری اور حضرت شیخ) بھی تشریف فرما ہیں، مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ نشست اس طرح کہ میں اور حضرت رائپوری ایک جانب اور چچا جان و حضرت میرٹھی برابر برابر دوسری جانب۔

حضرت میرٹھی نے عرض کیا کہ تبلیغ تو سر آنکھوں پر، اس سے تو کسی کو انکار نہیں، اس کے ضروری ہونے میں بھی اور مفید ہونے میں بھی۔ مگر جتنا غلو آپ نے اختیار کر لیا یہ اکابر کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ آپ کا اوڑھنا، بچھونا سب تبلیغ ہی بن گیا۔ آپ کے یہاں نہ مدارس کی اہمیت، نہ خانقاہوں کی۔ چچا جان کو بھی غصہ آ گیا۔ فرمایا کہ جب ضروری آپ بھی سمجھتے ہیں تو آپ خود کیوں نہیں کرتے؟ اور جب کوئی کرتا نہیں تو مجھے سب کے حصہ میں فرض کفایہ ادا کرنا ہے۔ غرض دونوں بزرگوں میں خوب تیز کلامی ہوگئی اور حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کو کچھ ایسا رنج و قلق ہوا کہ کانپنے سے لگے۔ میں نے چپکے سے حضرت رائپوری کے کہنی مار کر (وہ دونوں اپنی تقریر میں تھے، انہوں نے دیکھا بھی نہیں) کہا کہ ''میرٹھ اُتریں گے''۔ میں بھی چار پانچ منٹ خاموش بیٹھا رہا اور جب میں نے دیکھا کہ دونوں اکابر کا جوش ڈھیلا پڑ گیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ میں بھی عرض کروں، تو تینوں حضرات نے متفق اللسان ہو کر فرمایا، ضرور ضرور۔ حضرت

رائپوری نے فرمایا کہ اتنی دیر سے چُپ بیٹھے رہے۔ میں نے کہا کہ بڑوں کی باتوں میں سب کا چھوٹا کیا بولتا۔

میں نے حضرت میرٹھی کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میں ان سب اشکالات میں آپ کے ساتھ ہوں، اس لفظ پر چچا جان کو غصہ آیا مگر کچھ بولے نہیں۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ کام کوئی دین کا ہو یا دنیا کا ہو تو چند مطلب لے کر نہیں ہوا کرتا۔ کام تو جو ہوتا ہے یکسوئی اور اس کے پیچھے پڑ جانے سے ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو شخص جس کی سرپرستی کرے گا اس کو اسی کا دل وجان سے ہونا پڑے گا۔ چنانچہ ہمارے اکابر میں سے جس نے بھی جو کام کیا ہمہ تن اس میں لگ گئے (حضرت رائپوری نے میری تائید فرمائی کہ سچ فرمایا)۔ میں نے کہا کہ حضرت! چچا جان اپنے اس حال میں مغلوب ہیں، آپ کو بھی معلوم ہے اور ہم کو بھی اور کوئی کام بغیر غلبۂ حال کے نہیں ہوتا۔ خبر نہیں کیا بات کہ حضرت میرٹھی کو یکدم ہنسی آ گئی اور میرے چچا جان بھی ہنس پڑے۔ بات کو بھی دونوں ختم کرنا چاہتے تھے، اس کے بعد میں نے حضرت میرٹھی سے عرض کیا کہ کھانے میں اتنے تو مال کھلا دیئے میرے سے تو بیٹھنا مشکل ہو رہا ہے اب آپ تشریف لے جاویں ہم کو آرام کرنے دیں، چنانچہ مولانا ایکدم اُٹھ گئے۔

موجودہ تبلیغی کام کی حضرت کے نزدیک اہمیت وافضلیت

اس کے بعد حضرت نے مجلس میں فرمایا: دیکھو تبلیغ کا کام جو آج چل رہا ہے بہت اُونچا عمل ہے۔ یہ کام مدرسے سے بھی اُونچا ہے، خانقاہ سے بھی اُونچا ہے۔ یہ کام نہ مدارس میں ہو رہا ہے نہ خانقاہ میں۔ یہ بات میں علماء اور مولویوں سے کہتا ہوں۔ اس بات کے کہنے کا صرف ہم ہی کو حق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں۔

تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے ایک اہم ترین ہدایت

لیکن تبلیغ والوں سے کہتا ہوں غور سے سُن لو۔ یہاں بہت سے تبلیغ والے بھی ہوں گے، اچھی طرح سُن لیں کہ ان کو بالکل اجازت نہیں کہ وہ اس بات کو اپنی زبان سے کہیں۔ حضرت چچا جان نور اللہ مرقدہ خود فرمایا کرتے تھے کہ علم و ذکر تبلیغ کی گاڑی کے

دو پہیے ہیں ان کے بغیر تبلیغ نہ چل سکے گی۔ حضرت نور اللہ مرقدہ خود مدرسہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ اس لئے تبلیغی کام کرنے والوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اس تبلیغی کام کو مدارس یا خانقاہوں پر فضیلت دیں، زبان سے یا اشارہ کنایہ سے۔ خوب سمجھ لو اور غور کرلو۔ مگر ایک بات مولویوں سے کہتا ہوں کہ تم منکرات پر ضرور ٹوکو۔

پھر فرمایا: بارہا والد صاحب نور اللہ مرقدہ میرے تھپڑ مار دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ ایسا میں اس لئے کرتا ہوں کہ کہیں صاحبزادگی کا تم میں سور نہ پیدا ہو جائے۔

آج ہم اپنے بچے کو تو ہاتھ نہ لگائیں اور دوسرے کے بچے کو نہی عن المنکر کی آڑ میں ماریں۔ **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ** یعنی ہر ایک شخص سے اس کے ماتحت کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس کی نگرانی کی تھی یا نہیں۔

تحمل کے بقدر شمائل نبوی کو اپنانا

ارے پیارو مولویو! شمائل کا خوب مطالعہ رکھو۔ جن چیزوں پر عمل نہ ہو سکے تو کم از کم ان کو دل سے اچھا سمجھو کہ ہونا تو یہی چاہئے، لیکن ہم اپنے ضعف اور عدم تحمل کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے۔

ارے دوستو! ایک رمضان تو ایسا گزار لو جیسا گزارنا چاہئے۔ آگے بس بیس ہی دن باقی رہ گئے ہیں، ان کو وصول کرلو، اتباع سنت کی خوب مشق کرو۔ میرے چچا جان نے بھی مجھ کو اتباعِ سنت کی نصیحت فرمائی تھی اور یہ کہ اپنے دوستوں کو بھی اس کی تاکید ضرور کرتے رہنا۔ خصوصی خطاب ذرا کم کرو اور عمومی خطاب زیادہ کرو۔

بجائے مناظرہ کے اہل بدعت کو درود شریف کی تلقین وترغیب

بعض بریلوی حضرات مخالفت کرتے ہیں، کچھ یہ بھی ہے کہ لوگ ان تک غلط باتیں پہنچا دیتے ہیں۔ جب میں مکہ مکرمہ میں تھا تو وہاں پر بھی تبلیغ کے خلاف بڑے بڑے پوسٹر شائع ہوئے تھے۔ میرے پاس بھی آئے تھے۔ میں نے اپنے دوستوں کو جواب دینے سے منع کر دیا کہ ان سے مناظرہ کرنے کے بجائے ان کو درود کی ترغیب دو۔ فرمایا فضائل درود سے ماشاء اللہ بڑا فائدہ پہنچا۔ میں سوچا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے پسندیدگی اور خوشی کا اظہار ہو رہا ہے آخر کیا بات ہے۔ اب اس کا نتیجہ نظر آ رہا ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ ہندوستان میں ہم لوگ وہابی، کافر اور معلوم نہیں کیا کیا کہلاتے ہیں۔ اس کے برخلاف عرب میں ہم بدعتی (کہلاتے ہیں)۔ تقویۃ الایمان کا عربی میں ترجمہ مولانا علی میاں سے اسی لئے میں نے کرایا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بڑے جلسے میں تبلیغ کے خلاف بیان ہو رہا تھا۔ بیان کے بعد میرے بعض احباب نے میرا رسالہ فضائل درود وہاں کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ لوگ اس کو پڑھ کر کہنے لگے ارے ارے ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن کہتے ہو۔ یہ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور درود پر ایسی ایسی تصانیف لکھتے ہیں اور آپ سے ایسا تعلق رکھتے ہیں۔

بھائی جمیل احمد صاحب حیدر آبادی نے عرض کیا کہ حضرت! حیدر آباد میں بھی ایک جگہ کچھ لوگ ایسے ہی بگڑے ہوئے تھے۔ جب ان کو فضائل درود دکھائی تو مطمئن اور مسرور ہو گئے۔

بیعت سے پہلے چند ہدایات

بیعت کی درخواست کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو حضرات مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ پہلے میری چند باتیں سُن لیں۔ جو حضرات پہلے سے اکابر میں سے کسی سے بیعت ہوں وہ دوبارہ مجھ سے بیعت نہ ہوں، میں ایسے حضرات کو بیعت نہیں کیا کرتا۔ ہاں اگر وہ کچھ تسبیحات ذکر وغیرہ معلوم کرنا چاہیں تو وہ میں ضرور بتا دیتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ بیعت کا ارادہ رکھتے ہیں وہ پہلے کسی زندہ پیر سے جو مشائخ حقہ میں سے ہوں بیعت نہ ہوں۔ تیسرے یہ کہ بیعت ہی کی نیت سے آئے ہوں، دوسروں کی دیکھا دیکھی بیعت نہ ہوں۔ بہتر تو یہی ہے کہ ہندوستان میں بہت سے مشائخ بحمد اللہ موجود ہیں، ان میں سے کسی ایک سے استخارہ مسنونہ کے بعد جس کی طرف دل کا رجوع ہو بیعت ہو جائیں، کیونکہ میں آج کل کا مہمان ہوں۔ بعد میں پھر پوچھتے پھرو گے کہ ہم کس سے رجوع کریں اور تبلیغی حضرات کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ مولانا انعام الحسن صاحب سے ہی بیعت ہوں اس سے ان کو تبلیغ میں بھی مدد ملے گی۔

استاذ کی بے ادبی علم سے محرومی کا سبب

فرمایا: بھئی ایک بات کہنی ہے جس کو میں غیر رمضان میں بھی کہا کرتا ہوں۔ پارسال رمضان میں بھی کہی تھی جو بہت تجربہ کی بات ہے، بڑوں سے بھی منقول ہے۔ وہ یہ کہ استاذ کی بے ادبی کرنے والا علم سے محروم رہتا ہے۔ دیکھو مولویو! خوب غور سے سُنو! جو طالب علم اسٹرائک میں شریک ہوگا یا اساتذہ کی کسی قسم کی اہانت اور بے ادبی کرے گا، خواہ وہ کتنا ہی صاحب استعداد ہو کتنا ہی ذہین اور قابل ہو، علم سے کورا رہ جائے گا۔ اب خواہ وہ بعد میں سیاسی لیڈر بنے یا کچھ اور۔ میری بڑے اہتمام سے تم لوگوں سے درخواست ہے کہ علم حاصل کرنے میں جتنے بھی تواضع ہو سکے زبانی نہیں بلکہ دل سے اختیار کرنا۔ اگر چاہو کہ علم حاصل ہو جائے تو استاذ کا ادب کرنا۔ جتنا ادب کرو گے اتنا ہی علم حاصل ہوگا۔

میں نے اپنے بچپن کے دور میں خود دیکھا ہے کہ اس وقت مسلمان استاذ کا غیر مسلم شاگرد اور غیر مسلم استاذ کا مسلمان شاگرد بڑے درجہ کا عہدیدار ہونے کے بعد بھی اپنے استاذ کا اکرام کرتا تھا۔ جج ہو گئے، کلکٹر ہو گئے لیکن اگر استاذ سامنے آ گئے تو ادباً فوراً کھڑے ہو گئے کہ آیئے آیئے منشی صاحب تشریف لایئے۔ معلوم ہوا کہ کبھی بچپن میں منشی صاحب سے فارسی پڑھی تھی یا املاء حساب وغیرہ سیکھا تھا (اس لئے اکرام کیا)۔ بھئی یہ چیزیں ہیں اختیار کرنے کی، اب تو یہ رہا ہی نہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ تقریباً پچاس سال سے یہ چیز (استاذ کا ادب واحترام) اُٹھتی جا رہی ہے۔

ہمارے اطراف میں ادب، اساتذہ کی شہرت اور اس میں انحطاط

یہ تو مشہور تھا کہ استاذ کا ادب شمالی ہند میں ہے۔ غیروں کی نگاہوں میں یہ بات بڑی کھٹکتی تھی۔ اسی وقت سے برابر اس بات کی کوششیں چل رہی ہیں کہ ان مدارس سے استاذ کا ادب جاتا رہے۔

اطاعتِ والدین فراخیٔ معیشت کا ذریعہ

ایک دوسری بات اور تم سے کہتا ہوں وہ یہ کہ معیشت وروزی میں بڑھوتری اور

برکت کا سبب والدین کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ والدین کا اطاعت گذار تنگیٔ معاش میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو وہ ایک نہ ایک دن اس پریشانی میں مبتلا ہو کر رہتا ہے۔

روافض کی حفظ قرآن سے محرومی اور اس کا عبرتناک واقعہ

فرمایا: اب تو معلوم نہیں دنیا کے کیا رنگ ہیں، اپنے بچپن میں خوب دیکھا اور بڑے بڑے دعوے کئے اور مناظرے ہوئے کہ رافضی حافظ قرآن نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ کسی جگہ کچھ غیر مسلموں اور رافضیوں نے مل کر ایک سُنی حافظ قرآن کو خوب لالچ دے کر اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اپنے آپ کو رافضی ظاہر کر کے حفظ قرآن سُنادے۔ مقابلہ ہوا، جب وہ شخص آیا تو سب سے پہلے اس سے پورے مجمع کے سامنے صحابۂ کرام پر تبرّا پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے سب کے سامنے صحابہ پر تبرّا پڑھا۔ پس فوراً قرآن پاک سینہ سے نکل گیا اور بھول گیا۔ میرے دوستو! بے ادبی سے بڑی محرومی ہوتی ہے۔

معتکفین کے لئے ایک خاص ہدایت

اس کے بعد حضرت نے معتکفین کو ہدایت فرمائی کہ مدرسہ کے سامنے جو چائے وغیرہ کی دکانیں خاص طور سے ماہ مبارک میں لگ جاتی ہیں۔ ان سے خریدنے کا سلسلہ شب میں بارہ بجے سے تین بجے تک بالکل بند رکھیں اور اس وقت میں بالکل یکسوئی کے ساتھ عبادت میں مشغول رہیں یا آرام کریں۔ اس سلسلہ میں حضرت نے معتکفین کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں کئی بار تنبیہ کر چکا ہوں، پھر بھی آپ لوگ نہیں مانتے ہو۔ دیکھو میں گو خود نالائق ہوں، بُرا ہوں، کیسا ہی ہوں، لیکن تمہارا تو پیر ہوں۔ دیکھو! اگر نافرمانی کرو گے تو مجھ سے نفع کی امید نہ رکھنا، کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

والدین کے انتقال کے بعد ان کی اطاعت شعاری کا طریقہ

فرمایا: جس کسی نے اپنے والدین کی زندگی میں ان کی خدمت و اطاعت نہ کی ہو

بعد میں ان کے انتقال کے بعد اسکی تلافی کی شکل بھی حدیث سے ثابت ہے۔ وہ یہ کہ ایسا شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت وایصال ثواب اور ان کے ملنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے جس سے وہ پھر فرمانبرداروں میں شامل ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے پورے مال کی حفاظت اور اس کا ایک عجیب واقعہ

فرمایا: ایک بات میرے ذہن میں اور آئی اس کو بھی عرض کر دوں۔ دیکھو! اگر مال کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے تو پھر وہ زکوٰۃ والا مال دوسرے مال کو بھی کھا جاتا ہے۔ زکوٰۃ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی لیکن زکوٰۃ نہ دینے سے مال رہتا نہیں، آگ لگ جائے، مقدمہ میں خرچ ہو جائے، دُکھ بیماری میں خرچ ہو جائے، غرضیکہ کسی نہ کسی صورت سے وہ مال ہاتھ سے نکل جائے گا۔

فرمایا: اس سلسلہ کا ایک قصہ سُناتا ہوں جو میں نے بچپن میں اپنے والد صاحب سے اور دوسرے لوگوں سے بھی سُنا کہ ضلع سہانپور میں بہٹ سے آگے (مرزا پور میں) انگریزوں کی کچھ کوٹھیاں تھیں۔ منجملہ ان کے بیلو میں بھی جہاں اعلیٰ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوا اور اس کے قرب وجوار میں بہت سی کوٹھیاں کاروباری تھیں جن میں ان انگریزوں کے کاروبار ہوتے تھے اور ان میں مسلمان ملازم کام کیا کرتے تھے۔ اور وہ انگریز دہلی، کلکتہ وغیرہ بڑے شہروں میں رہتے تھے۔ کبھی کبھی معائنہ کے طور پر آ کر اپنے کاروبار کو دیکھ جاتے تھے۔

ایک مرتبہ اس جنگل میں آگ لگی جو کبھی کبھی مختلف وجوہ سے لگتی رہتی تھی، جس کی ایک وجہ اس وقت یہ بھی مشہور تھی کہ جس شخص کے اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ سات مکانوں میں آگ لگا دے تب اولاد ہو جائے گی۔ غرضیکہ ایک مرتبہ آگ لگی اور قریب قریب ساری کوٹھیاں جل گئیں۔

ایک کوٹھی کا ملازم اپنے انگریز آقا کے پاس دہلی بھاگا ہوا گیا اور جا کر واقعہ سُنایا کہ حضور! سب کوٹھیاں جل گئیں، آپ کی بھی جل گئی۔ وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا۔ سُننے کے بعد بھی نہایت اطمینان سے لکھتا رہا۔ ملازم نے دوبارہ کہا کہ حضور سب کچھ جل گیا۔ اس نے

لاپرواہی سے جواب دیا، میری کوٹھی نہیں جلی اور کہا کہ میں مسلمانوں کے طریقہ پر مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، اس لئے میرے مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ملازم تو جواب دہی کے خوف کے مارے بھاگا ہوا گیا تھا کہ صاحب کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہ کی۔ مگر وہ اس کا یہ جواب سُن کر واپس آ گیا، آ کر دیکھا تو واقعی اس کے آقا کی کوٹھی نہیں جلی تھی۔

ہم مسلمانوں کے لئے یہ بڑی عبرت کا قصہ ہے۔ دیکھئے اس انگریز کو زکوٰۃ کے فائدے پر کتنا یقین تھا۔

اسی سلسلہ کا حافظ فضل حق صاحب کا ایک واقعہ

اسی سلسلہ کا ایک اور واقعہ سُنو! ہمارے مدرسہ کے ابتدائی محسنوں میں ایک بزرگ تھے جن کا نام حافظ فضل حق صاحب تھا۔ ان کے دو صاحبزادے الحاج حبیب احمد صاحب میرے حضرت قدس سرّہ اور میرے والد صاحب کے خاص تعلق رکھنے والے تھے۔ میرے والد صاحب کے انتقال پر ان کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے میں ان ہی کا زور تھا اور ان کے دوسرے صاحبزادے حافظ زندہ حسن صاحب جن کا ذکر آپ بیتی میں کئی جگہ گزرا ہوگا بالخصوص میرے ابتدائی دور میں قرضہ کے سلسلہ میں ان کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔

حافظ فضل حق صاحب ان دونوں کے والد تھے اور میرے حضرت کے استاذ شیخ المشائخ مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہ، جن کے نام نامی پر مدرسہ کا نام مظاہر علوم رکھا گیا، کے یہ بہت ہی جانثار و معتقد تھے۔ ان ہی کی کوشش سے یہ مدرسہ قاضی کے محلہ سے جہاں ابتداءً قائم ہوا تھا یہاں منتقل ہوا جہاں اب ہے۔

حافظ صاحب مولانا محمد مظہر صاحب قدس سرّہ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے، گرمی کے زمانہ میں حضرت کو کثرت سے پنکھا جھلتے۔ ان کا تکیہ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے''۔ ہر بات میں یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل سے یہ ہوا، اللہ کے فضل سے وہ ہوا۔

ایک مرتبہ صبح کے وقت حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے

اورعرض کیا کہ حضرت رات تو اللہ کے فضل سے غضب ہی ہو گیا۔ حضرت قدس سرہ بھی یہ فقرہ سن کر ہنس پڑے۔ دریافت فرمایا کہ حافظ جی! اللہ کے فضل سے کیا غضب ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت رات میں میں اپنے گھر سو رہا تھا اور میں اکیلا ہی تھا۔ درمیان میں جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا سُنو! میں شہر کے رئیسوں میں شمار ہوتا ہوں اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے ہی پاس ہے اور وہ سب اسی کوٹھے میں ہے اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے بہت معمولی پانچ چھ پیسے کا ہے، تم کتنی ہی کوشش کرلو تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ میں نے حضرت جی (مولانا محمد مظہر صاحب) سے سُن رکھا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ میں نے اس مال کی زکوٰۃ دے رکھی ہے اس لئے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔

حضرت جی! اللہ کے فضل سے میں تو یہ کہہ کر سو گیا۔ میں جب اخیر شب میں تہجد کے لئے اُٹھا، وہ اسی طرح اس تالے کو توڑنا چاہ رہے تھے۔ پھر اتنے میں صبح کی اذان ہو گئی۔ بس حضرت جی! اللہ کے فضل سے وہ سب بھاگ گئے۔

دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے

حضرت ایک بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، اب وہ جس سے چاہے دلوادے۔ دلوں میں وہی ڈالتا ہے۔ فرمایا: میرے ایک تعلق والے تھے۔ ہمیشہ مجھ کو بیروں کی فصل پر پانچ سیر بیر دیوبند سے بھیجا کرتے تھے (دیوبند کے بیر مشہور ہیں)۔ جس سال انکا انتقال ہوا۔ اسی سال ایک دوسرے صاحب کے یہاں سے ایک ٹوکرا بیروں کا آنا شروع ہو گیا۔ کاندھلہ کے میرے ایک عزیز تھے، مجلس میں جو اس وقت کاندھلہ والے ہیں، وہ ان کو جانتے ہی ہوں گے۔ وہ کاندھلہ کے رئیسوں میں سے تھے۔ انہوں نے میرے سو روپے مقرر کیے، ہر سال بھیجا کرتے تھے۔ اپنے سب ہی اکابر کا خیال رکھا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا، اسی سال سے ایک دوسرے صاحب نے دینے شروع کر دیئے۔

دیکھو پیارو! اللہ جل شانہ ہی معطی ہے۔ مانگو تو اسی سے، اسی مالک سے، وہی دینے والا ہے جس سے چاہے دلوادے۔ اور اے مولویو! سن لو دیکھو تم لاکھ سر پٹخو، کوئی دے گا نہیں۔ نہ مہتمم دے نہ کوئی سرپرستِ مدرسہ، اللہ ہی ہیں جس سے چاہیں دلوادیں۔ میرے دوستو! مانگو، خوب مانگو اور رو کر مانگو اور مولوی صاحب! وہ کیا ہے حدیث میں کہ جوتے کا تسمہ بھی اگر ٹوٹ جائے تو وہ بھی پروردگار ہی سے مانگو۔

فرمایا: ایک بات یاد رکھو! بغیر طلب اور سوال کہیں سے کچھ آئے تو اس میں بہت برکت ہوتی ہے اور جو (چیز) طلب سے آئے وہ بہت بے برکتی ہوتی ہے۔ کسی رئیس مالدار آدمی کو دیکھ کر دل میں سوچے کہ یہ ہمیں کچھ دیدے، یہی اشرافِ نفس ہے۔

اشراف کیا ہے؟ اس کی حقیقت

حضرت مولانا الحاج رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مرید اور میرے جملہ اکابر کے بہت خصوصی تعلق رکھنے والے تھے۔ بہاولپور کے وزیر اعظم تھے اور نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے موجودہ نواب کی صغرسنی کی بنا پر ان کے اتالیق اور جملہ امور میں نواب صاحب مرحوم کے قائم مقام رہے اور میرے اکابر کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی بھی بہاولپور کثرت سے تشریف آوری ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ان کی دعوت پر حضرت اقدس سہارنپوری، حضرت شیخ الہند اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ہم تینوں ساتھ ہی بہاولپور تشریف لے گئے اور ساتھ ہی واپس تشریف لائے۔ واپسی پر انہوں نے ہر سہ حضرات کی خدمت میں علی التساوی ایک گران قدر ہدیہ پیش کیا۔ شیخین نے تو قبول کرلیا اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ مجھے چونکہ اشراف نفس ہو گیا تھا اس لئے قبول سے معذوری ہے اور ان دونوں حضرات کو نہیں ہوا ہوگا۔ مولانا رحیم بخش صاحب نے وہ رقم فوراً لے کر اپنی جیب میں رکھ لی اور اشارۃً بھی کوئی لفظ اس کے قبول کرنے کے متعلق نہیں کہا۔

یہ سب حضرات ان سے رخصت ہو کر ریل میں سوار ہو گئے۔ مولانا رحیم بخش صاحب نے اپنے ایک ملازم کے ذریعے حضرت حکیم الامت کی رقم ایک لفافہ میں بند

کر کے بھیجی اور اس میں یہ پرچہ لکھا کہ حضرت والا نے اشرافِ نفس کے احتمال سے یہ ناچیز ہدیہ واپس فرما دیا تھا اور اس خاکسار کو حضرت اقدس کی منشاء کے خلاف مکرر درخواست کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن اب تو حضرت واپس جا چکے اور اشراف کا کوئی احتمال بھی نہیں رہا۔ اس لئے امید ہے کہ اس ناچیز ہدیہ کو قبول فرمالیں گے اور اگر اب بھی کوئی گرانی ہو تو حضرت کے طبع مبارک کے خلاف ذرا اصرار نہیں۔

اس مضمون کا پرچہ لفافہ میں بند کر کے اس نوکر سے کہا کہ جب سات آٹھ اسٹیشن گزر جائیں تو فلاں جنکشن پر یہ بند لفافہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا اور پوچھ لینا حضرت اگر کچھ جواب دیں تو لیتے آنا ورنہ چلے آنا۔ چنانچہ حسب ہدایت ملازم نے چند اسٹیشن بعد جا کر وہ لفافہ پیش کیا اور حضرت نے پڑھا اور بہت ہی اظہار مسرت فرمایا اور فرمایا کہ محبت خود طریقے سکھلا دیتی ہے۔ مجھے تو اس قصہ پر ہمیشہ ایک مصرعہ یاد آتا ہے۔

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

بہرحال حضرت نے قبول فرما کر تحریر فرمایا کہ خدا تعالیٰ آپ کی فہم و ذکاء میں ترقی عطا فرمائے۔ واقعی اب مجھے کوئی عذر نہیں۔

مولویو! دیکھو مان لو میری بات کو کہ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میرے سننے میں آتا رہتا ہے کہ مہتمم نے فلاں کی تنخواہ گھٹا دی اور فلاں کی بڑھا دی اور مہتمم نے یہ کر دیا اور منتظم نے وہ کر دیا۔

اللہ دیکھتا ہے اور اس کا ایک واقعہ

فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عادتِ شریفہ تھی کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کے حالات کی خبر گیری کے لئے گلی کوچوں میں گشت کیا کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ان کو ایک بوڑھیا کے گھر کے اندر سے آواز آئی جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی ملا دے تاکہ اس کی مقدار بڑھ جائے۔ اس پر وہ لڑکی بولی کہ امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔ بڑھیا نے کہا کہ امیر المؤمنین کیا دیکھ رہے ہیں؟ لڑکی نے جواب دیا کہ بے شک امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے لیکن ان کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ ساری بات کھڑے سُنتے رہے۔ اس لڑکی کی بات ان کو بہت پسند آئی اور پھر اپنے لڑکے سے انہوں نے اس لڑکی کا رشتہ کر دیا، پھر اسی لڑکی کی اولاد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

دوستو! دیکھو اخلاص کتنی اچھی چیز ہے، کامیاب ہیں وہ لوگ جو صاحب اخلاص ہیں۔

اخلاص وعقیدت کے ساتھ عمل کی برکت

بھئی ایک قصہ تم کو اور سنائیں! دیکھو میری نااہلیت پر تو نظر کرنا مت، بس مالک سے جتنا تعلق رکھو گے، بڑھاؤ گے اتنا ہی کامیاب ہوتے جاؤ گے۔ یہ قصہ میں نے اپنے والد صاحب سے سُنا تھا کہ ایک ڈاکو تھا۔ جب تک شباب وقوت رہی خوب ڈاکے مارے لیکن جب ضعف وپیری لاحق ہوئی اور اعضاء نے جواب دیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بے محنت ومشقت خوب مزے اُڑتے ہیں۔

قصہ تو طویل ہے مختصر یہ کہ اس مصنوعی پیر کی لغویات کے ساتھ ایک سچا طالب اس کے پاس پہنچا۔ یہ اپنے لغویات میں مشغول تھا، مگر اس کی طلب اور صدق نیت نے پیر کی خرافات کی طرف توجہ نہ ہونے دی۔ اس نے جا کر ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا: میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ وہ چونکہ غلطی سے ناوقت پہنچ گیا تھا اس لئے وہ اس کے بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا۔ یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی گولوں (یعنی پانی کی نالیوں) کو صاف کرو، اس کی ڈولیں بناؤ اور نالیاں درست کرو۔

وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر تحقیق کرتا ہوا اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کر دی۔ باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے، اس نے منت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ لینا نہیں، مجھے میرے پیر نے اس باغ کے صاف کرنے اور مرمت کرنے کو کہا ہے۔

اوّل اوّل تو وہ لوگ ڈرتے رہے، اس کو مارا پیٹا بھی مگر یہ دیکھ کر کہ نہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو روکھی سوکھی ہوتی ہے وہ کھالیتا ہے۔ تین مہینے اسی حال میں گزر گئے۔

مشہور یہ ہے کہ ابدال میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو غوث وقت کی مجلس میں اس کا بدل منتخب ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی ابدال کا انتقال ہوا اور غوث کی مجلس میں انتخاب کے لئے ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے۔ حضرت غوث نے سب نام سُن کر کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو؟ سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے، سچی طلب رکھتا ہے بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے۔

سب نے اس رائے کو پسند کیا، پھر سب نے مع حضرت غوث اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہوئے اور طی الارض کرتا ہوا ان حضرات کے پاس پہنچا اور پھاوڑا باغ والوں کے یہ کہہ کر حوالہ کردیا کہ فلاں پیر صاحب کا ہے جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جا رہا ہوں۔ ہرچند لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلادے، مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا اور کہا سُنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہوگیا۔ یہی مطلب ہے اس مشہور مقولہ کا کہ ''پیر من خس است اعتقاد من بس است''۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

قطب وابدال

ارشاد فرمایا: کل ڈاکو کے قصہ میں قطب اور ابدال کا ذکر آیا تھا۔ ابدال کی اصل حدیث شریف میں موجود ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں امام مہدی کے قصہ میں ابدال کا ذکر آیا ہے۔ ان ابدال کی جماعت کا ایک سردار ہوتا ہے جو قطب کہلاتا ہے۔ قطب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو علماء میں، دوسرے ابدال میں۔ اوّل کو قطب الارشاد کہتے ہیں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائن کے ہوتے ہیں۔ دوسرا قطب ابدال کا سردار ہوتا ہے، یہ حضرت خضر علیہ السلام کی لائن کے ہوتے ہیں جو قطب تکوینی ہوتے ہیں۔ ان کے ذمہ تکوینی لائن کے کام ہوتے ہیں، کچھ توڑ پھوڑ دیا، کسی جگہ آگ لگادی، کسی کو مار ڈالا، کبھی کشتی ڈبو دی، ٹیڑھی دیوار سیدھی کردی وغیرہ وغیرہ۔

اس قطب کے تحت چالیس (۴۰) ابدال ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی ایک کا دنیا سے انتقال ہوجاتا ہے تو باہمی مشورہ سے اس مرنے والے کی جگہ کسی شخص کا انتخاب کرکے لے آتے ہیں، فیصلہ قطب کی بات پر ہی ہوتا ہے۔ دراصل قطب ان سب کا صدر ہوتا ہے اور اگر حضور ﷺ اس مجلس میں شریک ہوں تو آپ ﷺ صدر ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! کاہے میں لگ رہے ہو؟ میرا مقصود صرف واقعہ سُنانا نہیں ہے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ صاحب اخلاص محروم نہیں رہتا، اس کو حاصل ہو ہی جاتا ہے۔

دہ دَر دنیا ستر درآخرت اور اس کا ایک دلچسپ واقعہ

ارشاد فرمایا: ایک قصہ اور سُن لو، ایک مولوی صاحب تھے۔ وہ خدا کی راہ میں صدقہ کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ''دہ در دنیا ستر درآخرت''، یعنی صدقہ کا بدلہ دس (۱۰) گنا تو دنیا ہی میں مل جاتا ہے اور ستّر (۷۰) گنا آخرت میں ملتا ہے۔ ایک شخص تھا فقیر، بڑی مشکل سے اس نے سو (۱۰۰) روپے جمع کیے۔ اس نے جب ان مولوی صاحب کی بات سُنی تو وہ سو (۱۰۰) روپے جو اس کی ساری کمائی تھی لاکر ان مولوی صاحب کو دیدی یہ سوچ کر کہ سو (۱۰۰) کے ہزار ہوجائیں گے۔

اب وہ مولوی صاحب تو روپے لے کر چلے گئے، یہ بیچارہ فقیر ہر روز اس انتظار میں کہ اب کہیں سے ہزار روپے آئیں گے، ہر وقت اس کی نگاہ دروازے پر لگی رہتی کہ بس اب کوئی آتا ہی ہوگا۔ جب کوئی نہ آیا تو مایوس ہوکر لگا مولوی صاحب کو گالی بکنے، اس کی گور میں کیڑے پڑیں، ستیاناس ہو، کمبخت میرا سب روپیہ لے کر چلا گیا۔ یہاں تک کہ صدمہ کی وجہ سے دست آنے لگے۔ سارے دن استنجا کرتے کرتے پریشان ہوگیا اور دوسرے لوگ بھی اس کی وجہ سے پریشان ہوئے۔

اس نے لوگوں سے کہا مجھے کسی جگہ قریبی جنگل میں لے جاکر ڈال دو، یہاں میرا پاخانہ کون کب تک صاف کرے گا، چنانچہ لوگوں نے اس کو اُٹھا کر جنگل میں ڈال دیا۔ اس کے دستوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کمزوری کی وجہ سے چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں رہا، آس پاس ڈھیلے اُٹھا کر استنجا کرلیا کرتا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ استنجے کے لئے ڈھیلا تلاش کررہا تھا۔ زمین پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ زمین میں کوئی سخت چیز محسوس ہوئی اس کو شبہ ہوا کہ کیا ہے؟ اس جگہ کو کھودا مٹی ہٹائی تو ایک برتن کا ڈھکن نظر آنا شروع ہوا۔ اس کی امید بندھی۔ زمین اور کھودی تو دیکھا کہ ایک برتن ہے اس نے اس کو نکالا تو اس میں ایک ہزار روپے نکلے۔ کہنے لگا ارے مولوی نے سچ کہا تھا ہزار روپے ملیں گے مگر یہ کہنا بھول گیا کہ دست بہت لگیں گے۔

کچھ دن بعد وہ مولوی صاحب پھر آئے اور آواز لگائی ''دہ در دنیا ستر در آخرت''۔ اس پر وہ فقیر بولا دیکھو مولوی صاحب بالکل سچ کہہ رہے ہیں لیکن سُن لو پہلے خوب دست آئیں گے اس کے بعد ہزار روپے ملیں گے۔

سو روپے کے نوٹ میں ایک بوتل کا نشہ

ارشاد فرمایا: سو روپے میں ایک شراب کی بوتل کی قوت اور نشہ ہوتا ہے۔ اس پر حضرت نے ایک قصہ سُنایا کہ ایک نائی (حجام) تھا جو حجامت بناتا تھا۔ ایک دن بادشاہِ وقت کی حجامت بناتے بناتے کہنے لگا: جی: ایک بات بتاؤں؟ بادشاہ نے کہا ضرور۔ کہا کہ حضور کی بیٹی جوان ہوگئی۔ بادشاہ بولا ہاں۔ پھر وہ حجام بولا: جی میرا بیٹا بھی جوان، بس پھر دیر کیا (نکاح ہو جائے)۔ بادشاہ یہ سن کر آگ بگولا ہوگیا کہ یہ حجام اور مجھ سے رشتہ کی بات کررہا ہے ضرور اس میں وزیروں کی سازش ہے ورنہ اس کی کیا مجال تھی۔ فوراً اس نے وزیروں کو طلب کیا۔ ایک بہت بوڑھا وزیر جو بادشاہ کا بڑا معتمد تھا، اس نے کہا حضور! فکر نہ کریں پوری سازش کو معلوم کرتا ہوں۔ اس نے سازش کا پتہ لگایا مگر کوئی سازش نہ نکلی۔ بہت غور وخوض کے بعد وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا، حضور! آپ اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھ کر حجامت بنوائیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تو وہاں نائی نے رشتہ کی کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی بلکہ بادشاہ نے پوچھا بھی کہ ابے تو کل وہاں کیا کہہ رہا تھا؟ نائی پر یہ سن کر لرزہ طاری ہوگیا، اُسترہ ہاتھ سے گر پڑا اور کہا کہ میں نے تو کچھ نہ کہا تھا۔ بادشاہ کو بھی بڑا تعجب ہوا کہ جگہ بدلنے سے کیا ہوگیا۔ چنانچہ اب دوسری مرتبہ پھر بادشاہ پہلی جگہ حجامت کے لئے بیٹھا اور حجامت بنوانی شروع کی تو اس وقت پھر نائی کہنے

لگا: جی میرا لڑکا تمہاری لڑکی، رشتہ ہو جائے تو کیا ہی اچھا۔ بادشاہ حیرت میں پڑ گیا۔ وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ حضور! میں سمجھ گیا آپ اس جگہ کی کھدائی کرائیں۔ چنانچہ جب اس جگہ کو کھودا گیا تو جہاں بیٹھ کر حجام نے رشتہ کی بات کہی تھی اس جگہ سے مال کا خزانہ نکلا۔ وزیر نے کہا دیکھئے چونکہ آپ بادشاہ تھے آپ برداشت کر گئے اور یہ حجام تھا جب یہ اس خزانہ پر بیٹھا تو اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس کے اثر سے رشتہ پیش کر دیا تو حضور یہ اس حجام کا قصور نہیں بلکہ اس خزانہ کا اثر ہے۔ روپے پیسے سے آدمی کا دماغ خراب ہو ہی جایا کرتا ہے۔

میرے دوستو! حدیث میں مال کی بڑی مذمت آئی ہے۔ یہ اُمت کے لئے فتنہ ہی ہے۔

ایک سقہ کیمیا گر کا قصہ

فرمایا: میرے پاس تو بس پرانے پرانے قصے ہیں بچپن کے سنے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت نے پھر ایک اور قصہ سنانا شروع کیا کہ ایک بادشاہ تھا اسے کیمیا کی بہت لت تھی جیسے کسی کو تمباکو کی، کسی کو شراب کی لت ہوتی ہے۔ بس اس کو ہر وقت یہی لگن تھی کہ کسی طرح کیمیا بنانا سیکھ جاؤں۔ ایک دن بادشاہ سے اس کے وزیر نے کہا کہ آپ اتنے متفکر رہتے ہیں، آپ کی سلطنت میں تو فلاں سقہ جو فلاں جگہ رہتا ہے کیمیا کا بڑا ماہر ہے، اسے خوب بنانی آتی ہے۔ بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی کہنے لگا ہماری سلطنت میں اس کا جاننے والا موجود ہے اور ہم اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔ چار سنتری بھیج دیئے کہ اس سقے کو پکڑ لاؤ۔ سقہ پیش ہوا، کپڑے پھٹے ہوئے، لنگوٹا بندھا ہوا، بدن پر بجائے کرتہ ایک گاڑھے کی کمری (یعنی بنیان) بہت پھٹی ہوئی۔ بادشاہ کو اس کی صورت دیکھتے ہی اول تو بہت نفرت ہوئی، اس سے پوچھا کہ تجھے کیمیا آوے؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا حضور بادشاہ سلامت ہیں، سمجھدار ہیں، دنیا کے حاکم ہیں اگر مجھے کیمیا آتی تو کیا میرا یہ حال ہوتا جو حضور دیکھ رہے ہیں۔ میں بھی کوئی محل ایسا ہی بناتا جیسا کہ حضور کا ہے۔ بات معقول تھی بادشاہ کی بھی سمجھ میں آ گئی، چھوڑ دیا اور اس وزیر کو بلا کر ڈانٹا۔ وزیر نے قسم کھائی حضور مجھے تو خوب تجربہ ہے اسے خوب آتی ہے۔ بادشاہ نے سلطنت کا انتظام ولی عہد کے سپرد

کیا، بدن پر خاک دھول ملی تا کہ پہچانا نہ جائے اور اس وزیر کو ساتھ لے کر سقہ کے گھر کی طرف چلا۔ جب اس نے گھر کا نشان بتا دیا تو وزیر کو چلتا کر دیا۔ **"حبک الشئی یعمی ویصم"**، چیز کی محبت آدمی کو اندھا، بہرا کر دیتی ہے۔

جب وہ سقہ گھر سے نکلا، یہ بیٹھا رہا۔ جب وہ شام کو پانی ڈالنے جانے لگا تو اس کے ساتھ ہو لیا۔ کہنے لگا بڑے میاں آپ تو بہت بڈھے ہو گئے ہیں آپ کو تو بڑی دِقت ہوتی ہوگی۔ میں تو گھر سے فالتو ہوں، مارا مارا پھرتا ہوں اگر مجھے کچھ ٹھکانے بتا دیں تو میں ہی گھروں میں پانی ڈال آیا کروں۔ سقہ نے کہا نہیں بھائی میری تو روزی اسی میں ہے، تُو اپنا کام کر۔ کہنے لگا بڑے میاں تم مجھے کچھ اچھے ہی بہت لگو، میں تو تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ تم سے کچھ مانگنے کا نہیں، نہ مجھے روٹی چاہئے نہ اور کچھ۔ شام کو سقہ نے جب وہ روٹیاں مانگ کر لایا بادشاہ کی تواضع کی مگر اس نے انکار کر دیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں، غمزدہ ہوں، پریشان ہوں۔ میں تو کئی کئی دن کا فاقہ کرتا ہوں۔ سقہ نے بڑے اصرار سے دو چار لقمے کھلائے۔

یہاں پھر میں وہی کہوں گا ایک سقہ کی غیرت نے تو تقاضہ نہ کیا کہ ایک آدمی اس کا کام کرے اور وہ بغیر اس کے روٹی کھالے مگر ہم لوگوں کو اس کا بالکل یقین نہیں آتا کہ ہم اخلاص سے اللہ کا کام کریں اور وہ ہمیں بھوکا مار دے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ سقہ عالم الغیب نہیں تھا اس لئے دھوکا میں آ گیا، مالک عالم الغیب ہے اسے حقیقتِ حال معلوم ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کون واقعی اخلاص سے مالک کا کام کر رہا ہے اور کون دھوکا سے کر رہا ہے۔

غرض بادشاہ نے سقہ کی بہت ہی خدمت کی۔ دن بھر اس کا پانی بھرتا، رات کو جب سقہ لیٹتا تو اس کا خوب بدن دباتا۔ ہٹا کٹا جوان قوی، سقے کو بھی پانچ سات دن میں وہ مزہ آیا کہ لطف ہی تو آ گیا۔ دو تین مہینے سقے نے خوب ٹٹولا، خوشامد کی کہ کچھ کھائے پیئے مقرر کر لے۔ بادشاہ نے کہا جی میاں مجھے مزدوری کرنی ہوتی تو دنیا میں بہت مزدوریاں ہیں مجھے تو تم بہت اچھے لگتے ہو۔ میں تو راستے میں بیٹھ گیا تھا تمہاری صورت مجھے کچھ بہت ہی اچھی لگی۔ اگلا شعر تو میں نے اپنے والد سے نہیں سنا مگر واقعہ کے مناسب تھا، یاد آ گیا

گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم
پسند آ گئی تیری صورت کچھ ایسی

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں
دید لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

غرض بادشاہ نے وہ محبت کے جذبے دکھائے تو سقہ بھی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بڑھاپے میں عاشق زار کہاں سے پیدا ہو گیا۔ اسی طرح خدمت کرتے کرتے چار پانچ مہینے گزر گئے۔ ایک دن سقہ نے کہا ارے لونڈے مجھے کیمیا آوے۔ بادشاہ نے بھی مجھ سے پوچھا تھا کیمیا کا طریقہ، مگر میں نے اس کا انکار کر دیا تھا مگر تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بادشاہ کی جان میں جان تو آ گئی مگر زبان سے اتنی سختی سے انکار کیا کہ کیمیا کی ایسی تیسی۔ مجھے کیا کرنا، آٹھ دس دن تک سقہ اصرار کرتا رہا، بادشاہ انکار کرتا رہا۔ ایک دن سقہ نے کہا میں بوڑھا ہو گیا یہ اِلْم (علم) میرے ساتھ ہی چلا جائے گا۔ کسی اور کو تو بتاؤں گا نہیں تجھے ضرور بتادوں گا۔ غرض یہ کہ ایک دن صبح ہی صبح سقہ بادشاہ کو ساتھ لے کر جنگل گیا اور پچیس تیس جڑی بوٹیاں اس کو خوب دکھلائیں، سمجھائیں اور اسی سے تڑوائیں اور گھر آ کر اسی سے کیمیا بنوائی۔ بادشاہ تو اس پر مر ہی رہا تھا خوب غور سے دیکھتا سمجھتا رہا اور پھر رات ہی کو سقہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اگلے دن سقہ ہاتھ ملتا رہ گیا، کمبخت بہت ہی دھوکے باز تھا، بے ایمان تھا۔ غرض یہ کہ اس کو بہت برا بھلا کہتا رہا۔

بادشاہ نے اپنے تخت پر پہنچ کر انہی سنتریوں کو بھیجا وہ سقہ کو پکڑ لائیں۔ بادشاہ نے پوچھا ارے سقہ! سنا ہے تجھے کیمیا آتی ہے؟ اس نے کہا جی میاں آپ نے تو پہلے بھی پوچھا تھا اگر مجھے کیمیا آتی تو میں یوں مارا مارا کیوں پھرتا مگر پانچ چھ مہینے جس نے پاؤں دبائے ہوں وہ کہاں چھپ سکتا ہے۔ سقہ اس بادشاہ کے منہ کو گھورتا رہا۔ بادشاہ نے کہا مجھے پہچان بھی لیا۔ سقہ نے کہا میاں خوب پہچان لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ پھر تو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ سقہ نے کہا میاں! کیمیا تو پاؤں دبانے سے ہی آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی۔ سنا ہے کہ اس کے اس جواب پر بادشاہ بہت ہی خوش ہوا اور اسے بہت زیادہ انعام واکرام سے نوازا۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

سرخرو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر سے پس جانے کے بعد

سقہ نے بات تو بہت ہی صحیح اور پتہ کی کہی ہے۔ خاکساری تواضع اور خوشامد سے جو ملتا ہے وہ بڑائی اور تکبر سے نہیں ملتا۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ محنت، جفا کاری، تواضع و پستی کے بڑے قصے سنایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

فرمایا، ایک بات یہاں مجھ کو کہنی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کے دروازے پر جا کر (خادمانہ) پڑ جائے تو وہ بھوکا تو رہنے کا نہیں، کتا بھی اگر کسی کے دروازے پر جا کر بھونکے تو اس کو بھی کچھ نہ کچھ ڈال ہی دیں۔ سو جو مالک کے دروازے پر جا کر بیٹھے گا تو کیا وہ بھوکا رہے گا۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اے آدم کے بچے تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینے کو تفکرات سے خالی کردوں گا۔ اور اگر ایسا نہ کرے گا تو تیرے دل کو مشغولی سے بھر دوں گا۔ آگے حضرت نے فرمایا: ہم کہتے ہیں تھوڑا سا وقت تو نکالو، مالک کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے) سامنے جانے کے لئے، پھر دیکھو تو زندگی بھر آدمی مزے ہی اڑائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **من تواضع لله رفعه الله**، ''کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بلند درجہ عطا فرماتے ہیں''۔ یہاں تو تواضع بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں تھی بلکہ اپنی غرض کے لئے تھی مگر تواضع اور سقہ کے پاؤں دبانے نے کیمیا سکھادی۔

فرمایا، ایک حکیم صاحب تھے۔ بڑے حضرت کے زمانے میں انہیں بھی کیمیا کی دہت تھی۔ ہر وقت بس ڈھونڈتے ہی پھرتے تھے۔ میں کہتا کہ اجی کیا کر رہے ہو۔ کہتے بس جی ذرا ایک بوٹی دیکھ رہا ہوں میں مکہ مکرمہ گیا تو میں نے وہاں بھی ان کو اسی طرح دیکھا۔ بے چاروں کی جڑی بوٹی ہی کی تلاش میں ہر وقت نگاہ زمین پر لگی رہتی تھی۔

ایک پیر، مرید کا قصہ

فرمایا، ایک پیر صاحب تھے، ان کا ایک مرید تھا۔ مرید نے خواب میں دیکھا کہ حضرت کی انگلی میں سے دودھ نکل رہا ہے اور مرید کی انگلی سے ناپاکی۔ اس نے اپنا یہ

خواب پیر صاحب سے جا کر بیان کیا۔ انہوں نے سن کر کہا، ہاں تو ہونا بھی یہی چاہئے۔ تم لوگوں کی انگلی سے اور نکلے گا ہی کیا۔ پھر کہا باقی محنت کرتے رہو دھیرے دھیرے سب حال ٹھیک ہو جائے گا۔ مرید نے کہا حضرت! پوری بات تو سن لیجئے۔ میں نے آگے یہ دیکھا کہ آپ کی وہ دودھ والی انگلی تو میرے منہ میں ہے اور میری نجاست والی انگلی آپ کے منہ میں ہے۔ یہ سن کر تو پیر صاحب بڑے بگڑے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ خواب کسی توضیح وتشریح کا محتاج نہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے (کہ مرید کو تو پیر سے نفع پہنچے اور اس پیر کو اپنی پیری سے اُلٹا نقصان پہنچے)۔ لیکن میرے دوستو! یہ جو پیر لوگ ہیں مالک کچھ نہ کچھ ان کو دے ہی دے۔

اہل اللہ کے نزدیک مال ودولت کی حقیقت وصورت مثالیہ

فرمایا، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اپنا حال مجھ سے بیان فرمایا کہ جب میرے پاس کہیں سے کوئی چیز (ہدیہ میں روپیہ پیسہ وغیرہ) آنے والی ہوتی ہے تو دل بڑا ہی میلا ہو، بہت ہی گرانی بوجھ سا محسوس ہو اور خواب میں گندگی پاخانہ وغیرہ نظر آتا ہے جس سے میں یہ اندازہ لگا لیتا ہوں کہ کہیں سے کچھ آئے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت بہت مبارک ہے۔ حدیث شریف میں بھی دنیا اور اس کے مال ودولت کو ناپاک اور مردار ہی بتایا ہے۔

فرمایا! ایک بات ہے معلوم نہیں کہ ان مولویوں کے سامنے کہنے کی ہے یا نہیں۔ وہ یہ کہ میرا معمول شروع میں یہ تھا کہ جب کوئی کتاب تصنیف کرتا تو جب تک اس کا مسودہ مولانا عبدالرحمن صاحب کیملپوری صدر مدرس مظاہر علوم نہ دیکھ لیتے تو اس کتاب کو شائع نہ کرتا تھا تاکہ وہ جہاں اصلاح کی ضرورت سمجھیں اصلاح فرما دیں۔ ایک مرتبہ میں نے ایک مضمون اپنے کسی رسالے میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہ (بعض صورتوں میں) برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ اور اس مضمون کو ذرا تفصیل سے لکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات. مگر مولانا موصوف وغیرہ اکابر مدرسین کو نظر ثانی کے لئے وہ رسالہ دیا تو ان اللہ کے بندوں نے اس مضمون پر جو

چار پانچ صفحات میں تھا، قلم پھیر دیا اور یہ فرمایا کہ اس مضمون کے شائع کرنے سے اندیشہ ہے کہ لوگوں کو شہ ملے گی اور گناہوں پر جرأت بڑھ جائے گی، ایک قسم کا بہانہ مل جائے گا۔

معاصی کی دو قسمیں: شیطانی اور حیوانی

فرمایا: ایک مضمون میرے ذہن میں اور ہے، اس کو بھی کہہ دوں۔ وہ یہ کہ معاصی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک حیوانی اور ایک شیطانی۔ حیوانی جیسے کھانا، پینا، شہوت وغیرہ۔ شیطانی جیسے کبر، نخوت، بغاوت۔ حقیقت یہ ہے کہ جس ماحول میں اس سیہ کار کی پرورش ہوئی ہے اس میں شیطانی جرائم حیوانی جرائم سے بہت زیادہ شدید سمجھے جاتے تھے۔ پھر جوں جوں روایات حدیث پر نظر ہوئی یہ چیزیں دل میں جگہ ہی پکڑتی گئیں۔

حیوانی جرائم کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وان زنی وان سرق

اور شیطانی جرائم میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من کبر

حضرت آدم علیہ السلام کا جرم پہلی نوع کا تھا۔ خود حق تعالیٰ شانہ نے کلمات توبہ القاء فرما کر توبہ قبول کر لی۔ اور ابلیس کا جرم دوسری نوع کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فاخرج منہا فانک رجیم وانک علیک لعنتی الی یوم الدین

اسی وجہ سے چالیس سال سے زائد بندے کا مدرسے کے انتظامی امور میں بہت زیادہ دخل رہا۔ ہمیشہ پہلی نوع کے جرائم میں جن طلبہ کا اخراج ہوتا تھا میری رائے یہ ہوتی تھی کہ توبہ اور تنبیہ کے بعد داخل کر لیا جائے۔ لیکن دوسری نوع میں میری شدت سے یہی رائے رہی کہ ہرگز داخلہ نہ رہے۔

خلفاء میں اکابر کے کمالات نہ پا کر ان سے ترک استفادہ سخت محرومی ہے

ارشاد فرمایا، ایک اہم اور ضروری بات کہنی ہے کہ اکابر کے دیکھنے اور ان سے متمتع ہونے والے ان کے وصال کے بعد انتہائی محرومیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ

اکابر کے جانے کے بعد وہ بعد والوں کا مقابلہ جانے والوں سے کرتے ہیں، یہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اور وہ اس کی وجہ سے بعد والوں کے فیوض و برکات سے محروم رہتے ہیں۔ میں نے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد بعض اپنے اکابر کو حضرت کے بعض اجل خلفاء کی طرف رجوع کا مشورہ دیا مگر چونکہ ان کی نگاہوں میں حضرت قطب الارشاد سمائے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے رجوع نہ کیا جس کا مجھے بہت ہی قلق ہے کہ وہ حضرات بہت ہی اونچے تھے۔ اسی طرح حضرت قطب الارشاد کے اجل خلفاء کے وصال کے بعد میں اپنے دوستوں کو ان کے خلفاء کی طرف متوجہ کرتا رہا، بہت سوں نے تو مانا بہت سوں نے نہ مانا۔ اب اس آخری دور میں مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مجھ سے بعض لوگوں نے جب یہ شکایت کی کہ مولانا انعام الحسن صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو بہت دیر تک زندہ سلامت رکھے، ان میں وہ باتیں نہیں جو حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب) میں تھیں تو میں نے ان کو یہی جواب دیا کہ حضرت جی میں وہ باتیں نہیں تھیں جو ان کے والد صاحب نور اللہ مرقدہ میں تھیں اور مولانا انعام الحسن صاحب کے بعد والوں میں یہ بھی نہیں دیکھو گے جو ان میں ہیں۔ اس لئے بہت ہی ضروری تنبیہ نصیحت اور وصیت ہے کہ میرے احباب بعد والوں کو اس نگاہ سے نہ دیکھا کریں جس نگاہ سے جانے والوں کو دیکھا۔ بلکہ اس نگاہ سے دیکھیں کہ ان کے بعد ایسا بھی نہیں ملنے کا۔

اور یہ بات اوپر ہی سے ہوتی چلی آرہی ہے چنانچہ ظاہر بات ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں (اوصاف) بقیہ انبیاء میں بھی نہیں تھیں چہ جائیکہ صحابۂ کرام اور پھر اسی طرح صحابۂ کرام کی تمام خوبیاں حضرات تابعین میں نہ تھیں۔

غرض یہ کہ رہنے والوں میں جانے والوں کی عادات کو تلاش کرنا اپنے ہی اوپر ظلم کرنا ہے۔ جبکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یاتی علیکم عام الا الذی وبعدہ شر منہ او کما قال

کہ تم لوگوں پر کوئی سال نہیں آئے گا مگر یہ کہ اس کے بعد والا سال اس سے بدتر ہوگا۔

میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہر موجودہ سال کے دورۂ حدیث والے

طلبہ پہلے سال سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اپنا بھی پچاس سالہ تجربہ یہی ہے کہ اپنی ابتدائی مدرسی میں طلبہ کی دینی حالت، دین کی رغبت وشوق جتنا دیکھا اب اس کی ضد دیکھ رہا ہوں

ان نینوں کا یہی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

محدثین کے یہاں صوفیاء کی روایات کا غیر معتبر ہونا اور اس کی وجہ

فرمایا: بھئی ایک بات سنو غور سے۔ حضرات محدثین کے یہاں صوفیاء کی روایات بہت ہی غیر معتبر ہیں۔ اس کی وجہ سے عوام نے یہ سمجھا کہ ان دونوں میں لڑائی ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ صوفیاء کی وقعت وعظمت جتنی حضرات محدثین کے یہاں ہے دوسری جگہ اتنی نہیں۔ حضرات محدثین ان کا بہت اکرام فرماتے ہیں، لیکن ان سے حدیث نہیں لیتے کیونکہ صوفیاء کا مسلک یہ ہے جس پر وہ ہمیشہ چلتے ہیں کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا (پھر آگے حضرت نے اس کی ایک دلچسپ مثال سُنائی)۔ جیسا کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ہمارے مدرسے کے صدر مدرس کی طرف سے ایک اچھی عمر کے طالب علم کی شکایت پہنچی کہ اس کی داڑھی مشکوک ہے، کٹاتا ہے۔ اس پر مدرسے کے مہتمم صاحب نے (جو بڑے صوفی تھے) اس طالب علم کو بلوایا اور داڑھی کی شکایت کا ذکر کیا۔ وہ دو بچوں کا باپ بولا کہ جی ابھی تو میری داڑھی اُگی ہی نہیں۔ مہتمم صاحب نے فرمایا یہاں تمہاری شکایت پہنچی تھی اس لئے تم کو بلا کر پوچھا۔ بس انہوں نے اس کے کہنے کو تسلیم کرلیا، کیونکہ ایک مسلم کی زبان کا احترام کرتے تھے۔

مومن جھوٹ نہیں بولتا اور ملّا جیون کی ایک حکایت

تم نے ملّا جیون کا قصہ سُنا ہوگا۔ بڑے صوفی اور بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک تفسیر لکھی جو بڑی محققانہ، بڑی عالمانہ ہے۔ میں نے پڑھی ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ حضرت! جمنا آپ کو سلام کرنے آرہی ہے۔ بڑی فکر ہوگئی کہ کیا کریں سب لوگ بہہ جائیں گے۔ بعض لوگوں نے کہا حضرت! اس تک کچھ تحفے پہنچا دیجئے پھر نہ آئے گی۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے تحفے تحائف ان لوگوں کو دے کر روانہ کردیا۔

بعض دوسرے لوگ آئے انہوں نے کہا حضرت! کہیں جمنا بھی سلام کرنے آتی ہے، ان لوگوں نے آپ سے چالاکی کر کے آپ سے تحائف وصول کر لئے۔ فرمایا بھئی جمنا سلام کرنے آ سکتی ہے مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔

فرمایا: حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ مومن بزدل بھی ہوسکتا ہے، بخیل بھی ہوسکتا ہے اور بعض صفات آپ نے ذکر فرمائیں، لیکن کذب مومن کی شان نہیں ہے تو یہ حضرات صوفیائے کرام اسی (حسن ظن) کے مسلک پر ہوتے ہیں۔

مجھے یہ کہنا تھا کہ حضراتِ محدثین اپنے منصب کے اعتبار سے بالکل ٹھیک ہیں ورنہ حدیث کی حفاظت مشکل ہوجاتی۔

علماء کے اختلاف کو دیکھ کر ان کی شان میں بے ادبی اپنا ہی نقصان ہے

فرمایا: دوسری بات بہت زیادہ قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ حضرات فقہاء ومحدثین کے اختلافات اپنی جگہ درست ہیں لیکن ہمارے دل میں اس اختلاف کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمانی یا بے ادبی کا معاملہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ یہ بڑے سخت نقصان کی بات ہے۔ میں یہ مضمون اپنے حدیث کے اسباق میں بھی بہت اہتمام سے بیان کیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے درس حدیث میں ایک ایسی حدیث بیان کی جو بظاہر حنفیہ کے خلاف تھی، بہت اچھی توجیہ اور تاویل فرمائی۔ شاگردوں میں سے کسی ایک نے عرض کیا کہ اگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس توجیہ کو سُن لیتے تو اپنے قول سے رجوع فرمالیتے۔ اس پر حضرت قدّس سرّہ نے فرمایا توبہ توبہ استغفر اللہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اگر موجود ہوتے تو میری یہ تقریر ایک شبہ ہوتی اور حضرت مجتہد اس کا جواب فرمادیتے۔ اب تو چونکہ ائمہ مجتہدین ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں صرف ان کے اقوال ہمارے سامنے ہیں۔ ان اقوال میں سے ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اقرب الی القرآن والحدیث پاتے ہیں اس لئے اس کی تائید کرتے ہیں ورنہ مجتہدین میں سے (بالفرض) اگر اس وقت کوئی موجود ہوتا تو اس کے اتباع اور تقلید بغیر چارۂ کار نہ ہوتا۔

فرمایا: علماء اور ائمہ دین کی بے ادبی یا ان کے ساتھ بدگمانی یہ تو بہت بڑی بات ہے عام آدمی، عام مسلمان کی آبروریزی اور بدگمانی یہ بھی کسی طرح جائز نہیں۔ ان بڑوں میں سے خدانخواستہ اگر کسی کی بے ادبی ہوگئی تو یاد رکھو کہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھو گے۔

حضرت مدنی اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہما کے وقت بڑے زور و شور سے بات چلا کرتی تھی۔ ان نوجوانوں کے اندر تنقید و تکفیر کا مادہ ہوتا ہے، ان سب چیزوں سے بچتے رہنا۔ اپنے کام سے کام رکھو، بڑے بڑے قصے حضرات بزرگوں کے اختلاف کے ہیں، اب تو یاد بھی نہیں رہے۔

فرمایا: ہم نے اپنے بڑوں کے متعلق سُنا کہ لوگ ان کے حالات دیکھ کر اور ان کی صورتوں کو دیکھ کر ہی مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ ایک ہم ہیں کہ ہمارے اخلاق دیکھ کر لوگ کہاں جائیں۔

حاجی کی طرف سے بہترین تحفہ طواف وعمرہ

فرمایا: حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں جن کا شمار مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنی شایانِ شان اس کی جزاء عطا فرمائے۔ جب حضرت اپنے آخری سفر حج سے واپس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ سارے سفر حج میں یہ سوچتا رہا کہ تمہارے واسطے کوئی ایسی چیز لے کر جاؤں جس سے تمہارا واقعی جی خوش ہو جائے، مُشلّح، مصلّٰی اور کئی چیزیں ذہن میں آئیں مگر میں ہر چیز کے متعلق یہ سوچتا رہا کہ میری خاطر تم اظہار مسرت تو بہت کرو گے مگر تمہارا دل خوش نہ ہوگا۔ بہت غور و خوض کے بعد میں نے مسجد نبوی سے عمرہ کا احرام تمہاری طرف سے باندھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت خود ہی ارشاد فرمائیں کہ اس احسان عظیم کے برابر کوئی دوسرا ہدیہ ہو سکتا ہے؟ عمرہ اور پھر آپ کا اور وہ بھی مسجد نبوی سے۔ انشاء اللہ میرے لئے تو یہی ایک چیز کافی ہے۔ پھر اس کے بعد سے تو میری طرف سے حج اور عمرہ اور طواف کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ الحمد للہ اب ہر سال تقریباً سوڈیڑھ سو عمرے اور پانچ سات حج ہو جاتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: جمعہ اور شنبہ کی درمیانی شب میں سحر کے قریب ابوالحسن نے مجھے جگایا

اور روتے ہوئے یہ خبر سُنائی کہ بھائی ہارون کا انتقال ہوگیا جو جمعہ کے دن گیارہ بجے دو پہر کو ہوا تھا۔اسی وقت نظام الدین سے بمبئی ٹیلیفون کیا گیا تھا کہ زکریا کو اطلاع کر دو۔ میں نے سعدی اور ابوالحسن کو کہہ دیا کہ ابھی تو نہ بچوں کو خبر کریں اور نہ گھر میں، سحری ضائع ہوگی۔ سحری سے فارغ ہونے کے بعد بچوں کو خبر دیں اور کہہ دیں کہ مستورات کو سو کر اُٹھنے سے پہلے نہ کہے۔ سحری کے وقت عزیزان عاقل وسلمان کو خبر تو نہ کی گئی مگر وہ سعدی اور ابوالحسن کے انداز سے کچھ سوچ میں پڑتے رہے۔

سحری کھانے کے بعد ان دونوں نے لڑکوں کو حادثہ کی اطلاع دی اور ساتھ ہی مستورات کو اطلاع کرنے سے منع کر دیا مگر معلوم نہیں کس طرح مستورات کو بھی اسی وقت علم ہوگیا۔ میں نے سو کر اُٹھنے کے بعد بچیوں کو بلایا اور اپنے دستور کے موافق ان سے کہا کہ تمہیں تو میرا قانون معلوم ہے، رنج وغم فطری چیز ہے مگر رونے سے نہ تو تمہیں کچھ فائدہ نہ مرحوم کو، جاؤ دن بھر بیٹھ کر مرحوم کے لئے کچھ پڑھو اور رات کو اس کی طرف سے عمرہ کیجیو۔ ان کا دستور پہلے سے بھی عشاء کے بعد عمرہ کرنے کا تھا۔ اسی طرح جتنے تعزیت کرنے کے لئے آئے سب سے میں نے یہی درخواست کی کہ رنج وغم تو فطری چیز ہے مگر اس سے نہ تو مرحوم کو کوئی فائدہ اور نہ میری تعزیت اس میں ہے۔ ہو سکے تو اس کی طرف سے عمرہ کرو ورنہ کم سے کم طواف۔ بعد میں جب میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان سب تعزیت کرنے والوں نے مرحوم کے لئے دو سو سے زیادہ عمرے کئے، اللہ ہی ان دوستوں کو جزائے خیر دے۔

محبت معلم آداب ہے

فرمایا: بچپن میں ایک شعر سُنا تھا

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

بچپن میں والد صاحب سے اکثر شعر سُنا کرتا تھا، ان کو رَٹ کر یاد کر لیتا تھا۔ گو اس وقت مطلب تو کیا سمجھ میں آتا لیکن یاد ضرور کر لیتا تھا۔ اب وہ اشعار یاد آتے ہیں اور پڑھ کر بہت لطف آتا ہے گو عمل تو اب تک نہ ہو سکا۔

دیکھو! یہ محبت بڑی اُونچی چیز ہے، یہ اصول وقواعد کی پابند نہیں۔ اگر محبت کرو تو دل سے محسوس ہو، چاہے زبان سے کچھ نہ کہیں مگر دل سے جگہ بنتی چلی جائے۔

مولویو! تم کو معلوم ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے تاجر تھے۔ انہوں نے اپنا سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خدام پر خرچ کر دیا۔

ایک مرتبہ ان کے والد گھر میں آئے، نابینا ہو چکے تھے۔ بچیوں سے پوچھا کہ ارے وہ کچھ چھوڑ کر بھی گیا یا سب لے کر چلا گیا۔ ان بچیوں نے، وہ بھی عرب کی بڑی ہوشیار تھیں، کنکریوں کو طاق میں جمع کر کے رکھ دیا۔ بڑے میاں نے ٹٹول کر دیکھا، کہا خیر بہت ہے تمہارے لئے کچھ تو چھوڑ گیا۔

حضرت شیخ کو حضرت رائپوری کی راحت کا خیال اور حضرت کی دعائیں

ارشاد فرمایا: حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لے جاتے تھے یا وہاں سے آتے تھے تو یہاں سہارنپور میں میرے پاس ضرور رک کر (رائپور) تشریف لے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ سہارنپور میں (۷۳ھ میں) تبلیغی اجتماع ہوا تھا۔ حضرت قدّس سرّہ بھی پاکستان سے دہلی ہوتے ہوئے چھبیس (۲۶) شوال کو سہارنپور شب میں پہنچے۔ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات شب کے اجتماع کی تقریروں سے فراغ پر سب ریل پر پہنچ گئے۔ میل سے حضرت کی تشریف آوری ہوئی۔ میں نے مصافحہ کے ساتھ پوچھا حضرت نظام کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کل اور پرسوں دو دن سہارنپور کے لئے طے کر کے آیا ہوں، تیسرے دن جیسے آپ کا ارشاد ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کل کے قیام کی بھی اجازت نہیں، صبح کی اذان کے بعد اوّل وقت اپنی جماعت کریں چائے انشاء اللہ تیار ملے گی اور تشریف لے جائیں۔ حضرت نے فرمایا تکان ہو رہی ہے ایک دن کے قیام کی اجازت تو ضرور دیدیں۔ میں نے عرض کیا صبح کی اذان کے بعد آدھ گھنٹہ کی بھی اجازت نہیں۔

تبلیغی احباب کو تو جتنا غصہ آنا چاہئے تھا وہ قرین قیاس تھا، بھائی الطاف (حضرت

کے خادم خاص) کو بھی غصہ آیا، دنیا تو حضرت کے ٹھہرانے کی خوشامد کرے اور یہاں حضرت خود فرمائیں تب بھی نہیں۔ غرضیکہ صبح کی اذان کے بعد روانہ کر دیا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا تھا کہ حضرت جون کا مہینہ ہے، گرمی کی شدت ہے، ہمارے یہاں آپ کے لائق راحت کی کوئی جگہ نہیں۔ حضرت فرماتے ہیں جب بھی مجھے یہ گزشتہ واقعہ یاد آتا ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ جب حضرت رائپور پہنچ گئے تو فرمایا، عطاء الرحمٰن (حضرت کے خواص میں سے تھے) کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئے اور پھر حضرت نے اتنی دیر تک مجھ کو ایسی ایسی دعائیں دیں کہ اگر ایک بھی دعا ان میں سے قبول ہوگئی تو میرا بیڑا پار۔

حضرت (رائپوری رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے خدام سے فرمایا دیکھو! محبت اس کو کہتے ہیں۔ کیا شیخ کو میرے سے محبت نہیں؟ کیا میرا وہاں قیام شیخ کے لئے باعث مسرت نہ تھا، لیکن شیخ نے میرے راحت و آرام کو اپنی خواہش پر ترجیح دی۔ انہوں نے صرف میرے آرام کا خیال فرمایا، نیز فرمایا محبت کرنا بھی کوئی ان ہی لوگوں سے سیکھے۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایسی ہی راحت دے۔ اللہ یوں کرے، اللہ یوں کرے۔ دو دن تک وہ دعائیں ملی ہیں کہ اب تک بھی جب کبھی اپنی زبردستی کا خیال آجاتا ہے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں اور عزیز مولانا یوسف مرحوم جلسہ کے اختتام پر رائپور حاضر ہوئے۔

اس کے بعد حضرت نے اہل مجلس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: (یہ قصے وغیرہ سُنا کر) بس کسی طرح تم دوستوں کے دل میں ڈالنا چاہوں، صرف سُننے میں کیا رکھا ہے۔ پھر مولانا محمد یونس صاحب کو خطاب کر کے کسی عربی شعر کو پوچھا۔ مولانا نے پڑھا حضرت نے اس کو سُن کر فرمایا، بس دیکھو پیارو! اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرو، اللہ سے محبت کے ہم لوگوں کے بس دعوے ہی دعوے ہیں۔

دنیوی زندگی کا حال اور مرتبہ صرف خواب کی طرح ہے

ارشاد فرمایا: یہاں تو کیا ہے؟ دنیا میں رکھا ہی کیا ہے؟ ایک آدمی جیسے خواب دیکھے، دو چار اِدھر بیٹھیں، دو چار اُدھر بیٹھیں، دو تین پیر دبا رہے ہیں، چاروں طرف پنکھے لگ

رہے ہیں اور جیسے ہی آنکھ کھلی تو دیکھا جیل کی کوٹھڑی میں پڑے ہیں۔ اسی طرح ایک آدمی (خواب میں) دیکھے جیل میں پڑا ہے، کوڑے لگ رہے ہیں، مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔ جب آنکھ کھلے دیکھے کچھ بھی نہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنے لگے کہ وہ تو خواب تھا (حقیقت نہ تھی)۔

بس میرے دوستو! یہ دنیا کا حال تو خواب ہے۔ خواب سے جس دن آنکھ کھلے گی اس دن دیکھنا ہے کیا ہوگا؟ اہل مصائب کو جب آخرت میں ان کے مصائب کا بدلہ دیا جائے گا تو راحت و آرام والے کہیں گے کہ کاش دنیا میں ہمارے بدن قینچی سے کتر دیئے جاتے۔

اللہ تعالیٰ تم دوستوں کی برکت سے مجھے بھی کچھ عطا فرماوے اور اس میلہ کو ہماری لغزشیں معاف کر کے قبول فرمالے تو پھر دیکھنا اللہ کے پاس کتنا ملے گا، ورنہ تو بس مشقت ہی مشقت ہے۔ مجلس برخاست ہوتے وقت حضرت نے فرمایا تیسرا عشرہ بھی اللہ تعالیٰ عافیت سے گزار دے۔

یہ کبر بہت سخت چیز ہے

فرمایا: ایک بات کہتا ہوں یہ کبر جو ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ بڑی سخت چیز ہے، نخوت، حسد، کبران معاصی پر جو گرفت ہوتی ہے وہ بڑی سخت ہے۔ کچھ معصیتیں ایسی ہیں جو حیوانی کہلاتی ہیں، ان پر اتنی گرفت نہیں ہوتی۔ دراصل جس چیز کی جہاں کثرت اور بہتات ہوتی ہے اس چیز کی وہاں زیادہ قدر نہیں ہوتی اور جس چیز کی جہاں قلت، ندرت اور کمی ہوتی ہے وہاں والوں کے حق میں وہ چیز بہت قیمتی ہوتی ہے۔

اس پر ایک قصہ سنو! آج سے تقریباً پچیس سال پہلے ہماری تبلیغی جماعت سب سے پہلے کابل گئی۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط بھی ہمراہ لے گئے جن میں حضرت نے اس جماعت کی بڑی تعریف اور توثیق فرمائی تھی۔ میری عادت ہے کہ جماعت کی واپسی پر اس کی سرگزشت ضرور سنتا ہوں۔ غرضیکہ یہ جماعت جب واپس آئی تو اس نے بتایا کہ شروع میں کئی دن تک کھانا کھانے کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ صرف انگور وغیرہ پھل

کھاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ چار آنے میں دو کلو انگور آ جاتے تھے۔ اب بھلا وہاں پر انگور کی کیا قدر۔ اب بھی وہاں انگور بہت سستے ملتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اس کی پیداوار بہت ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جس چیز کی زیادتی ہوتی ہے وہاں اس کی قدر نہیں ہوتی اور جہاں جس چیز کی کمی ہوتی ہے اسی کی وہاں قدر ہوتی ہے۔

اب دیکھو مالک الملک کے یہاں پستی تو ہے نہیں علو ہی علو ہے، کبر ہی کبر ہے اس لئے اس کے یہاں پستی عجز وانکساری ہی کی قدر ہے۔ جتنا اپنے آپ کو گراؤ گے اتنا ہی مقام حاصل ہوگا۔ یہ بڑے غور کرنے سوچنے کی بات ہے۔ حضور ا کا ارشاد ہے:

من تواضع للہ رفعہا اللہ

جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں۔

اپنی زبان سے اور خطوط میں تو ہم اپنے آپ کو ناکارۂ خلائق، حقیر، فقیر سب کچھ لکھتے ہیں، دل سے اپنے آپ کو ہم کیا سمجھتے ہیں اللہ ہی جانے۔

تکبر دُور ہونے کی علامت

ایک صاحب نے خط لکھا کہ کبر کے نکلنے کی علامت کیا ہے؟ میں نے جواب میں لکھوایا کہ اگر کوئی تم پر اعتراض کرے، تنقید کرے، بُرا کہے تو دیکھو تمہارے قلب پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس اعتراض پر غور کیا جائے، اگر صحیح ہوگا تو ہم اس کی اصلاح کریں گے۔ تو یاد رکھو یہ علامت ہے کبر دُور ہونے کی اور اگر اعتراض وتنقید سُنتے ہی بلا سوچے سمجھے غصہ آتا ہے تو یہ علامت ہے تکبر کی۔

حضرت کی ایک عادت شریفہ: مہمان سے اوّل ملاقات میں قیام کے بارے میں سوال اور اس سلسلہ کے واقعات

فرمایا: جمعہ کے دن تو بہت احباب مصافحہ کے لئے آ جاتے ہیں۔ ہاں جو مہمانوں میں بڑے مکرم ومعظم ہوں ان سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ قیام کب تک ہے؟ ایک مرتبہ رمضان میں ایک صاحب آئے، کئی سال پہلے کی بات ہے، وہ ایک دن ٹھہرے اور بس چلے گئے۔ جانے کے بعد انہوں نے خط لکھا کہ میں روتا ہوا آپ کے پاس سے آیا ہوں کیونکہ آپ نے مجھے وہاں سے چلتا کر دیا۔

میں نے اس خط کو پڑھ کر غور کیا کہ کیا بات ہوئی؟ کون صاحب تھے؟ میں نے ان سے تحقیق حال کے لئے خط لکھا تو انہوں نے لکھا کہ ہوا یہ تھا کہ جب میں نے ملاقات پر آپ سے مصافحہ کیا تو آپ نے فوراً دریافت فرمایا کہ کب تک قیام رہے گا؟ میرے دل میں تو ایک ہفتہ رکنے کا ارادہ تھا لیکن جلدی میں میرے منہ سے یہ نکل گیا کہ ایک دن۔ آپ نے اس پر کچھ نہ فرمایا، اس لئے میں ایک دن گزرنے کے بعد واپس چلا آیا۔

حضرت فرماتے ہیں پھر میں نے اس شخص کو سمجھا کر ایک خط لکھا، میں مہمان سے اوّل ملاقات میں یہ سوال اس لئے کر لیتا ہوں کہ اگر اس کو جلدی ہی واپس ہونا ہے تو میں اس سے بات کرنے کے لئے جلدی وقت نکال لوں، ورنہ پھر اطمینان سے کسی دوسرے وقت میں۔ سو اس میں آنے والے مہمان کی اور خود میری اپنی دونوں ہی کی مصلحت و رعایت ملحوظ ہے، دونوں ہی کو اس میں سہولت رہتی ہے۔ گو میں اپنے اس اصول اور عادت کی وجہ سے لوگوں میں بدنام بھی رہا کہ اس کے یہاں کوئی مہمان جائے تو مصافحہ کرنے کے ساتھ ہی پوچھتے ہیں کب تک قیام کا ارادہ ہے؟ اس کے بعد حضرت نے مجلس میں اس نوع کے چند واقعات سنائے۔

ا۔ مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب، جب ان کی آمد ہمارے نواح میں شروع ہوئی، جس کو خود مولانا موصوف حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں بار بار لکھ چکے ہیں۔ رائپور کی حاضری کے لئے سہارنپور تو جنکشن تھا اور مولانا دام مجدہم اپنے تعلق اور محبت کی وجہ سے ایک دو روز یہاں ٹھہر کر رائپور جایا کرتے۔

ایک مرتبہ علی میاں نے حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ لکھا کہ جب سہارنپور جانے پر زکریا سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اس قدر شفقت و محبت سے ملتے ہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ بہت ہی اشتیاق اور مسرت ہو رہی ہے لیکن جب بھی ذرا بر سبیل تذکرہ ہی جانے کا ذکر آیا تو وہ ایسا جلدی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ بہت ہی بوجھ ہو رہا تھا۔

علی میاں نے حضرت کو لکھا کہ کئی مرتبہ صرف خیال کے درجہ میں واپسی کا ذکر کیا اور ان سے کہا کہ خیال یہ ہے کہ اس گاڑی سے چلا جاؤں تو انہوں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ

بڑھا دیجئے۔تو ان کے مصافحہ کی پیش قدمی پر واپسی کا ارادہ کر لینا پڑا۔ یہ بھی لکھا کہ کئی مرتبہ ریل پر آنے کے بعد شدید تقاضہ لوٹنے کا پیدا ہوا مگر اس خیال سے نہ لوٹا کہ مصافحہ کر کے واپس آ گیا ہوں اب کس منہ سے واپس جاؤں۔علی میاں کے اس خط پر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب تحریر فرمایا کہ آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں، اس کے شکار آپ تنہا ہی نہیں، ہم سب ہی ہیں۔

۲۔ایک مرتبہ حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ایک دو روز ٹھہر کر واپسی کا ارادہ فرمایا، سامان بندھ چکا تھا۔سب سے مصافحہ ہو چکے تھے۔میرے بچے طلحہ، جبکہ اس کی عمر غالباً تین چار سال کے درمیان ہوگی، نے حضرت قدّس سرّہ کے کرتے کا پلہ پکڑ کر اپنے بچپن کی وجہ سے کہہ دیا کہ حضرت آج نہیں۔حضرت فوراً چبوترے پر بیٹھ گئے۔ بھائی الطاف (حضرت رائپوری کے خادم خاص) سے کہا سامان کھول دو، آج نہیں جانا ہے۔میں نے ہر چند اصرار و تقاضہ کیا کہ حضرت یہ ناسمجھ بچہ ہے اس کو خبر بھی نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے؟ اس کے کہنے پر آپ ارادہ ملتوی نہ فرمائیں اور میں نے بھائی الطاف سے کہا سامان نہیں کھلے گا۔میرا تو بار بار اصرار اور حضرت کا بار بار یہ ارشاد کہ سامان کھول دو، میں آج نہیں جاؤں گا۔حضرت نے فرمایا کہ اس گھر میں آج تک کسی بڑے چھوٹے کی زبان سے ''آج نہیں'' کا لفظ میں نے سُنا ہی نہیں۔آج پہلی دفعہ کان میں پڑ رہا ہے۔

۳۔ایک مرتبہ حضرت اقدس مدنی موضع آبہ (نانوتہ کے قریب ایک گاؤں ہے) کار میں تشریف لے گئے، نہیں معلوم یہ ناکارہ ساتھ کیوں نہیں گیا۔دوسرے دن مغرب کے بعد حضرت قدّس سرّہ وہاں سے واپس تشریف لائے۔اس قدر زوردار طوفانی بارش کہ کمرہ سے باہر پاؤں رکھنا مشکل اور اتنی ہی زوردار سردی اور حضرت قدّس سرّہ کو شدت سے بخار۔آتے ہی فرمایا کہ مغرب کی نماز نہیں پڑھی ہے، راستہ میں دیر ہوتی چلی گئی، کہیں اُترنے کی جگہ نہیں ملی۔حضرت کا مُصلّٰی وغیرہ سب بھیگ رہا تھا۔میں نے جلدی سے لنگی پیش کی، کپڑے اُتارے، لنگی اور چادر میں حضرت نے مغرب پڑھی، دو تین خادم بھی ساتھ تھے۔حضرت نے نہایت ہی اطمینان سے مغرب کی جماعت کرائی۔

میں نے دو انگیٹھیاں بھروا کر منگوائیں اور عزیز مولوی نصیر الدین بغیر کہے چائے تیار کر کے لے آیا، چائے کی پیالی پیش کی گئی۔ اس وقت میں نے اپنی بُری عادت کا مظاہرہ کیا۔ کار تو سہارنپور تک ہی کی تھی وہ حضرت کو اُتار کر چلی گئی۔ میں نے عرض کیا حضرت نظامِ سفر؟ ارشاد فرمایا کہ خیال یہ ہے اسی وقت ساڑھے دس کی گاڑی سے چلا جاؤں۔ میں نے عرض کیا بہتر ہے مگر ایک منٹ سکوت کے بعد میں نے عرض کیا حضرت بارش بڑی زور کی ہو رہی ہے، سردی بھی بہت زوروں پر ہے، بخار بھی شدت سے ہے معلوم نہیں دیوبند اس گاڑی سے پہنچنے کی اطلاع ہے بھی یا نہیں؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اطلاع تو نہیں ہے لیکن اگر سواری نہ ملی تو اسٹیشن کی مسجد میں لوگ رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا جیسے ارشاد ہو مگر اس وقت میں اور صبح چھ بجے میں کوئی زیادہ فرق تو ہے نہیں۔ حضرت قدس سرّہ نے نہایت تبسم سے جن کو اب یاد کر کے رونا آتا ہے، یہ ارشاد فرمایا فرق تو کچھ نہیں ہے باقی میں یہ دیکھتا تھا کہ آپ ان حالات میں کیا ارشاد فرمائیں گے۔ بس اب تو صبح ہی کو جائیں گے، صرف تمہیں دیکھنا تھا۔

فرمایا: اگر کوئی مجھ سے قیام کے سوال کے جواب میں یہ کہتا کہ جب تک آپ فرمائیں ٹھہروں گا تو میں اس سے کہا کرتا تھا کہ مولوی یوسف میرا چھوٹا بھائی ہے وہ چار چلّے مانگتا ہے، میں آخر اس کا بڑا بھائی ہوں مجھے پانچ چلّے دو۔

عید کے موقع پر اعزّہ سے ملاقات

فرمایا: عید کے موقع پر میرا کاندھلہ جانے کا معمول تھا۔ تین شوال کو میں یہاں سے کاندھلہ پہنچتا، چچا جان نظام الدین سے پہنچتے۔ ہم دونوں ایک ایک روز ٹھہرا کرتے تھے، اعزّہ سے مل کر پھر واپس آجاتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بھائی اکرام صاحب اور ماموں محمود صاحب جو مجھ سے محبت کرنے والے تھے میرا ان کے ساتھ یہ لطیفہ پیش آیا کہ یہ دونوں حضرات کاندھلہ سے سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے مجھ سے ملنے کے لئے اور یہاں سے میں چلا کاندھلہ کے لئے ہم وہاں پہنچے وہ اِدھر آگئے۔

مہمان کی دعوت کے سلسلہ میں حضرت کا معمول

آج کی مجلس میں حضرت نے مہمان کے بارے میں اپنی ایک خاص عادت اور معمول کا ذکر فرمایا۔ چونکہ وہ معمول عام طور سے دوسرے اکابر کے معمول کے خلاف ہے اس لئے حضرت اس کو بُری عادت سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نے اپنی اور بھی بعض چیزوں کو بُری عادت سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ آپ بیتی میں اسی عنوان سے ایک مستقل سُرخی قائم کی ہے۔

ان بُری عادتوں میں سے ایک بُری عادت جو میرے آقا حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ کی طبع مبارک کے خلاف ہمیشہ رہی کہ میرے حضرت مدنی قدس سرّہ کے مہمان کی کوئی دعوت کرتا تو حضرت کو ازراہِ محبت وشفقت داعی و مدعو دونوں پر غصہ آجاتا۔ حضرت قدس سرّہ داعی سے ڈانٹ کر فرماتے، تم میرے مہمان کو چھینتے ہو، آپ کو دعوت کرنی تھی تو خود آپ بلواتے۔ اور مہمان سے فرماتے آپ سے دال روٹی نہیں کھائی جاتی، مال کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے بالمقابل اس سیاہ کار کا معمول ہمیشہ یہ رہا کہ اگر میرے مہمان کی کوئی دعوت کرے اور مجھے اس کا بخوشی پسند کرلینا معلوم ہو جائے تو میں کبھی اس میں مانع نہیں ہوتا بلکہ بڑی خوشی وخندہ پیشانی سے قبول کرلیتا بشرطیکہ مہمان اس کو خوشی سے پسند کرے بلکہ اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میرا مہمان داعی کی دعوت کو زیادہ پسند کرتا ہے اور محض میرے لحاظ سے میرے یہاں کھانا چاہتا ہے تو میں ازخود داعی کی سفارش کردیتا ہوں۔

فرمایا: اسی نوع کا ایک قصہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس الاحرار کے ساتھ پیش آیا۔ ان کے اس ناکارہ سے تعلقات روز افزوں شروع ہوگئے۔ ایک مرتبہ سہارنپور آئے، سہارنپور کے ایک صاحب نے ان کی دعوت کی۔ انہوں نے اس خیال سے کہ زکریا کو ناگوار ہوگا سختی سے انکار کردیا، ان کے داعی میری اس بُری عادت سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے اصرار سے کہا کہ آپ منظور کرلیجئے میں اس سے نمٹ لوں گا۔ رئیس الاحرار صاحب نے کہا کہ بہت بے ادبی ہے میں خود اجازت لے کر آتا ہوں۔ ان داعی نے بہت اصرار کیا کہ آپ اس کا بالکل فکر نہ کریں میں اس سے خوب واقف ہوں مگر رئیس الاحرار صاحب چونکہ میرے مہمان تھے اس لئے ان کو قبول کرنے میں تامّل ہوا۔

ظہر کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کے دروازہ میں قرآن پاک کی دیکھ کر تلاوت کر رہا تھا۔ مولانا نے آتے ہی سلام کیا میں نے تلاوت بند کر کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کچھ فرمانا ہے انہوں نے ایک طویل تمہید شروع کی۔ میں نے ایک منٹ میں اندازہ کر کے ان سے کہا اگر کسی نے شام کی آپ کی دعوت کی ہے تو بخوشی منظور ہے بشرطیکہ آپ پسند فرمائیں۔ میرے اس روکھے جواب پر وہ سکتہ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا میں نے کہہ دیا کہ بالکل فرصت نہیں، عشاء کے بعد بات ہوگی۔ چنانچہ تراویح کے بعد جب وہ میرے پاس آئے تو میں نے ان سے اپنی اس بُری عادت کا ذکر کیا اور میں نے کہا کہ آپ کے داعی نے صحیح کہا کہ وہ میری اس عادت سے خوب واقف ہیں۔

میرا دستور یہ ہے کہ میرے مہمان کی جب کوئی دعوت کرتا ہے اور مجھے یہ اندازہ ہو جائے کہ وہ بخوشی پسند کرتا ہے تو میں کبھی مانع نہیں بنتا۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص دعوت کرے گا تو وہ کچھ خاطر ضرور کرے گا، میں اپنے مہمان کا نقصان کیوں کروں؟ البتہ اگر مہمان ہی مال چھوڑ کر دال کھانا چاہے تو مجھے بھی زبردستی نہیں، سر آنکھوں پر۔

ارشاد فرمایا: دعوت کے سلسلے میں میرے دو اکابر حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص معمول رہا ہے کہ یہ دونوں حضرات اس سیہ کار کے یہاں کا کھانا چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کا کھانا بلا کسی سخت مجبوری کے ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے۔

فرمایا: میرے حضرت مدنی قدس سرّہ کی آمد پر جب کوئی دعوت کرتا تو حضرت شدت سے فرما دیتے کہ کھانا زکریا کے یہاں کھانا ہے۔ بارہا اس کی نوبت آئی۔ ایک مرتبہ جمعیۃ علماء ضلع کی کانفرنس حضرت کی طرف سے بلائی گئی۔ خواجہ اطہر صاحب ضلع کے صدر تھے۔ دو بجے سے عصر تک جمعیۃ کانفرنس ہوتی رہی۔ عصر کے بعد حضرت مدرسہ تشریف لانے لگے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا؟ فرمایا کہ کھانا زکریا کے پاس کھانا ہے۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ جمعیۃ آپ کی طرف سے بلائی گئی ہے۔ حضرت نے فرمایا جس کام کے واسطے طلب کی تھی وہ کام ہو گیا۔ میں نے کھانے کی دعوت نہیں کی تھی آپ کھلائیے۔ خواجہ صاحب نے بہت ہی اصرار فرمایا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ مجھے خود بھی اس کا واہمہ نہ تھا کہ حضرت جمعیۃ کو چھوڑ کر تشریف لے آئیں گے۔

ارشاد فرمایا: حضرت رائپوری اور حضرت مدنی یہ دونوں اکابر مضمون کے اعتبار سے ایک ہی طریقہ سے دعوت دینے والے سے بات فرمایا کرتے، پہلے خوب دعائیں دیتے پھر فرماتے کیوں تکلیف فرمائی، بہت تکلف کیا، بڑا اہتمام فرمایا، ناحق پریشان ہوئے، اللہ تعالیٰ بہت اجر عطا فرمائے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ پس جب کوئی دعوت کے لئے حاضر ہوا پہلے تو اس کو خوب دعائیں دیں پھر آخر میں اس سے فرمادیتے کہ ''ساڑھے گیارہ بجے کچے گھر میں کھانا لے آویں۔ میرے مہمان بُرا نہ مانیں، میں بہت اصرار سے نہیں روکتا ہوں میرا یہی طریقہ ہے۔

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت مدنی جمعہ کے دن تشریف لائے۔ میرا ایک بات میں حضرت سے اختلاف تھا، حضرت کی عادت جمعہ سے پہلے کھانا نوش فرمانے کی تھی اور میں بعد میں کھانے کا عادی تھا۔ آپ نے آتے ہی فرمایا کہ آج جمعہ بعد کھانا کھالیں گے۔ میں نے عرض کیا، نہیں کھانا تیار ہے۔ بعض دفعہ جب حضرت غالب آجاتے تو مجھے خلافِ عادت جمعہ سے پہلے کھانا پڑتا اور جب میں غالب آجاتا تو حضرت کو جمعہ کی نماز کے بعد کھانا پڑتا اور بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں کہہ دیتا آپ جمعہ سے پہلے فارغ ہوجائیں، میں جمعہ کے بعد کھاؤں گا۔

حضرت مدنی قدس سرّہ کے یہاں اہل تعلق کی دلداری

میں نے حضرت اقدس مدنی قدس سرّہ کی ایک عادت شریفہ دیکھی کہ اگر حضرت پر کوئی خاص اہل تعلق میں سے اپنی کسی درخواست پر اصرار کرتا تو حضرت اس کو رد نہ فرماتے۔ اس کے بالمقابل میرا حال یہ رہا کہ میں ''شمشیر برہنہ'' کہ مجھ پر کوئی شخص اصرار کرکے اپنی بات منوانہ سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت مدنی میرے مہمان تھے، دسترخوان پر کھانا نوش فرمارہے تھے۔ حضرت کے اہل تعلق میں سے سہانپور کے ایک رئیس کھانے کے دوران تشریف لے آئے اور کہنے لگے حضرت اسکول کا افتتاح کرتے جائیں۔ اس پر میں بولا کہ حضرت کو دہلی جانا ہے وہاں ایک جلسہ میں حضرت کی شرکت ضروری ہے۔ لیکن وہ صاحب براہِ راست حضرت سے بات کرتے رہے، حضرت کو خطاب کرتے رہے بندہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور برابر حضرت مدنی

سے تقاضا کرتے رہے کہ حضرت بس چلتے چلتے افتتاح فرمالیں۔ حضرت کو چار بجے کی گاڑی سے دہلی جانا ضروری تھا وہ جلسہ حضرت ہی کی صدارت میں تھا۔

غرضیکہ وہ صاحب اپنے اصرار میں کامیاب ہوگئے اور حضرت نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور وعدہ کرلیا کہ افتتاح کے لئے چلیں گے۔ ان صاحب نے اپنے یہاں خلافِ وعدہ وخلافِ منشاء چائے کا نظم کیا۔ چائے بھی وقت پر تیار نہ تھی۔ حضرت بس! ابھی چائے آرہی ہے۔ حضرت بار بار گھڑی دیکھتے رہے آخر جب حضرت اسٹیشن پہنچے تو چار بجے والی گاڑی چھوٹ چکی تھی۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے فوراً دہلی تار دیا کہ انشاء اللہ اب چھ بجے والی گاڑی سے آرہا ہوں، چار بجے کی گاڑی چھوٹ گئی۔

اب چونکہ وقت بہت باقی تھا اس لئے بہت سے لوگ بضد ہوئے کہ حضرت دوسری گاڑی میں ابھی کافی وقت ہے کھانا لے آئیں۔ حضرت نے فرمایا بالکل نہیں کھانا، شیخ الحدیث صاحب کے یہاں سے آئے گا۔ ہمارے یہاں تو سب ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اسی وقت گھر والوں سے کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، کھانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ اللہ کے فضل سے ایک جگہ سے دعوت کا کھانا آگیا۔ حضرت نے بڑا سا ناشتہ دان بھیجا تھا، میں نے اس کو بھر کر بھیج دیا۔

تقلیلِ طعام میں ماہِ مبارک کی ایک خصوصیت

دیکھو! غیر رمضان میں نہ کھانے سے ضعف ہو جاتا ہے، لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ رمضان میں کھانا نہ کھانے سے ضعف نہیں ہوتا۔ مفتی محمود صاحب مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس کی تائید فرمائی۔ بعض مہمان دسترخوان پر پہنچنے میں تاخیر کرتے تھے اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ لوگ اس لئے دیر کرتے ہوں گے کہ جلدی کرنے میں کوئی ہمیں کھانے کا حریص سمجھے گا۔ ارے بھئی یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کھلانے والے جلدی فارغ ہو جائیں گے۔

حضرت کی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مدارس کے جلسوں میں شرکت

حضرتِ رائپوری اور حضرت مدنی کی شفقتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ

حضرت مدنی کا یہ معمول تھا کہ حضرت ضلع سہارنپور کے کسی قصبہ یا گاؤں میں جاتے تو اسٹیشن سے کار میں سیدھے میرے گھر تشریف لاتے، مجھے کار میں بٹھا کر اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ تین چار گھنٹے کا سفر ہوتا تھا۔ واپسی میں مجھے مکان پر اُتار کر اسی کار میں اسٹیشن تشریف لے جاتے۔

جلسوں میں ترانہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق

ایک مرتبہ حضرت مدنی رات کو کسی جلسہ میں شرکت کے لئے ایک بجے آنے والے تھے اس لئے احباب نے مجھ سے کہا کہ مدرسہ کے بعض ذمہ دار حضرات جا رہے ہیں ان کے ساتھ آپ بھی چلے جائیں، چنانچہ میں بھی چلا گیا۔ اس وقت جلسہ میں ترانہ نظم وغیرہ پڑھنے کا بہت رواج تھا۔ تین چار لڑکے مل کر پڑھا کرتے تھے۔ جب جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی تو جلسہ میں ترانہ شروع ہوا۔ وہاں مفتیان کرام تشریف فرما تھے۔ ایک مفتی صاحب نے اس کو بند کرا دیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس پر میں نے منتظمینِ جلسہ سے کہا: لو اور حضرت کے بغیر جلسہ کرو۔ اب اس کا خدانخواستہ عوام پر غلط اثر نہ پڑے کہ ان کو چہ میگوئیاں کرنے کا موقع مل جائے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ رات جلسہ میں حسبِ معمول ترانہ شروع کیا جا رہا تھا لیکن (چونکہ آپ اس وقت تشریف نہیں لائے تھے اس لئے) مفتیان کرام نے اس کو رکوا دیا۔

معتکفین کے لئے مسجد میں خرید وفروخت کی ممانعت

فرمایا: بھائی! کل رات میں ایک بات کہنی شروع کی تھی وہ یہ کہ حضرت قدس سرہ کے پاس میری شکایات پہنچتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ حضرت کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ حضرت نے مجھ پر کبھی عتاب نہیں فرمایا۔ اس کے بعد حاضرین سے فرمایا: میرے پاس تم لوگوں کے بارے میں ایک شکایت پہنچی ہے کہ بعض معتکفین مسجد کے اندر خرید وفروخت کرتے ہیں۔ مغرب کے بعد بھی اور تراویح کے بعد بھی۔ معلوم ہوا ہے کوئی لڑکا تھال میں پان وغیرہ رکھ کر مسجد میں لا کر فروخت کرتا ہے۔ دیکھو! اس طرح مسجد میں بیع کرنا حرام ہے۔

ایک بنیے کا دلچسپ واقعہ

ایک قصہ سُناؤں تم کو، غور سے سُنو! عبرت کا ہے۔ ایک بنیا تھا اور ان بنیوں کے یہاں (بوجہ بخل کے) پیسہ پیسہ کا حساب ہوتا ہے۔ وہ بنیا اپنی سسرال گیا، آٹھ روز وہاں رہا۔ روز حساب کرتا چار آنہ آٹھ آنہ ہر روز اپنے اُوپر ہونے والے خرچ کا حساب کیا کرتا تھا۔ آٹھ روز بعد جب وہ واپس آنے لگا تو سسرال والے جو تقریباً دس آدمی تھے اس کو پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ آنے لگے۔ اس نے بہت کہا بھی میں خود چلا جاؤں گا تمہاری ضرورت نہیں، مگر وہ نہ مانے اور اس کے ساتھ ہی آئے اور ایک وقت کا کھانا وغیرہ کھا کر واپس چلے گئے۔ کسی نے اس بنیے سے پوچھا: سیٹھ جی کہاں گئے تھے؟ کہنے لگا یہیں تھا آٹھ روز تک وہاں رہا جو کچھ وہاں کھایا پیا تھا انہوں نے آ کر ایک ہی دن میں پورا کر دیا۔ جہاں سے گیا تھا وہیں آ گیا۔

دیکھو! اعتکاف کمانے کی چیز ہے، بڑی قیمتی چیز ہے لیکن بعض معتکف سب کچھ کر کے ایک حرام بھی کرتے جاتے ہیں کہیں لالہ جی والا حساب نہ ہو جائے جہاں سے چلے تھے وہیں آ گئے۔

فرمایا: دیکھو! تم لوگ مولوی ہو، تمہارے کام عوام کی نگاہ میں حجت ہوتے ہیں یہ چیزیں بڑوں کی صحبت میں بیٹھنے سے آتی ہیں۔

فرمایا: میں کل رات ایک بات کہہ رہا تھا، سُنو! بھائی! خبر نہیں تم کو بھی کچھ مزہ آئے ان قصوں میں مجھے تو بزرگوں کی باتوں اور قصوں میں بڑا لطف آتا ہے۔ ایک حکیم صاحب کا قصہ سنایا تھا، ان کو کیمیا کا بڑا مرض تھا۔ اسی دن ایک بادشاہ کا بھی قصہ سُنایا تھا۔

لڑکیوں کے پردہ کے بارے میں حضرت کی احتیاط اور ایک دلچسپ واقعہ

اس وقت مجھے ایک اور قصہ یاد آیا کہ ۴۴ھ کے حج میں اعلیٰحضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تشریف فرما تھے اور انبالے کے ایک بزرگ تھے جن کا نام حافظ محمد صدیق صاحب تھا۔ حضرت رائپوری کے مخلص اور میرے والد صاحب کے بھی مخلص اور ان دونوں کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی بہت شفقتیں فرمایا کرتے تھے، وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔

ان کی ایک بچی جو غالباً سات آٹھ سال عمر کی ہوگی، مگر پنجاب کا نشوونما یوپی سے بڑھا ہوا رہتا ہے اور پنجاب میں پردہ کا رواج بہت ہی شاذ ونادر ہے بالخصوص بچوں کے حق میں۔ وہ بچی اگر زندہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نوع کی مدد فرمائے، دین ودنیا کی ترقیات سے نوازے، مرگئی ہو تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں زیادہ سے زیادہ قرب عطا فرمائے۔

یہ بچی اماں جی کو مسجد نبوی میں پانچوں وقت نماز کے لئے لے جایا کرتی تھی۔ میں نے ایک دفعہ اس بچی کو یہ کہا کہ اری تو بڑی ہوگئی، بغیر برقعہ کے نہ آیا کر۔ اس نے منہ پھیر کر گویا عملی انکار کیا۔ زبان سے کچھ نہیں کہا مسجد میں جاتے آتے کبھی کبھی سڑک پر وہ نظر پڑ جاتی تھی۔ دوسرے دن جب وہ نظر پڑی تو میں نے پھر ٹوکا وہ پھر بھی چپ ہو کر چلی گئی۔ ایک آدھ دن بعد وہ پھر نظر پڑی۔ میں نے آواز دے کر اس کا نام لے کر کہا کہ میں نے تجھے کئی دفعہ برقعہ بنانے کو کہا تو نے اب تک بنایا نہیں۔ اب کے بغیر برقعہ کے دیکھا تو ایک دھول رسید کروں گا۔ وہ بجائے اماں جی کو نماز میں لے جانے کے روتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی اور اماں جی کی اس دن کی حرم کی نماز اس کے انتظار میں فوت ہوگئی۔ اماں جی نے اس کو بُلا کر پوچھا تو اس نے سارا قصہ سُنا دیا۔ اماں جی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔

مقدمہ میرے حضرت قدّس سرّہ تک پہنچا۔ حضرت قدّس سرّہ نے اس لڑکی کو بُلایا وہ روتی ہوئی گئی۔ حضرت نے بہت شفقت سے، محبت سے اس سے فرمایا کہ پیاری بچی بات یہ ہے کہ تو اس (زکریا) کو دیکھ ہی رہی کیسا مسٹنڈ بن رہا ہے اور وہ کسی کے قابو کا تو ہے نہیں۔ اگر اس نے تیرے تھپڑ مار دیا تو تو گر پڑے گی اور اگر اس پر میں نے اس کے تھپڑ مارا تو اس پر تو کوئی اثر ہونے کا نہیں، اُلٹی میری ہی اُنگلیاں دُکھ جائیں گی۔ اس لئے میری سمجھ میں تو یوں آوے اچھا یہ ہے کہ تو برقعہ ہی بنا لے۔

اس لڑکی کے والد مرحوم کو جب یہ قصہ پہنچا تو بے چارے اسی وقت جا کر بازار سے برقعہ کا کپڑا لائے، گھر میں مشین تھی برقعہ سِل گیا۔ اب نماز کے وقت وہ برقعہ اوڑھ کر آئی تو میں نے بھی اس کو بہت شاباش دی۔

نکاح، شادی کی تقریبات میں سادگی

فرمایا: آج کچھ باتیں (بیاہ شادی سے متعلق) عرض کرنی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کو خبر نہیں کی۔ لوگوں نے شادی کے مسئلے کو بہت مشکل بنادیا ہے۔ اب اس میں بڑی دقتیں اُٹھانی پڑ رہی ہیں۔ عورتیں بڑی عمر کی ہوجاتی ہیں (حضرت نے اس نوع کے مضمون کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا۔ آپ بیتی میں حضرت نے اس سے بھی زائد وضاحت فرمائی ہے اس لئے اس کو سامنے رکھ کر ملفوظ کی تکمیل کی جاتی ہے)۔ اللہ جل شانہ، کے انعامات واحسانات اس سیہ کار پر اپنی ناپاکی اور گندگی کے باوجود بارش کی طرح ہمیشہ برسے۔

میں جب سہارنپور ابتداء میں آیا تھا یعنی ۲۸ ھ میں، میں نے خواب دیکھا تھا کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب اس سیہ کار سے لپٹ گئے اور مجھے خوب بھینچا۔ میں نے اپنے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سے اس خواب کا ذکر کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ عنایت الٰہی (اللہ تعالیٰ کی عنایت) تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تعبیر ہر چیز پر اور ہر ہر وقت میرے ساتھ رہی۔ ہر جز و زندگی میں جتنی میں نے نافرمانیاں کی، اتنا ہی مالک کی طرف سے عنایات میں اضافہ ہوتا رہا، خدا کرے کہ یہ استدراج نہ ہو۔

ان میں سے ایک معمولی مسئلہ تقریبات اور شادیوں کا بھی ہے۔ میں نے دو اپنی اور ہمشیرہ زادی اور بنات اور ولد واسباط کی تقریباً سولہ سترہ شادیاں کی اور ہر شادی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہ کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت نفل پڑھ لی۔ نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے ایک مصیبت بنالیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوکر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گی۔ ایک ان میں سے ایمان ہے اور دوسری چیز نکاح، مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو اس میں لغویات شامل کرکے ایک مصیبت عظمیٰ بنالیا۔

صحابۂ کرام کو جو عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں ہیں، آپ کے جانثاروں میں ہیں، مگر انہوں نے اپنی شادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانا تو درکنار خبر بھی نہ کی۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کپڑوں پر ایک خاص قسم کی خوشبو کا اثر دیکھا جو اس زمانے میں شادیوں کے موقع پر استعمال کی جاتی تھی۔ دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ کیا تم نے شادی کر لی؟ انہوں نے عرض کیا جی حضور!

مگر افسوس ہے کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنا دیا۔ بعض جگہ تو یہ مصیبت ہے کہ عین نماز (عصر یا مغرب) کے وقت بارات رخصت ہوتی ہے کہ جس سے دولہا دلہن اور سارے باراتیوں کی جماعت فوت ہوتی ہے (یا نماز قضا ہوتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے اور ہم کو ہدایت سے نوازے، ان ہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں ایک لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں شادی کا انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ سے۔

مولانا محمد یوسف و مولانا انعام الحسن کی شادی کا قصہ

فرمایا: مجھے اپنی بچیوں میں سب سے پہلا سابقہ سب سے بڑی دو بچیاں والدہ ہارون اور والدہ زبیر کا مولانا یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کے نکاح سے پڑا۔ ہمارے خاندان میں قدیم دستور یہ رہا ہے کہ جب کوئی لڑکی خاندان میں پیدا ہو تو اس کا اقرب ترین نامحرم گویا اس کے ساتھ شادی کے لئے متعین تھا۔ چنانچہ ان دونوں کی منگنی ہوگئی تو چچا جان نور اللہ مرقدہ جو ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے، حسبِ معمول وہ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑ گیا ہے۔ کل کو جلسہ میں حضرت مدنی سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوا دوں؟ میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجئے مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اپنی اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ کل کے جلسہ میں دونوں بچیوں کا نکاح پڑھوا دیں۔

میری اہلیہ مرحومہ نے کہا، جس کے لفظ مجھے خوب یاد ہیں کہ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک ایک جوڑا تو ان دونوں کے لئے سلوا دیتی۔ مجھے اپنا جواب بھی خوب یاد ہے اور میرے جواب پر مرحومہ کا سکوت بھی، ''اچھا مجھے خبر نہیں تھی کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں''۔ میرے جواب پر مرحومہ بالکل ساکت، ہوگئیں۔ چنانچہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے جامع مسجد میں جہاں مدرسہ کا جلسہ ہوتا تھا نکاح پڑھا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ چونکہ یہ نکاح خاندان کی ساری روایات کے خلاف تھا اور اب تک کوئی نکاح اس طرح نہیں ہوا تھا اس لئے کاندھلہ میں اس نکاح پر چہ میگوئیاں بہت ہوئیں۔

ایک صاحب کا فقرہ مجھے پہنچا کہ زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی اور ہم سب کی بھی۔ بھلا نکاح یوں ہوا کرتا ہے۔ میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ میری ناک تو کٹی نہیں اور میں نے قاصد سے کہا کہ تو بھی میری ناک کو ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور وہاں جا کر کہہ دیجئے کہ میں دیکھ کر آیا ہوں اس کی تو کٹی نہیں اور کسی کی مجھے خبر نہیں۔

یہ تو قصہ ہوا نکاح کا۔ اب ان دونوں کی رخصتی کی سنئے جو نکاح سے تقریباً ایک سال بعد ہوئی۔ اس زمانے میں یہ دونوں عزیز مولوی یوسف و مولوی انعام سہارنپور ہی میں پڑھتے تھے اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ ہمارے مدرسہ کے سرپرستان میں تھے اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ بھی سرپرست تھے۔ مدرسہ کے اجتماع سرپرستان میں دونوں حضرات کی تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ ربیع الاوّل ۵۵ھ میں حضرات سرپرستان کا اجتماع تھا۔ حضرت رائپوری اور چچا جان و دیگر سرپرستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ چچا جان نے ارشاد فرمایا خیال یہ ہے کہ کل کو نظام الدین واپس جاتے وقت یوسف و انعام کی بیویوں کو لے کر جاؤں۔ میں نے کہا جیسے رائے عالی ہو مگر لڑکے تو دونوں یہاں پڑھ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بنا (رخصتی) تو ان ہی کے گھر میں ہوئی تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں لونڈوں کی بنا یہاں ہی کرا دیں۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ کا ایک مقولہ میرے متعلق بہت معروف و مشہور تھا کہ تجھے نہ معلوم اپنے کام کی حدیثیں بہت یاد رہتی ہیں۔

غرضیکہ چچا جان نے میری بات سُن کر فرمایا بہت اچھا۔ میں نے عصر کے وقت گھر میں جا کر بچیوں سے کہہ دیا کہ اپنی ان دونوں بہنوں کو (اچھے سے) کپڑے پہنا دو، رات کو ان کی یہیں رخصتی ہے۔ چنانچہ میں نے مولانا یوسف مرحوم کو اپنے اُوپر کمرے میں اور مولانا انعام الحسن صاحب کو نیچے گھر میں تجویز کیا۔ مقدر کی بات کہ رات میں خوب بارش ہوئی اور اُوپر مولانا یوسف صاحب خوب بھیگے کہ وہ چھجے کے نیچے تھے یہ پہلے آ چکا ہے۔

یہ دونوں عزیز مولوی یوسف و مولوی انعام یہیں پڑھتے تھے اس وجہ سے لڑکیوں کے نظام الدین جانے کا سوال ہی نہ تھا، بلکہ ہر ہفتے یہ ہوتا تھا کہ میرے گھر ہی میں شبِ جمعہ کو ان دونوں کی چارپائیاں علیٰحدہ علیٰحدہ بچھوادی جاتیں۔ جب سال کے ختم پر یہ دونوں نظام الدین جانے لگے تو اپنی اپنی بیویوں کو بھی چچا جان کی معیت میں ساتھ لے گئے۔

شادی کی دعوتوں کے سلسلہ میں

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ ہمارے یہاں کاندھلہ میں جب دعوت کے لئے ناموں کی فہرست بنائی گئی تو سب بزرگوں کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ لکھا گیا لیکن ایک بیچارہ لڑکا تھا اس کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ لکھنا رہ گیا۔ وہ اس پر بڑا بگڑا کہ اس میں میری توہین ہوئی اور ناراض ہو کر بیٹھ گیا۔ اس پر میرے باپ کے ماموں اس لڑکے کی بڑی خوشامد کرتے پھرے اس کو راضی کرنے کے لئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس لڑکے کے پاؤں تک پکڑ لئے اور اس کو منا کر لائے۔ مجھے تو بڑا غصہ آیا اور بہت ہی غیرت آئی ان کے اس خوشامد، منت سماجت کرنے پر، لیکن کر کیا سکتا تھا بڑوں کا معاملہ تھا۔ اب بڑوں کا دور ختم ہوا، اب خاندان میں ہم ہی بڑے ہو گئے۔

ایسے ہی ایک دوسری شادی کے موقع پر فہرست بننے لگی تو گھر والوں نے کہا سب کو بلانا ہوگا اور اس طریقہ سے بلانا ہوگا۔ میں نے کہا نہیں بلکہ اس طرح دعوت دی جائے کہ جس کو آنا ہو آئے نہ آنا ہو نہ آئے۔ بس اس پر بحمد اللہ کوئی نہ روٹھا، سب ہی نے شرکت کی۔

جہیز کے سلسلہ میں حضرت کا ذوق

شادیوں کے جہیز کے بارے میں حضرت نے اپنا ذوق بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

میں نے اپنی سب بچیوں کو جہیز میں لحاف، بچھونے ضرور دیئے اور عمدہ دیئے اور بقدر ضرورت برتنوں کے دینے کا بھی مخالف نہیں اگر واقعی ضرورت ہو۔ زیور کا دینا پسندیدہ ہے بشرطیکہ ایسا ہو کہ اس میں مالیت تو زیادہ ہو اور گھڑائی بہت کم ہو، تاکہ ضرورت کے وقت بچیوں کے کام آسکے اور اپنی ہمت کے موافق ضرور دیا جائے۔

حضرت کی صاحبزادیوں کا حج

۷۴ھ میں جب مولانا یوسف صاحب حج کو جا رہے تھے تو فرمایا کہ بچیوں کو بھی حج کرانے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے کہا بڑے شوق سے۔ اپنا اور مولوی انعام صاحب کا اور دو بچیوں کا انتظام تو آپ کے ذمہ میں اور بقیہ کا میں کروں گا، انہوں نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا۔ میں نے اپنی اہلیہ اور حج کو جانے والی بچیوں سے کہا کہ پہلے اپنا اپنا زیور فروخت کرو۔ اس کے بعد جس کے خرچہ میں جتنی کمی ہو وہ بطور قرض میں دوں گا۔ جب تمہارے پاس ہو قرض ادا کر دینا، نہ ہو تو اللہ معاف کرے۔ اس پر سب نے بخوشی اپنا اپنا زیور لاکر مجھے دیدیا۔ میں نے وہ زیور اپنے بعض اعزہ کے واسطہ سے بازار فروختگی کے واسطے بھیج دیا۔

میرے ایک مخلص دوست حاجی جان محمد پشاوری جو اس زمانہ میں سہارنپور میں رہتے تھے اور زیورات بنانے کا کام کرتے تھے انہوں نے مجھ کو مشورہ دیا کہ تمام زیورات فروخت ہرگز نہ کئے جائیں۔ بلکہ صرف وہ زیور فروخت کئے جائیں جن میں مالیت زیادہ ہو (وزنی ہونے کی وجہ سے) اور گھڑائی کم ہو۔ اور جو زیور ایسے ہیں جن میں صنعت اور گھڑائی تو بہت ہے اور وزن کم ایسے زیور فروخت نہ کئے جائیں۔ مجھے ان کا یہ مشورہ پسند آیا اور اسی وقت سے میں اس بات کا قائل ہو گیا کہ جہیز میں زیورات ایسے دیئے جائیں جن میں مالیت زیادہ اور گھڑائی کم ہو۔

البتہ جہیز اور بری کے کپڑوں کا بہت مخالف ہوں کہ وہ عمدہ عمدہ قیمتی جوڑے اس قابل تو ہوتے نہیں کہ گھر میں پہن لئے جائیں۔ صندوقوں کی زینت ہو کر گلتے ہیں یا خدانخواستہ موت کا حادثہ پیش آجائے تو مدرسہ میں داخل ہو کر معمولی داموں میں نیلام ہوتے ہیں۔ ایک دو جوڑا اگر قیمتی بھی بنالیا جائے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، وہ کہیں جانے

آنے میں استعمال ہوسکتا ہے لیکن بہت سے قیمتی جوڑے اسراف اور اضاعت مال کے سوا کچھ نہیں۔

میرے بچپن میں ایک چیز سراسری کے نام سے مشہور تھی۔ وہ اس قدر لغو چیز تھی کہ حد نہیں۔ ایک اوڑھنے کی چادر سی ہوتی تھی جس پر مختلف قسم کے موتی، چھوٹے چھوٹے بھی اور بادام کے برابر بڑے بڑے بھی اور اس سے بڑے بھی، جیسے نادیہ بیل کے اوپر کوڑیوں والی چادر ہوتی ہے، اتنے جمے رہتے تھے کہ لا تعد ولا تحصی۔ اور موتیوں کے درمیان میں گوٹہ کی اور گوکھرو کی انواع اتنی زیادہ کہ کپڑا کسی جگہ سے نظر نہیں آتا تھا اور عروس کے لئے یہ ایک عذاب عظیم تھا۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ اس کا وزن ایک دھڑی سے کم نہ ہوتا تھا۔ بچی (دلہن) پر جب اُڑھایا جاتا تھا تو وہ غریب پسینہ پسینہ ہوکر اس کے سارے کپڑے بھیگ جاتے تھے۔ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تو وہ سراسری پانچ چھ دن کے لئے مانگ لی جاتی۔ وہ تو ایک مصیبت تھی لیکن اس کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا کہ اگر ایک عمدہ لباس فاخرہ خاندان میں بنا کر رکھ لیا جائے اور جہاں کہیں شادی ہو وہ آٹھ دس دن کے لئے مانگ کر دیدیا جائے تو بہت اچھا ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ بات حدیث پاک سے بھی مستنبط ہوتی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں "**باب استعارة الثوب للعروس وغيرها**" ایک مستقل باب باندھ کر میرے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا کہ شادی میں اگر دلہن کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ مانگ لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس باب کے اندر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک سفر میں اپنی بہن کا ہار مانگ کر لے جانا ذکر کیا ہے۔

شادی کی مروجہ دعوتیں

فرمایا: شادی کی دعوت کا بھی میں مخالف ہوں۔ شادی کی دعوت کا مسئلہ کچھ ایسا اُلجھا ہوا ہے کہ بس ایک نام لکھ دیا اس کے بعد دوسرا یاد آیا، پھر تیسرا، بس اسی طرح نام بڑھتے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک لمبی فہرست بن جاتی ہے (اور یہ سب کچھ زیادہ تر نام ونمود کے لئے ہوتا ہے جس کا حاصل ہونا ضروری نہیں)۔

چنانچہ ایک بنیا بڑا رئیس مالدار اس کے گھر بارات آئی، اس نے نام کرنے کے لئے ایک ایک اشرفی سب کو تقسیم کی اور خوب خوش ہوا کہ میرا نام ہوگا، شہرت ہوگی۔ جب بارات رخصت ہوکر جانے لگی تو یہ بنیا راستہ میں ایک جگہ اپنی تعریف اور بڑائی سُننے کے لئے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اب جب لوگ گزرے تو بعض کی زبان سے سُنا کہ دیکھو اتنا بڑا سیٹھ ہوکر بھی اتنا کنجوس کہ صرف ایک ایک ہی اشرفی پر ٹال دیا، اس سے زائد بھی تو دے سکتا تھا جس سے کچھ کام بھی چلتا۔ اور کسی کی زبان سے کچھ سُنا اور کسی کی زبان سے کچھ۔ ہر ایک کو تنقید ہی کرتے ہوئے پایا۔

بنیا کہنے لگا بس جی دیکھ لیا کہ اس بارات کے ساتھ کوئی کیسا ہی اچھا سلوک کرے، احسان کرے، تعریف تو اس کی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر حال میں بُرائی ہی بُرائی ہے۔

مجھے ان شادیوں کی دعوت سے ہمیشہ نفرت رہی۔ میرے یہاں دیکھنے والوں کو سب ہی کو معلوم ہے کہ مہمانوں کا ہجوم بعض اوقات دو سو ڈھائی سو تک پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو مہمانوں کی کثرت سے کئی کئی دیگوں کے پکنے کی نوبت آئی، لیکن شادیوں کے مد میں ایک دفعہ بھی مجھے یاد نہیں کہ ایک دیگ بھی پکوائی ہو۔

شہرت اور کثرت کی طلب سے اجتناب

فرمایا: ایک صاحب معزز قسم کے جن کے جواہر لال سے بھی گہرے تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ سہارنپور میں بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا (جس میں وہ صاحب بھی شریک ہوئے)۔ میں نے سُنا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ مجھ کو زکریا سے ملنا ہے۔ مجھے بڑا اہم ہوا اس لئے کہ اس قسم کے بڑے لوگوں کی میزبانی میرے بس کی نہیں ہے۔

کسب فیض میں شیخ کا توسط

ارشاد فرمایا: شیخ سے کسب فیض کے بارے میں حضرت سہارنپوری نے مجھ سے فرمایا تھا کہ شیخ کی مثال نل جیسی ہے۔ نل (ہینڈ پمپ) چلاؤ گے اتنا ہی پانی نکلے گا۔ گو نل بذاتِ خود کچھ نہیں، لیکن پانی تو اسی کے ذریعہ ملے گا اور کھینچنے سے ملے گا، بغیر اس کے نہیں۔

فرمایا: ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال خوشی میں خوب اُچھل رہے تھے۔ کسی نے سبب پوچھا تو کہا کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے نبی کے ہاتھ میں نہیں، ورنہ تو پہلے ہدایت مکہ میں بانٹی جاتی پھر مدینہ میں، پھر کبھی پھیلتے پھیلتے حبشہ میں پہنچتی۔ حبشہ کا نمبر بہت بعد میں آتا۔ لیکن ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دیکھو اسی نے مجھے پہلے عطا فرمائی، اسی پر خوش ہو رہا ہوں۔

ارشاد فرمایا: **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته** یہ حدیث ہے۔ دیکھو میرے دوستو! کوشش کرتے رہا کرو۔ تم کو کوشش کا ثواب تو ضرور ملتا ہی رہے گا۔ دیکھو! تم ہی تو ہادیانِ اُمت کہلاؤ، مصلحانِ قوم کہلاؤ، عنقریب فارغ التحصیل ہونے والے ہو۔ عملاً تم یہ کہو گے کہ ہم ہی وارثانِ نبی ہیں۔ اگر تمہارے ہی گھر سے جہالت گمراہی نکلنے لگے تو پھر اُمت کو دین کہاں سے ملے گا۔ تم لوگ یہاں سلوک کی تکمیل کے لئے آئے ہو۔ یہ سلوک جو ہے بہت ہی آسان ہے ''راہ خدا از دو قدم دور نیست''۔ اللہ کی قسم یہ تصوف کا راستہ دو قدم پر ہے۔ ایک قدم نفس پر، دوسرا مقام (منزل مقصود) پر۔

علماءِ دین کے لئے تکمیلِ سلوک بہت آسان ہے

اور خاص کر مولویوں کے لئے زیادہ آسان ہے۔ مجاہدہ ان کو کرنا نہیں، تعلیم کا زمانہ ان کا سارا مجاہدہ میں ہی گزرتا ہے اور زبان پر تو قال اللہ قال الرسول ہمیشہ رہے۔ دوسرے لوگوں کو بہت مجاہدہ کرنا پڑے، اتنا مولویوں کو نہیں کرنا پڑتا۔ ان کے لئے تو سلوک کی لائن بہت ہی آسان ہے۔

اہل علم میں ایک خطرناک روگ

لیکن ان کے اندر کا بس ایک ہی بگاڑ اور روگ ایسا ہے کہ ''سو سنار کی ایک لوہار کی''، وہ ہے تکبر۔ میرے پیارو! بس یہ نکال دو، مقام پر پہنچ جاؤ گے۔ آج کل لکھنے کا تو بہت رواج ہو گیا، اپنے آپ کو کیا کیا لکھتے ہیں حقیر، فقیر، ناکارہ تواضع کے الفاظ بہت لکھتے ہیں۔ بس دل میں پیدا ہو جائے تو بیڑا پار ہے اور یہ بڑوں کا کہنا ہے ان کی تاکید ہے ضرور کامیاب ہو گے انشاء اللہ۔ میرا بھی تجربہ ہے اور خوب ہے۔

طلبہ سے تعلق و ہمدردی، اسٹرائک و اسٹرائکی طلباء سے نفرت

ارشاد فرمایا: ابتداء میں اس ناکارہ کا تعلق طلبہ کے ساتھ یہ تھا کہ جو بھی نیا طالب علم مدرسہ میں شروع سال میں آئے اس کا داخلہ ہو جانے تک وہ میرا مہمان رہتا تھا۔ اس ذیل میں ایک اجنبی طالب علم جس سے ابتداءً میں بالکل ناواقف تھا اور انتہاءً وہ میرے محبوب دوست ہو گئے تھے۔ مولوی ممتاز احمد گیاوی (مرحوم) تھے جنہوں نے ابتداء سے انتہاء تک مظاہر العلوم میں پڑھا اور بعد فراغ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں مختصر قیام میں مجاز بیعت ہو کر گئے۔ انہوں نے طالبعلمی کے زمانہ میں مدرسہ سے کھانا کبھی نہیں لیا، ہمیشہ قیمتاً اپنا ہی کھانا کھاتے رہے۔ ابتداءً میرے مہمان تھے اور ساتھ ہی کھاتے تھے اور چندروز بعد انہوں نے اپنا کھانا قیمتاً جاری کرالیا۔ تب بھی شریک دسترخوان رہے اور اخیر تک شریک دسترخوان رہے۔

غرضیکہ شروع میں مجھے ان مہمانان رسول کی خدمت کر کے بڑی مسرت ہوتی تھی اور میں ان کی بہت ہی طرفداری کیا کرتا تھا کہ آخر طلبہ بھی انسان ہیں غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن اب تو (اسٹرائک کے بعد) دل بہت ہی مکدر ہو گیا اور ان اسٹرائکی طلباء سے گویا بغض ہو گیا۔ بددعا تو میں ان کے لئے نہیں کرتا کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میرے سامنے ہے۔

ان مہمانانِ رسول کا آج یہ حال ہے کہ اساتذہ و منتظمین کی اہانت کریں، ان کا مذاق اُڑائیں، مدرسے میں ان کے سامنے ہو ہو، ہاہا شور کرتے پھریں، لوگ نمازیں پڑھیں اور یہ سوتے رہیں، کوئی ان سے اگر کہے نماز کو چلئے تو جواب ملے تم کون ہو؟

ایک بے وفا کا قصہ اور آج کے دور میں طلباء کی مثال

بس ان کی مثال تو اب ایسی ہو گئی، ایک آدمی کہیں مہمان بن کر گیا تھا۔ چندروز وہاں قیام رہا۔ جب واپس ہونے لگا تو میزبان سے کہا، میرا شکریہ ادا کرو، انہوں نے سوچا کیوں؟ پھر وہ کہنے لگے بے شک آپ کا شکریہ کہ آپ ہمارے مہمان بنے، ہم کو میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ کہا نہیں اور کچھ شکریہ ادا کرو۔ پھر میزبان نے سوچ کر کہا

بے شک ہم آپ کی وجہ سے اتنے ثواب کے مستحق ہوئے اور حضور ﷺ کی حدیث پر عمل ہوا۔ مہمان نے کہا نہیں کچھ اور بھی شکریہ ادا کرو۔ تو گھر والوں نے پوچھا، آخر کس بات کا شکریہ ادا کریں تو کہا اس بات کا شکریہ ادا کرو کہ میں نے چلتے وقت تمہارے چھپر میں آگ نہیں لگائی۔ اگر آگ لگا کر چل دیتا تو تم کیا کرتے؟ کہا بے شک بے شک ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ ہمارے چھپر میں تم نے آگ نہیں لگائی۔

بس آج کے طلبہ کی یہی مثال ہے۔ ان کا شکریہ اس لئے ادا کرو کہ چلتے وقت انہوں نے چھپر میں آگ نہ لگائی۔ ارے تمہارے اسلاف تو وہ تھے جن کو دیکھ کر لوگ کہا کرتے تھے۔

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
ان ہی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
ان ہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

حضرت کو بغیر ٹکٹ کے گزرنے کی اجازت

فرمایا: میرا ایک قصہ ہے اگر بیان کروں تو اندیشہ ہے ریاء کا۔ لیکن اس امید پر کہ شاید تم کو اس سے کچھ فائدہ پہنچے بیان ہی کر دوں۔

رامپور کے ایک صاحب کا نکاح تھا جس میں انہوں نے سارے منتظمین مدرسہ کو دعوت دی۔ سب کو فرسٹ کلاس سے بلایا۔ رامپور کے اسٹیشن پر جب سب لوگ دروازہ پر پہنچے تو بابو نے ٹکٹ کا مطالبہ کیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا کہ ٹکٹ ہمارے ناظم

صاحب کے پاس ہیں۔ اس نے ان سب کو دروازہ پر روک لیا۔ یکے بعد دیگرے آتے رہے اور دروازہ کے پاس سب جمع ہو گئے۔ میں بھی اسی سیلاب میں چلا گیا۔ اس نے مجھ سے بھی ٹکٹ مانگا، میں نے کہا ہے تو مگر کس کے پاس ہے معلوم نہیں۔ اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ وہاں ایک صاحب جو بہت دیر سے ٹکٹ کے انتظار میں رُکے کھڑے تھے وہ اس پر بگڑ پڑے کہ ہم نے بھی تو یہی کہا تھا کہ ہمارا ٹکٹ دوسرے کے پاس ہے اس نے کون سی نئی بات کہی؟ اس پر بابو کہنے لگا ان کی بات اور ہے، یہ چہرہ جھوٹے کا معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت کی صورت دیکھ کر پلیٹ فارم اُدھار دینا

فرمایا: اسی نوع کا ایک قصہ اور ہے۔ ایک مرتبہ میرے حضرت سہارنپوری رنگون کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، میں اس دن اپنے کسی کام سے پٹھانپورہ گیا ہوا تھا۔ مجھے وہاں پہنچ کر خیال آیا کہ حضرت آج تشریف لا رہے ہیں۔ اسٹیشن یہاں سے قریب ہے اس لئے حضرت کے استقبال کے لئے وہاں سے اسٹیشن پہنچ گیا۔ جیب اس وقت میری خالی تھی۔ اسٹیشن پہنچ کر معلوم ہوا کہ گاڑی عنقریب پہنچنے والی ہے اور احباب جو حضرت کے استقبال کے لئے مدرسے سے آئے تھے وہ میرے پہنچنے سے پہلے اندر داخل ہو چکے تھے۔ میں نے تلاش بھی کیا کہ واقفین میں سے کوئی ملے تو اس سے پلیٹ فارم کے لئے پیسے قرض لے لوں مگر اتفاق سے کوئی نہ ملا سب اندر جا چکے تھے۔

میں دوڑا ہوا کھڑکی پر گیا اور بابو سے کہا کہ میری جیب میں اس وقت پیسے نہیں، ساتھی اندر پہنچ چکے گاڑی آنے والی ہے۔ اگر آپ پلیٹ فارم ٹکٹ اُدھار دے سکتے ہوں تو دے دیں۔ اس بیچارے نے فوراً مجھے پلیٹ فارم ٹکٹ دے دیا۔ میں اندر چلا گیا وہاں پہنچ کر اپنے احباب میں پہلے مولانا منظور احمد خان صاحب مدرسِ مدرسہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ چار پیسے جیب میں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بہت۔ میں نے کہا آپ کو تکلیف تو ہوگی آپ بابو صاحب کو چار پیسے دے آئیں اور ان کو شکریہ بھی ادا کر دیں۔ میں پلیٹ فارم اُدھار لے کر آیا ہوں۔

مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا آپ کیوں میرا مذاق اُڑاتے ہو، پلیٹ فارم بھی قرض مل سکتا ہے۔ میں نے کہا ملاتو نہیں کرتا لیکن جس کا سارا کاروبار قرض پر چلتا ہو اس کو مل جاتا ہے۔ بہر حال وہ میرے کہنے پر گئے اور جا کر پوچھا کہ ابھی کوئی صاحب ٹکٹ اُدھار لے گئے ہیں اس نے کہا ہاں! مولوی صاحب نے پوچھا پلیٹ فارم قرض بھی مل سکتا ہے اس نے کہا ملتا تو نہیں مگر ان مولوی صاحب کی صورت کہہ رہی تھی کہ وہ دھوکہ نہیں دے رہے ہیں۔

صلحاء کی صورت اختیار کرنے میں بھی فائدہ ہے

میرے دوستو! کہنا نہ چاہئے مگر کہہ رہا ہوں۔ دیکھو ہم سچے تو ہیں نہیں مگر سچوں کی شکل ہی بنالیں، اپنے اسلاف کی نقالی ہی کرلیں اللہ نواز دے گا، محروم نہ رکھے گا۔ دیکھو فرعون کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جتنے ساحر آئے تھے وہ موسیٰ کے لباس میں آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس مشابہت کی وجہ سے نواز دیا۔

فرمایا: ایک قصہ اور یاد آیا۔ ایک مرتبہ میں دہلی گیا۔ اسٹیشن پر جب پہنچا تو گرمی شدید تھی، پیاس شدت کی لگ رہی تھی۔ اسٹیشن پر دیکھا ایک سکھ کی دوکان جس پر سوڈا لیمن وغیرہ رکھا ہوا نظر آیا میں اس کی دوکان پر پہنچا کہ ایک بوتل لیمن کی دیجئے۔ اس سکھ دوکاندار نے کہا آگے جایئے، آگے جایئے۔ میں نے اس سے کہا پیاس بہت لگ رہی ہے، پیسے بھی دے رہا ہوں اس پر بھی یہی کہا چلو چلو۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ مسلمان سمجھ کر نہیں دے رہا ہے، متعصب ہے۔

جب اسٹیشن سے میں باہر آ گیا تو ایک صاحب ملے میں نے ان سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور یہ کہ وہ سکھ بڑا متعصب نکلا۔ اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ اچھا ہوا۔ ارے بھائی وہ تو شراب کی دوکان تھی، شراب ہی کی تو بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے تم کو بھلا آدمی سمجھ کر نہیں دی کہ تم کیا کرو گے اس کو لے کر۔ میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے مجھے اس بلا سے بچالیا۔ تو دوستو! صورت بنالو، اللہ تعالیٰ حفاظت بھی کرے گا اور ترقی بھی بہت ملے گی۔ بے ٹکٹ اندر بھی چلے گئے، سب ہی کچھ ہوا۔

عمل اور محنت کے بغیر چارۂ کار نہیں

میرے پیارو کچھ کرلو! "مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّيَالِيْ" کہ جو شخص کچھ بننا چاہے تو اس کو راتوں میں جاگنا پڑتا ہے۔

فرمایا: ایک شخص تھے جو کچھ روز حضرت رائپوری کی خدمت میں رہے، ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ ایک روز حضرت سے کہنے لگے کہ حضرت ذکر تو کرتا ہوں لیکن کچھ اثر محسوس نہیں ہو رہا۔ حضرت نے سُن کر فرمایا کہ پڑیا تو ہے نہیں جو گھول کر پلا دی جائے۔ کچھ کرنا تو پڑتا ہی ہے۔

اور بھائی! دیکھو کرنے والا محروم نہیں رہتا خواہ میں کتنا ہی نا اہل ہوں انشاء اللہ میری نا اہلیت مانع نہ ہوگی۔ میں کئی بار کہہ چکا کہ طلب پر ہی مبداء فیاض سے ملے گا۔

بہار میں تو سُنا ہے پیر صاحب گیارہ روپیہ وصول کر کے ایک رسید دیدیں اللہ کے نام، جبرائیل کے نام کہ ہم ان سے ٹیکس وصول کر چکے۔ اب نماز بھی معاف روزہ بھی معاف، کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ لوگ اس رسید کو اپنے کفن میں رکھوا دیں۔

بس مدار فضلِ خداوندی پر ہے۔ بعض لوگ بہت جلد کامیاب ہو جاتے ہیں اور بعضوں کو عرصہ گزر جاتا ہے مجاہدات کرتے کرتے لیکن پھر بھی مرشد کی طرف سے اجازت نہیں ملتی۔ بعض لوگوں کے لئے یہ بات ناگوار بھی گزرتی ہے۔ میرے پیارو! اندرون کی صفات پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

اسمِ اعظم سیکھنے والے کا قصہ

ایک شخص تھے، وہ ایک بزرگ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ حضور آپ کو اسمِ اعظم معلوم ہے، مجھے بھی بتا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے اندر اس کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ اصرار کرنے لگے کہ حضور بتا ہی دیجئے میں انشاء اللہ اس کی سب شرائط پوری کروں گا۔ انہوں نے اس شخص کا امتحان لیا اور کہا کہ اچھا جاؤ فلاں مقام پر جا کر بیٹھ جاؤ، وہاں ایک لکڑہارا ہے اس کے پاس جا کر دیکھو وہ کیا کرتا ہے۔

اس شخص نے وہاں جا کر دیکھا کہ بہت ہی ضعیف آدمی لکڑیاں کندھے پر اُٹھائے

لا رہا ہے۔ اتنے میں ایک سپاہی نے آ کر اس بوڑھے آدمی کو دو تین بید رسید کئے۔ بوڑھا بلبلا اُٹھا۔ پھر سپاہی نے اس کو دو چار گالی بک کر کہا کہ چل ان لکڑیوں کو میرے گھر ڈال کے آ۔ وہ بوڑھا کہتا رہا حضور غریب ہوں جنگل کی لکڑیاں فروخت کر کے گزارا کرتا ہوں مگر اس سپاہی ظالم نے اس کی ایک نہ سُنی اور بوڑھے پر لکڑیاں لاد کر اپنے گھر لے گیا۔

اب یہ شخص جس کو ان بزرگ نے کہا تھا کہ فلاں لکڑہارے کو جا کر دیکھو کیا کرتا ہے۔ یہ انتہائی پیچ و تاب کے عالم میں، کاش مجھے اسم اعظم معلوم ہوتا تو ابھی اس سپاہی کو مزہ چکھا دیتا۔ غرض یہ تمام حال دیکھ کر وہ شخص ان بزرگ کی خدمت میں واپس آیا اور انتہائی غصہ میں کہا کہ اگر میرا بس چلتا تو ظالم سپاہی کو آج ہی نمٹا دیتا۔ اس پر ان بزرگ نے اس شخص سے کہا، ارے اسمِ اعظم تو میں نے اس بوڑھے سے ہی سیکھا ہے وہ ہی اس میں میرا اُستاذ ہے۔

پیارو! ضبط کی ضرورت ہے، لے لو وصول کر لو مالک سے جو کچھ مانگنا ہے۔

ریاضات ومجاہدات کا ایک مختصر سا بدل

ارشاد فرمایا! اب تو مجاہدوں کے لئے کوئی کہتا نہیں۔ پہلے اپنی جوانی میں ہم نے بہت مجاہدہ کرنے والوں کو دیکھا۔ بس اب تو توجہ قلبی کی قوت کو بڑھاؤ، دل کو کسی طرف متوجہ نہ کرو، اپنے قلب کی حفاظت کرو۔

دوستو! رمضان ختم ہو رہا ہے، دیکھو تین راتیں رہ گئی ہیں۔ ایک بات شروع رمضان میں کہی تھی کہ نسبت کی چار قسمیں ہیں، انعکاسی، القائی، اصلاحی، اتحادی۔ ماحول کا اثر بہت عجیب پڑتا ہے۔ آدمی اگر شوق و رغبت کے ساتھ ایسے ماحول میں ذکر کرے تو پھر انعکاسی بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے، اس پر اجازت نہیں ملتی۔ بعض حضرات نے دی ہے لیکن ایسے سالکین کو جو اپنے شیخ سے دور ملک میں رہتے ہیں۔ ماحول پیدا کرو دینداروں کا، دین کی باتوں کا تذکرہ کر لیا کرو (اپنے گھروں میں مجالس میں)۔ یہ بھی بہت مفید ہے اور اس میں کامیابی کی توقع ہے۔ اب چونکہ وقت ختم ہو رہا ہے (زمانہ نبوت سے بعد ہوتا جا رہا ہے) اور سلوک جا رہا ہے لیکن کوشش سے پکڑیں گے تو کچھ ملے گا۔ جن کو میں نے اجازت دی ہے وہ بھی سُن لیں اس کی مثال بالکل سند جیسی ہے۔

اخلاق اور نسبت کا درجہ

دوسری بات یہ ہے کہ نسبت الگ ہے اور اخلاق الگ ہیں۔نسبت خاص تعلق مع اللہ ہے۔جتنا بڑھاؤ گے بڑھے گا،گھٹاؤ گے گھٹے گا۔اور ایک ہیں اخلاق،اخلاق کا تعلق حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہے کہ آپ کے خصائل اور شمائل کے اتباع کا نام اخلاق ہے۔حضرت نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا:

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

دیکھو پیارو! مجاہدہ سے آئے گا،اپنا اپنا کرنے سے آئے گا،کسی کی حضرت کی دعا سے نہیں ہوگا۔ہاں!اضطراری دعا یا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ''مغبر اشعث'' قسم کھالے تو ویسا کر دیتے ہیں اور جو اپنے کو بڑا سمجھ کر کہہ دے کہ یوں ہوگا تو یہ کچھ نہیں۔ مجھے دونوں کا تجربہ ہے۔میں بیعت کرانے کو اپنے لئے ناجائز سمجھتا ہوں،میں اس قابل نہیں ہوں لیکن حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے سے کر رہا ہوں اور جب کئی بار اس کو میں نے حضرت سے کہا تو ناراض ہو گئے۔میں نے حضرت رائپوری سے بھی کہا تھا اور خطوط بھی لکھے تھے۔

معمولات کی پابندی

فرمایا:ایک اہم بات یہ ہے کہ ذکر اور معمولات کا بہت اہتمام رکھا جائے۔میں نے حضرت مدنی اور اپنے چچا جان کو اخیر عمر تک ذکر کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا۔میں نے اپنے والد صاحب اور حضرت مدنی دونوں کو اخیر شب میں تنہائی میں روتے اور گڑگڑاتے ہوئے دیکھا۔یہ دونوں بالکل ایسا روتے تھے جیسا مکتب میں بچہ پٹ رہا ہو۔

فرمایا:اُنتیس کی رات اور دن کو تو رو کر گزارو(چونکہ عید قریب تھی غالباً اسی مناسبت سے حضرت نے مجلس میں آنے والا قصہ سُنایا)۔فرمایا ہمارے ایک استاذ تھے حافظ منگتو۔ان کے یہاں چھٹی تو گویا ہوتی ہی نہیں تھی۔عید کو بھی اگر ان کی طبیعت چاہتی تو اپنے شاگردوں میں سے بعض خواص کو سبق کے لئے بلا لیتے تھے۔

حضرت کے اُستاذ قرآن حافظ منگتو صاحب کا ذکرِ خیر

یہ حافظ صاحب جن کا نام رحیم بخش اور عرف حافظ منگتو صاحب تھا۔ میرے چچا جان نوراللہ مرقدہ اور ان کے معاصرین اور ان سے چھوٹی پیڑی میرے بعد تک کی سارے ہی حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ قوم کے نیل گر تھے، بہت ہی بزرگ اور نیک تھے، اپنے محلہ کی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھتے ہوئے کاندھلہ کے مشہور مدرسہ قرآنیہ میں تشریف لاتے جو جامع مسجد کے بالکل مقابل تھا۔ آتے ہی پہلے جامع مسجد میں تشریف لے جاتے، اشراق کی نماز پڑھتے، نماز پڑھ کر مکتب میں آتے۔ ہم ان کے شاگرد جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جا کر پہلے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور حافظ صاحب کے نماز کا سلام پھیرتے ہی جونہی انہوں نے جوتے پہننے شروع کئے تو دو تین لڑکے یکدم سبق سُنانا شروع کر دیتے تھے۔ حافظ صاحب مرحوم جو لڑکا پہلے بسم اللہ کر دیتا اس کا سُنتے باقی کو کہہ دیتے کہ ''چشت'' جو ہمارے ہاں ڈانٹ کا ایک فقرہ ہے۔

حافظ صاحب کو میرے دادا صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس مدرسہ میں دو روپیہ ماہوار مدرس رکھا تھا اور ہوتے ہوتے سات روپیہ ہو گئے تھے۔ ہمارے کاندھلہ کے اکابر جب علیگڑھ سے وابستہ ہوئے تو انہوں نے بہت ہی کوشش کی کہ حافظ صاحب کو وہاں کالج میں قرآن کا مدرس بنا کر چالیس پچاس حتیٰ کہ اگر سو تک راضی ہو جائیں تو بلالیا جائے، جب کہ حافظ صاحب کا کاندھلہ میں صرف سات روپیہ ملتے تھے تو حافظ صاحب نے علی گڑھ جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایسے شخص کا بٹھایا ہوا ہوں کہ سات سو روپیہ پر بھی نہیں جا سکتا۔

حافظ صاحب کا معمول تھا کہ گیارہ بجے کے قریب مدرسہ سے اُٹھ کر چاشت کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد تشریف لاتے۔ **یغفر اللہ لنا و له**

حصہ دوم

مجالس رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

جمع کردہ

حضرت مولانا ہاشم جوگواڑی

خلیفہ مجاز حضرت شیخ قدس سرہ

نظر ثانی

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب

صدر المدرسین جامع مظاہر علوم سہارنپور

وہی ایک بات جو سو بار گزری ہو نگاہوں سے
زبانِ شیخ پر آ کر نئی معلوم ہوتی ہے

حضرت شیخ کا یکسوئی کا رمضان

ارشاد فرمایا: مجھے تو اپنا پرانا رمضان المبارک بہت یاد آتا ہے۔ حکیم طیب رامپوری کا مقولہ میں بار بار سناتا ہوں کہ رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے مگر یوں بخار کی طرح نہیں آتا۔

اس وقت دو چار آدمی (میرے پاس ماہ مبارک گزارنے کی نیت سے) مدرسہ قدیم میں آتے تھے اور بس! عصر کے بعد حافظ محمد حسین صاحب کو پارہ سنانے کا معمول تھا، تراویح کے بعد ایک گھنٹہ دوستوں کے لئے تخلیہ کا ہوتا تھا۔

میرے پیارو! یہ میں نے اس لئے نہیں سنایا کہ تم خوش ہو جاؤ، بلکہ اس لئے سنایا کہ تم لوگ کچھ کرلو، بزرگوں کا مقولہ ہے ''جو ہماری ابتداء دیکھے وہ کامیاب اور جو ہماری انتہاء دیکھے وہ ناکام ہے''۔ اس لئے بزرگوں کے یہاں ابتداء میں مجاہدے ہوا کرتے تھے اور انتہاء میں فتوحات ہوتی ہیں۔

میرے دوستو! کچھ کرنے ہی سے ہوتا ہے جو ابتداء میں ہی پیر بننے کی ٹھان لیتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوتے۔

میں ایک قصہ سناؤں، ایک لونڈا کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں دیکھا ایک گرو ہے اور اس کے چیلے اس کی بہت خدمت کر رہے ہیں۔ اس نے سوچا کہ یہ خدمت کرنا تو میرے بس کا نہیں ہے، لہٰذا کہنے لگا آیا تو میں چیلہ بننے مگر اب تو مجھے گرو ہی بنا دو، بہت مزے رہتے ہیں۔

پیارو! محنت مجاہدہ سے کچھ ہوتا ہے، جوانی کے زمانہ میں کچھ کرلو، ورنہ بڑھاپے میں افسوس ہی افسوس کرنا ہوگا۔

وقت کی صحیح قدردانی

میرے پیارو! میں ہر سال بار بار کہے جاؤں کہ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ خالی اوقات میں قرآن پاک کی تلاوت کرو، جو حافظ ہیں وہ نوافل میں قرآن پاک سنایا کریں۔

مجھے تو اپنے گھر کی بچیوں پر ترس آتا ہے کہ وہ رات بھر تلاوت میں، نوافل میں قرآن پاک سُننے میں گزارتی ہیں۔ جب دن میں سونے کا وقت ہوتا ہے تو بچے جاگ جاتے ہیں اور انھیں خوب دق کرتے ہیں اور سونے نہیں دیتے۔ خانگی کاروبار کے ساتھ پندرہ بیس پارے روزانہ بے تکلف پورا کرلیتی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت سے قبول فرمائے اور زیادتی کی توفیق عطا فرمائے۔

تمہارے لئے تو بہت آسانیاں ہیں۔ کھانا پینا بقدر ضرورت مل جاتا ہے، کھانے کے بعد چائے، سحری میں چائے مل جاتی ہے، تمہاری وجہ سے بہت سوں کو ظہر کے بعد انتظام میں لگنا پڑتا ہے۔

میرے پیارو! تم اپنے وقت کی قدر کرلو، باتیں بالکل نہ کرو۔ ہم سب کی نیت یہ ہو کہ دنیا میں جتنے دین کے شعبے چل رہے ہیں سب کو اللہ جل شانہٗ، پروان چڑھائے، مساجد کے لئے، مدارس کے لئے مراکز کیلئے جتنی دعائیں کروگے اتنی ہی ترقی ہوگی، اتنا ہی آپ کو ثواب ملے گا۔ تمہارا سارے کاموں میں لگنا تو مشکل ہے۔ ہاں! دعا سے ضرور شرکت ہوسکتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: انما الاعمال بالنیات ایک عمل میں جتنی نیت کرلو گے سب کا ثواب ملے گا۔

موت کی یاد

دیکھو بھائیو! ابھی آپ نے جس شخص کے جنازے کی نماز مغرب کے بعد پڑھی وہ تم میں سے ایک شخص تھا۔ مولانا عبید اللہ کا خادم خاص تھا، وہ آج تم میں نہیں ہے۔

میرے پیارو! ہمارا بھی ایک دن یہی وقت ہوگا۔ ہم پر وہاں کیا گزرے گی وہ ہمیں معلوم نہیں۔ میرا ایک رسالہ ہے ''موت کی یاد'' اس کو اہتمام سے دیکھتے رہا کرو۔ اس میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے سامنے ایک جنازہ جارہا تھا، کسی نے ان سے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ تمہارا جنازہ ہے۔ اگر تمہیں یہ جواب بُرا معلوم ہو تو یہ میرا جنازہ ہے۔ تم اپنے آپ کو سوچا کرو۔ ایک دن میرا بھی یہی حشر ہوگا۔ معلوم نہیں کہ سعادت کا دروازہ کھلے یا شقاوت کا۔ میں نے ''موت کی یاد'' میں کثرت سے قصے لکھے ہیں، بہت اہتمام سے پڑھا کرو۔

میرے پیارو! موت کو کثرت سے یاد رکھا کرو۔ سب کو مرنا ہے، جب کوئی جنازہ گزرے تو سوچا کرو کہ یہ میرا جنازہ ہے۔ بھائی جتنا ہو سکے درود شریف کثرت سے پڑھا کرو۔

دوستو! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں مدینہ جا سکوں گا یا نہیں۔ حالات آپ دیکھ رہے ہیں کسی کی زندگی کا اعتبار نہیں۔ میری بات مان لو اور جو مشائخ زندہ ہیں ان کی طرف رجوع کرلو ورنہ پھر تم کہو گے کہ ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ خدا کرے میں زندہ سلامت مدینہ منورہ پہنچ جاؤں، اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرلو۔ ۱۳۸۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں اسٹرائک کا سال ہے۔ ایک اسٹرائیکی طالبعلم نے جو اسٹرائکی طلباء میں پیش پیش اور ممتاز تھا، ایک جواب سکھلایا ہے۔ اس نے کسی بھی نیت سے کہا ہو، مگر میں نے اس کا جملہ اس وقت سے پکڑ رکھا ہے کہ ''دنیا میں مشائخ کی کمی نہیں، اور مجھ سے زیادہ نالائق کوئی نہیں۔

شیخ کی حیثیت نل کی سی ہے

بھائی تم لوگوں نے عصر سے مغرب تک بزرگوں کے متعلق جو مضمون سنا بہت اہم ہے، مگر میں ان مشائخ میں سے نہیں ہوں۔ مگر مالک کا معاملہ یہ ہے کہ جو کچھ فیض پہنچتا ہے وہ مشائخ کے ذریعہ سے ہی پہنچتا ہے، اس میں پیر کے نااہل ہونے کو دخل نہیں ہوتا۔ مالک دینا چاہے تو کون روکنے والا ہے؟ باقی وہ طلب ہی سے دیتے ہیں۔

میرے پیارو! براہِ راست مالک سے جتنی لو لگاؤ گے کامیاب ہو جاؤ گے۔ مالک سے مانگو، رو رو کر مانگ لو۔ میرے حضرت نے کئی دفعہ مجھ سے فرمایا، میں کچھ نہیں ہوں، میری مثال نل کی سی ہے، جتنا زور سے کھینچو گے اتنا ہی مبداء فیاض سے آئے گا۔ اپنے آپ کو دل سے حقیر سمجھو۔ یہ نہ ہو کہ زبان سے حقیر فقیر کہو اور دل میں بڑائی ہو۔

میرے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو اہل سمجھا اس نے تو سب کچھ کھو دیا جو کچھ مالک کی طرف سے عطائیں ہو رہی ہیں سب بلا استحقاق ہو رہی ہیں۔

مدرسہ کے مال میں احتیاط

بھائی! ایک بات غور سے سنو! جو بات بچپن میں ذہن میں بیٹھ جاتی ہے وہ کبھی نکلتی

نہیں۔ سانپ کو کسی نے کاٹتے ہوئے نہیں دیکھا، پھر بھی بچپن میں ایک بات ذہن میں بیٹھ گئی ہے اس لئے اس کا ڈر دل میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایسے ہی شیر ہے، جن ہے، بھوت ہے۔ ان میں سے کسی سے واسطہ پڑے یا نہ پڑے مگر بچپن سے ایک بات بیٹھ گئی ہے، اس لئے ان کا ڈر لگا رہتا ہے۔ میرے بڑوں کی تربیت سے ایک بات ذہن میں بیٹھی ہوئی ہے۔ تم میں بہت سے مہتمم، مدرس ہوں گے۔

اس لئے میرے پیارو ایک بات سن لو! بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنی مدرسہ کی سرپرستی سے ڈر لگتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں لگتا۔ کوئی آدمی کسی کے یہاں ملازم ہو، کوتاہی کرے، خیانت کرے، اگر اپنے مالک سے معاف کروالے معاف ہو جائے گا۔ مدرسہ کے مال کے ہم مالک نہیں ہیں بلکہ امین ہیں۔ لہٰذا ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ تم مدرسہ والے ہو، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مدرسہ کے معاملہ میں بہت زیادہ احتیاط رکھیو۔

فرمایا: میں ایک دفعہ پاکستان گیا تھا۔ اس وقت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ آپ کا وہ مضمون جو آپ بیتی میں ہے جس میں مدرسہ کے مال میں احتیاط کے بارے میں اکابرین کا معمول لکھا ہے وہ میں نے اساتذہ اور ملازمین کو بہت اہتمام سے سنوایا۔ سب پر بہت اثر ہوا، اللہ جل شانہ اس کو نافع بنائے۔

مدرسہ کے معاملات میں سفارش

اسی طرح میں مدرسہ کے معاملات میں سفارش کا بہت زیادہ مخالف ہوں۔ میں نے کبھی اپنے تعلقات کے زور میں خواص میں سے کسی کی بھی سفارش نہیں کی۔ بلکہ جس کسی ایسے شخص کا مدرسہ سے کھانا بند ہو جاتا تھا میں اس کا کھانا اپنی طرف سے اپنے پیسے سے جاری کرادیتا تھا۔ چنانچہ تقریباً ہر مہینہ کے ختم پر بہت سے طلبہ کے کھانے کے پیسے مجھے مدرسہ میں جمع کرنے پڑتے تھے مگر اب طلبہ کی اسٹرائک نے مجھے بہت تنگدل کر دیا۔

میرے پیارو! تم یہ نہ دیکھو کہ لوگ کیا کہیں گے، بلکہ اللہ کی رضا کے لئے عمل کرتے رہو۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

پیارو! جتنا ہو سکے مالک سے مانگو، لوگوں کی پرواہ نہ کرو۔ میرے ایک عزیز نے میرے سلام کا جواب دینا چھوڑ دیا تھا کہ اس نے عزت کی روزی چھوڑ دی اور زکوٰۃ کے ٹکڑوں پر پڑ گیا ہے۔ اللہ کے ساتھ معاملہ صاف رکھو۔ دوستو! یہ سارا بیت المال ہے، وقف کا مال اللہ کا مال ہے، اوقاف کے مال میں پوری احتیاط رکھو۔

کام کرنے سے ہی ہوتا ہے

میرے پیارو! رمضان کا ایک تہائی کے قریب حصہ گزر گیا جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ معلوم نہیں اگلا رمضان کس کے پاس آوے، کس کے پاس نہ آوے۔ جو کچھ وصول کرنا ہے وصول کرلو۔ کرنے ہی سے ہوتا ہے، بغیر کئے کچھ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گئے۔ دو دن کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے یہاں تو بہت چکی پیسنی پڑتی ہے۔ یہ جملہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی نے نقل کر دیا۔ حضرت نے فرمایا: ہم نے بھی چکی پیسی ہے اور ہم لوگوں کو بھی چکی پیسنے کو بتاتے ہیں۔ اگر کسی جگہ تیار بنی بنائی پڑیا ملجاوے تو وہاں چلے جاؤ۔

اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی

ایک دفعہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو جذبہ پیدا ہوا۔ کلیر شریف پیرانِ پیر کے یہاں تشریف لے گئے چلہ کے لئے۔ تین روز تک مزار شریف پر بیٹھ کر مراقبہ کرتے رہے۔ وہاں سے یہی جواب ملتا رہا اپنی اپنی کرنی، اپنی اپنی بھرنی۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم تو اس لئے حاضر ہوئے تھے کہ یہاں سے کچھ لے کر جائیں گے مگر جب یہ بات ہے تو ہم بھی اپنے حجرے میں کواڑ بند کر کے کچھ اپنا کرتے رہیں گے اور واپس تشریف لے آئے۔

ہمارے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھویں دن فرما دیا تھا کہ ہمیں جو کچھ دینا تھا وہ دے دیا اب اس کو آگے بڑھانا تمہارا کام ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت نے کیا دیا۔ پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ کیا دیا۔

بغیر محنت و مشقت کوئی کام نہیں ہو سکتا

دنیا کا کوئی کام بھی ہو بغیر محنت، مشقت کے نہیں ہو سکتا۔ تجارت ہو، زراعت ہو سب میں پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح دین کا کام بھی بغیر مشقت کے نہیں ہو سکتا۔ مگر دونوں میں فرق ہے۔ دنیا تو کبھی ملتی ہے کبھی نہیں ملتی مگر دین کے کام میں ایسا نہیں۔ بلکہ وہاں ہر حال میں اجر ہے۔ بہت سے لوگ دنیاوی تعلیم کی ڈگریاں حاصل کر کے گھومتے پھرتے ہیں مگر ملازمت نہیں ملتی۔ یہی حال تجارت کا ہے۔ دین کے بارے میں مجاہدہ بیکار نہیں جاتا۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

میرے پیارو! اللہ کا نام لئے جاؤ، مرنے کے بعد یہی کام آوے گا۔ میرے پیارو! کہنا مانو پھر کوئی تم کو کہنے والا نہیں رہے گا۔ جب مرنے والا مرتا ہے تو یہاں والے تو یوں کہتے ہیں کہ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا اور وہاں والے پوچھتے ہیں کہ کیا لایا۔ لہٰذا جو کچھ تمہارے پاس ہے وہاں کے لئے بھیج دو۔ اپنی ضرورت کے واسطے بقدرِ ضرورت رکھو۔ وہاں تو اپنی اپنی بھرنی ہے اور اہل وعیال دو روز روئیں گے اور اس کے بعد کوئی نہیں روئے گا۔ تعزیت کرنے والے جھوٹے دو آنسو بہالیں گے، ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔

خاموش مجلس اور اس کا فائدہ

فرمایا، اکابر کے یہاں بہت سے جگہ دستور دیکھا نہ بولنے کا۔ چچا جان مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں بھی ایک دور تھا نہ بولنے کا۔ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے یہاں عصر کے بعد مجلس ہوتی تھی، پانچ سات آدمی ہوتے تھے سب چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے۔ کسی نے کوئی بات پوچھی، حضرت نور اللہ مرقدہ نے جواب مرحمت فرمادیا ورنہ خاموش مجلس رہتی۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے پاس رمضان گذارنے کا بہت دفعہ اشارہ فرمایا مگر صراحۃً نہیں فرمایا۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۴ھ تک رمضان حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے پاس گذارے۔ تقریریں وغیرہ نہیں ہوا کرتی تھیں مگر بس اندر ہی میں بیٹھ جاوے تھا۔

فرمایا! پہلے زمانہ میں جب گرمی کا رمضان ہوا کرتا تھا۔ میں رات بھر تراویح کے پارے پڑھتا تھا اور نفلوں میں بھی انہی کو پڑھا کرتا تھا۔ البتہ میری کوشش یہ ہوا کرتی کہ دن رات میں مجموعہ مل کر تیس پارے پورے ہو جاویں۔ اس زمانہ میں سہارنپور میں فقیروں کا دستور تھا کہ سوال کے وقت زور زور سے اچھی اچھی لَے (آواز) لگایا کرتے تھے اور میں اوپر اپنی تصنیف گاہ میں بیٹھا سنا کرتا تھا۔ وہ کبھی کہتے "دھن لگی بابا دھن، دھن لگی بابا دھن"۔ اور کہتے "ہاتھوں سے کام کرو، دل سے پڑھو"۔

میرے پیارے دوستو! ہم تو ختم ہو گئے تمہارا زمانہ کچھ کرنے کا ہے۔ اندر سے غافل نہ رہو۔

از دروں شو آشنا و زبروں بیگانہ شو
ایں چنیں زیبا روش کم تر بودا ندر جہاں

موازنہ کریں کہ پہلے رمضان میں اور اس رمضان میں کیا فرق؟

پہلے رمضان میں اور اس رمضان میں کیا فرق ہوا؟ کیا اس رمضان میں باتیں کم ہو گئیں، نوافل شروع ہو گئیں، راتوں کو زیادہ جاگتے ہیں؟ پہلے تو لوگ کھانا پینا زیادہ اہم نہیں سمجھتے تھے، جتنا کھالیا اللہ کا احسان۔ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان میں کھانے کا انتظام نہیں ہوا کرتا تھا، ہر ایک اپنا اپنا کھاتا تھا۔ جب سحری کا وقت ہوتا، اخیر وقت میں اپنے توشہ دان سے اپنا اپنا کھانا کھالیا۔ چائے پینی ہوئی تو اپنا اپنا تھرماس رکھ لیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اسی طرح کا معمول تھا۔ ہمارے یہاں اللہ تعالیٰ نے مہمانوں کو کھانے پینے کی ضروریات سے بے فکر کر رکھا ہے تا کہ رمضان کو زیادہ وصول کریں۔ منتظمین حضرات مہمانوں کے کھانے پینے کے نظم میں رہتے ہیں۔ ان کو زیادہ ثواب ملتا ہے اس لئے کہ مہمانوں کے واسطے اپنا سب کچھ قربان کرتے ہیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب کئی گھنٹے چائے پلانے میں خرچ کرتے ہیں۔ ننھے میاں (حضرت کے ایک خادم باورچی) بے چارے چوبیس گھنٹے کھانے پکانے کے نظم میں مشغول رہتے ہیں۔

میرے پیارو! تم اپنا رمضان یکسوئی سے گزارو۔ مہینہ بھر کچھ ہمت کرلو۔ روزانہ اعلان ہوتا ہے کہ اپنا وقت ضائع نہ کرو، کیا اس اعلان کا اثر نہیں ہوتا؟

تم دوستو کی دعا سے الحمد للہ آج طبیعت بہت اچھی ہے۔ البتہ دورانِ سر (سر کے چکر) آتے رہتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ شب میں دوستوں کے قرآن پاک کو سنتا رہتا ہوں۔ (اس موقع پر حضرت نے ایک شعر بھی پڑھا)

دل ڈھونڈنا سینے میں میرے بو العجبی ہے
یاں راکھ کا اک ڈھیر ہے اور آگ دبی ہے

اپنے اپنے سامان کی حفاظت خود کریں

بھائی پیارو! اپنے اپنے سامان کی خود حفاظت کرو۔ قیمتی سامان ہو تو معتبر آدمی کے پاس رکھ دو۔ ہماری یہاں جگہ کافی ہے چوری سے حفاظت کے لئے۔

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ یہ بعض طلبہ چوری کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ طلبہ چوری نہیں کرتے، چور پڑھنے آجاتے ہیں۔

اب سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے کا بڑا عجیب قصہ ہے۔ ایک ڈاکو نظام الدین تبلیغی مرکز پر آیا۔ دو تین روز وہاں رہا۔ بمبئی جا کر ڈاکوؤں سے کہا بہت اچھی جگہ ہے کوئی سامان کی حفاظت نہیں کرتا، سب نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں جتنا چاہے سامان لے لو۔ بھائی سب لوگ نیکی کمانے نہیں آتے، چوری کرنے بھی آتے ہیں اس لئے اپنے سامان کی نگرانی رکھا کرو۔

بزرگوں کی یاد

میرے پیارو! محض قصوں سے کچھ نہیں ہوتا، کرنے سے ہوتا ہے۔ قصے تو ان آنکھوں نے بہت دیکھے اور مشائخ کے دور بھی بہت دیکھے ہیں۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا دور بھی دیکھا ہے۔ اس وقت میری عمر ڈھائی برس کی تھی جب گنگوہ پہلی حاضری ہوئی تھی اور جب حضرت کا انتقال ہوا اس وقت میری عمر آٹھ برس کی تھی۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ جب مکان سے کھانا کھانے کے بعد خانقاہ تشریف لاتے تو ایک سناٹا ہو جاتا تھا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کی زیارت اس ناکارہ کو پہلی بار گنگوہ میں ہوئی۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کی کمر پر پٹکا بندھا ہوتا تھا جیسا کہ حجاج اکثر باندھ لیتے ہیں اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔

ارشاد فرمایا! حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ دستار بندی کا جلسہ کیجئے۔ حضرت انکار فرماتے رہے کئی دفعہ لوگوں نے تقاضہ کیا تو فرمایا یہ جلسہ ہمارے بس کا نہیں ہے۔ جلسہ تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بس کا تھا کہ انتظام تو ہے تین ہزار کا اور آجاویں بیس ہزار آدمی۔ اور تین ہزار کا کھانا بیس ہزار کو کافی ہو جاوے۔

تقلیل طعام اور اس کے چند واقعات

فرمایا! ایک محدث کے متعلق مشہور ہے کہ وہ چالیس دن میں ایک بادام کھایا کرتے تھے۔ ان کو ضعف نہیں ہوتا تھا اور ہم پیٹ بھر کر کھا کر بیمار ہو جاتے ہیں۔ اکثر بیماریاں زیادہ کھانے سے ہوا کرتی ہیں۔

پیارو! میں تمہیں نہیں کہتا کہ کھانا چھوڑ دو، بالکل نہ چھوڑو، بالکل نہ چھوڑیو کہ ہمارے قویٰ کمزور ہیں کھانا چھوڑنے کا ہم میں تحمل نہیں۔

میرا شام کا کھانا پچاس ساٹھ سال سے چھوٹا ہوا ہے۔ البتہ حجاز میں رات کو کھانا کھاتا ہوں، دن میں نہیں۔

کانپور کے ایک صاحب میرے یہاں آئے، پندرہ بیس دن رہے۔ وہ یہ دیکھ کر گئے کہ میں شام کو کھانا نہیں کھاتا۔ انہوں نے کانپور پہنچ کر شام کا کھانا چھوڑ دیا۔ میرے پاس ان کا لمبا چوڑا خط آیا کہ میں نے شام کا کھانا چھوڑ دیا، بڑا ہی لطف آتا ہے۔ میں نے ڈانٹ کا خط لکھا کہ شام کا کھانا ہرگز نہ چھوڑو۔ پھر بعد میں ان کا خط آیا کہ ضعف ہو گیا۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ ایسی بات کا (جس میں تحمل نہ ہو سکے) اتباع نہ کیجیو۔

اکابر ثلاثہ (حضرت مدنی، حضرت رائپوری، چچا جان نور اللہ مراقدہم) میں سے کوئی اگر مہمان ہوتا تو میں ان کے ساتھ شام کے کھانے میں ضرور شریک ہوتا اور کوئی گرانی نہیں ہوتی تھی۔ میرے چچا جان کا قصہ ہے، انہوں نے ایک مرتبہ اس ناکارہ کو لکھا کہ

فلاں صاحب کو تعویذ دے دیں اور مغرب کے بعد اپنے بیمار کو آپ کے پاس لا کر وہ آپ سے فلاں دعا دم کرا لیا کریں اور اس پر اگر وہ مریض اچھا نہ ہو تو پھر اس کا مر جانا ہی بہتر ہے۔ وہ چند روز میرے پاس آتا رہا اور مجھ سے دم کراتا رہا، چنانچہ وہ اچھا ہو گیا۔

حاجی عبد الرحمن نو مسلم

فرمایا! ایک حاجی عبد الرحمن صاحب تھے جو نو مسلم تھے۔ نظام الدین میں ان کا قیام تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ پر کئی سو اشخاص کو مسلمان کیا۔ میرے چچا جان کے انتقال کے بعد حاجی عبد الرحمن صاحب کا بہت اہتمام تھا کہ سورۃ یٰسین شریف دو رکعت میں پڑھ کر چچا جان کو بخشتے تھے۔ ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ چچا جان فرما رہے ہیں کہ مجھے بہت شرم آ رہی ہے کہ مجھے آپ ثواب پہنچاؤ اور دوسرے مشائخ کو نہ پہنچاؤ، ان کو بھی بخشا کرو۔ کہا کہ مجھ سے سب کے لئے نہیں پڑھا جاتا۔

اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش

فرمایا! میرا جی یوں چاہے کہ اکابر کے حالات خوب نگاہ میں رہیں اور ان پر چلنے کی کوشش کریں کہ ان کی ہر چیز میں بہت ہی برکت ہے۔

میرے پیارو! ہم تو نمٹ لئے لیکن اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک دو نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں (جو کام کو سنبھال سکیں)۔ اکابر کے نمونے بڑے عجیب ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو لو اور نمونہ بناؤ۔

حضرت کے ایک پڑوسی کی موت کا واقعہ

فرمایا! میں ایک بات بہت سوچتا ہوں کہ موت سے ہر ایک کو سابقہ پڑتا ہے۔ پھر کیوں موت کو یاد نہیں رکھتے؟ آج عصر کے بعد ہمارے ایک پڑوسی کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ انہوں نے عصر کی نماز پڑھی اور تلاوت کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ انتقال ہو گیا۔ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا وقت ایک گھنٹہ کے بعد آئے یا کب آئے۔ مجھے تو بہت عبرت ہوتی ہے۔ مرحوم کا میرے چچا جان سے بیعت کا تعلق تھا۔

مدارس دینیہ میں صنعت وحرفت کے سلسلہ میں حضرت کا ذوق

میرا دستور محلہ والوں کے ساتھ شروع مدرسہ کے زمانہ میں یوں رہا ہے کہ ان میں جو عالم ہوں وہ ایک گھنٹہ محض اللہ کے واسطے (بلا تنخواہ) مدرسہ میں پڑھائے۔ اس سے اس کا علم تازہ رہے گا اور باقی وقت میں اپنا کام کرلے (تجارت مشغلہ وغیرہ)۔ ایسوں کو میں بھی مدرسہ میں ایک سبق دلوادیا کرتا تھا۔ اس مرحوم کے ساتھ بھی میں نے ایسا ہی کیا تھا۔

ہمارے مدرسہ کی ابتداء میں بعض لوگوں کا اس بات پر بہت زور تھا کہ مدرسہ میں صنعت وحرفت شروع کی جائے۔ لیکن میں اس کا ہمیشہ مخالف رہا کیونکہ صنعت وحرفت میں پیسے ملتے ہیں جس سے وہ پھر اسی کے ہوکر رہ جاتے ہیں اور علم سے دور ہوجاتے ہیں۔ اس مسئلہ میں میرا حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے بھی بڑا اختلاف رہا۔ میں بھی اس زمانہ میں دارالعلوم کی شوریٰ کا ممبر تھا۔ حضرت فرماتے تھے کہ مدرسہ میں صنعت وحرفت رکھنا چاہئے تاکہ طلبہ معاش سے پریشان نہ ہوں۔ میں یوں کہتا تھا کہ کام یوں چلنے کا نہیں۔ میں دو چیزوں کا ہمیشہ مخالف رہا ہوں، ایک مدارس کے لئے سرکاری امداد لینے کا، دوسرے مدرسہ میں صنعت وحرفت کا۔ ہمارے حضرت کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی بہت سے لوگوں نے حکومت سے امداد لینے کے لئے کہا میں انکار کردیتا تھا کہ امداد لینے کے بعد پھر ہم سے ان کی شرائط پوری نہ ہوں گی۔

طلباء کے لئے راحت وآرام نقصان دہ ہے

ایک دفعہ ہمارے مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ برما سے ایک معتد بہ رقم بجلی کے پنکھوں کے لئے لائے اور بہت شوق سے فرمایا کہ یہ رقم برما والوں کی طرف سے مدرسہ میں بجلی کے پنکھے لگانے کے لئے لایا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے دور میں تو لگیں گے نہیں۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ جب یہ طلبہ یہاں بجلی کے پنکھوں میں بیٹھ کر پڑھیں گے تو دیہات کے مکاتیب میں خدمت کے قابل نہ رہیں گے کیونکہ وہاں بجلی تو ہوتی نہیں۔ اور جب یہ بجلی کے پنکھے کے عادی ہوجائیں گے تو پھر ان سے وہاں نہیں پڑھایا جائے گا۔ برما والوں نے کہا کہ اگر پنکھے لگانے کی رائے نہیں ہے تو پھر وہ رقم واپس کردی جائے۔ اس پر میں نے کہا ضرور واپس کی جائے، بجلی کے پنکھے نہیں لگوانے ہیں۔

اہلِ دنیا کی باتوں کی طرف التفات نہ کیا جائے

دوستو! میں ایک بات کہتا ہوں اور کہنے میں جھجکتا نہیں ہوں۔ وہ یہ کہ تمہاری ایک بات پر مجھے خوب غصہ آتا ہے۔ وہ یہ کہ تم یوں کہتے ہو کہ اگر ہم نے فلاں کام اس طرح کیا تو لوگ اور دنیا دار ہمیں ذلیل سمجھیں گے۔ بڑھاپے میں تو غصہ ٹھنڈا ہو گیا جوانی میں خوب غصہ آتا تھا کہ دنیا دار ذلیل سمجھتے ہیں تو میں یوں کہا کرتا تھا کہ کتے بھونکیں بھونکنے دو۔

لوگ مجھے سمجھیں محروم و قار و تمکین

وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

میرے پیارو! ان دنیا داروں کی طرف التفات نہ کیا کرو۔ پاگل سمجھیں، برا سمجھیں۔ انبیاء کو بھی مجنوں کہا گیا، تمہارے بڑوں کو جو القاب ملے تمہیں مل رہے ہیں، پھر کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ کسی بات میں یہ نہ دیکھو دنیا دار کیا کہتے ہیں، اکابر کو اپنا نمونہ بناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سب چیزوں کے جامع تھے، البتہ بزرگوں میں مختلف رنگ ہیں۔ مجھے ان کی باتوں میں بہت لطف آتا ہے۔ دیکھو دار العلوم کی ابتداء چھتے کی مسجد سے ہوئی ہے جو ہمارے اکابر کا لگایا ہوا باغ ہے۔ ان اکابر کے اقوال تمہارے سامنے ہیں ان کو جتنے زور سے پکڑے رہو گے اتنی ہی نجات پاؤ گے۔

میرے پیارو! میری بات مان لو۔ اللہ جل شانہ کا بڑا احسان ہے کہ مجھے بچپن سے بڑوں کی باتوں میں لطف آتا ہے۔ ان کے تبرک بھی مجھے خوب ملے ہیں۔ جتنا ہو سکے کرتے رہو، اکابر کے نقشِ قدم پر اخیر تک چلتے رہو۔

فرمایا! معاصرین سے میری گفتگو ہوا کرتی، وہ کہتے کہ دنیا بہت آگے بڑھ گئی اس کو بھی تو دیکھو۔ ان میں سے ایک بزرگ سے میں نے یوں کہا تمہیں اپنے باپ کی زندگی بھی یاد ہے؟ کہا خوب یاد ہے۔ میں نے کہا تمہارے ابا ہوتے تو کیا یہاں ایسا ہی کرتے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا ہرگز نہیں۔

حضرت گنگوہی کا انصاف وحق پسندی

فرمایا (غالباً) بہاولپور میں ایک مناظرہ طے تھا۔ جس میں ہماری طرف سے حضرت شیخ الہند، حضرت سہارنپوری، مولانا احمد حسین امروہی نور اللہ مراقدہم تشریف لے

جارہے تھے۔ یہ سب حضرات جانے سے پہلے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ (جو اس وقت علماء دیوبند کا مرجع تھے) کی خدمت میں گنگوہ شریف حضرت سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ واپسی میں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے حضرت سے رخصت ہوتے ہوئے بڑے ادب سے عرض کیا کہ حضرت ان مسائل میں (جن میں اہلِ بدعت سے مناظرہ تھا) یہ بتا دیجئے کہ کہاں تک گنجائش ہے اور کیا اس کی حد ہے۔ اس کے بعد دلائل تو ہم خدام خود فراہم کرلیں گے۔

ایک دفعہ حضرت گنگوہی قدّس سرّہ نے میرے ابا جان رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، احمد رضا خان کی کتاب پڑھ کر تو سناؤ، دیکھیں تو سہی کیا لکھتے ہیں۔ اگر ان کی بات صحیح ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں۔ والد صاحب نے عرض کیا، حضرت اس میں تو گالیاں ہی گالیاں ہیں مجھ سے نہیں سنائی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا! اجی دُور کی گالیوں سے کیا ہو۔

دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے

میرے دوستو! کبھی نہ سوچو دنیا کیا ترقی کررہی ہے۔ ترقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے نیزوں کو بادشاہوں کے قالینوں پر مارتے تھے کہ تمہاری چیزوں کی ہمارے دل میں ذرہ برابر وقعت نہیں ہے اور ہمارا حال اس کے برعکس ہے۔ ہمارے دلوں میں دنیا کی وقعت ہی وقعت ہے اور کچھ نہیں۔ بس ہم نے اپنے آپ کو ذلیل کررکھا ہے۔ دنیا کی محبت ایک دفعہ نکل جائے پھر دیکھو۔

بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہے

مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتابوں کے سلسلے میں میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تھے۔ ان کا معمول میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد میرے ساتھ یہ رہا کہ وہ ایک دھڑی بیر دیوبند سے میرے لئے بھیجا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بھائی سعید گنگوہی نے بھیجنے شروع کردیئے۔ چنانچہ وہ تین دھڑی بیر بھجواتے تھے۔ دو دھڑی میرے واسطے اور ایک دھڑی مولوی اسماعیل صاحب کے لئے، جو مظاہر کے مطبخ میں کام کرتے تھے۔ ایک دروازہ بند ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے فوراً ہی دوسرا مفتوح فرمادیا۔

ایک صاحب مجھے ہر سال سو روپے بھیجا کرتے تھے۔ان کے انتقال کے بعد ایک دوسرے صاحب نے سو روپیہ بھیجنا شروع کر دیئے، حالانکہ ان کو یہ معلوم نہ تھا۔ہم لوگوں کو مالک پر نہ اعتماد ہے اور نہ مانگنا جانتے ہیں۔

میرا کچا گھر، پہلے اس کی چاروں طرف کی دیواریں کچی تھیں، اِدھر کی دیوار اس مکان والے کی تھی اور دوسری طرف کی دیوار اس مکان والے کی، اور زنانے کی طرف والی دیوار میری تھی۔ دیوار ان کی اور مکان میرا۔جس کا مکان تھا اس نے کہا کہ کڑیاں میری دیوار سے ہٹالو۔اس کا انتقال ہوگیا، اس کو ایک پنجابی عورت نے خریدا۔اس سے میں نے کہا تمہاری دیوار پر میرے گھر کی کڑیاں ہیں اس نے کہا کوئی حرج نہیں رہنے دو۔

ایک دفعہ کچے گھر کے چھت کی ایک کڑی جھک گئی تھی تو ہم نے اس کے نیچے اس کے روک کے لئے دوسری کڑی کھڑی کروادی۔ دوستوں نے اصرار کیا کہ اس بوسیدہ کڑی کو بدل ہی دیا جائے، میں نہ مانا، اس لئے کہ آخر میں بھی تو خود مرنے کو بیٹھا ہوں۔

یہ مکان میرے والد صاحب نے پانچ روپیہ کرایہ پر لیا تھا، بعد میں خرید لیا گیا۔اس میں پہلے میرے چھوٹے بھائی کا انتقال ہوگیا تھا۔اس کے ایک سال کے بعد میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو لوگوں میں کہرام مچ گیا کہ مکان چھوڑو، مکان چھوڑو۔میں نے کہا کہ اب ایک سال کے بعد میرا نمبر ہے تو مکان خود ہی چھوٹ جائے گا۔

انگریزی دوائیوں کے بارے میں حضرت کا ذوق

جب میں مظاہر علوم میں مدرس ہوا، اس زمانہ کی بات ہے کہ امریکہ میں ڈاکٹروں کا ایک بورڈ بیٹھا جس میں مختلف ملکوں کے ڈاکٹر تبصرہ کے لئے جمع ہوئے تھے۔انہوں نے ایک رپورٹ لکھی۔اس کو میں نے خود ایک اخبار میں پڑھا جس میں لکھا تھا کہ ہماری یہ دوائیں نہایت مؤثر اور مفید ہیں۔لیکن ان دواؤں کے استعمال سے مریض میں جو نئے امراض پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔

مشرقی پنجاب کا ایک ڈاکٹر تھا جس پر ہمارے بھائی اکرام کو بہت اعتماد تھا۔ان کے اصرار پر میں نے بھی اس ڈاکٹر سے اپنا علاج کروایا جس سے پورے بدن میں پھنسیاں

ہوگئیں۔ اسی وقت سے میرے سر میں بہت گرمی اور پیروں میں ٹھنڈ۔ بچپن میں میرا مزاج بہت گرم تھا۔ بدن اتنا گرم رہتا تھا کہ اتفاق سے ناظم صاحب نماز میں اگر ساتھ کھڑے ہوجاتے تو نماز ہی میں پیچھے سرک جاتے تھے۔

فرمایا: میرے حضرت کا پاؤں دبوانے کا دستور تھا۔ میں نیازمندی میں جب کبھی حضرت کا بدن دباتا تو پہلے ٹھنڈے پانی سے اپنے ہاتھوں کو دھولیتا۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت فرماتے کہ تمہارے ہاتھوں کی ٹھنڈک تو ختم ہوگئی تو میں فوراً ہٹ جاتا۔

جب میرے بدن میں پھنسیاں ہوگئیں تو اس ڈاکٹر کو دوسری بار بلایا مگر وہ اپنی مصروفیت بتاتا رہا، آٹھویں دن آیا۔ جب اس نے سارے بدن میں پھنسیاں دیکھیں تو حیران ہوگیا، پھر دوائیں دیں تو پھنسیاں تو ختم ہوگئیں مگر پیروں میں ٹھنڈ پیدا ہوگئی ہے۔ اب گرمی کے زمانہ میں بھی پاؤں پر کمبل پڑا رہتا ہے اور اس کے بالمقابل سر پر سردی کے زمانہ میں بھی پنکھا چلتا رہتا ہے یہ بات انگریزی دواؤں سے ہوگئی ہے۔

انگریزوں کی مخالفت میں حضرت مدنی کا ایک خاص طرزِ عمل

ہمارے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی ایک خاص ادا یہ تھی کہ وہ انگریزوں کی مخالفت میں خالص کھدر کے کپڑے کے علاوہ کسی اور قسم کا کپڑا پسند نہ فرماتے تھے اور دوسروں سے بھی وہ یہی چاہتے تھے۔ چنانچہ میں بھی اس کی رعایت کرتا تھا اور اگر کبھی حضرت مجھے کھدر کے علاوہ کسی اور کپڑے کا کرتہ پہنے ہوئے دیکھتے، تو حضرت گریبان سے سارا کرتہ چاک کردیتے تھے۔ اور میرے حضرت سہارنپوری نہایت لطیف و باریک ململ کا کرتہ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ ایک کرتہ کھدر کا حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر سیا اور ہدیہ کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خاطر میں ایک جمعہ کو تو پہن لیا اور پھر اس کے بعد وہ کرتہ یہ کہہ کر مجھے عطا فرمادیا کہ تم تو مولوی حسین احمد کی خاطر میں پہن لیتے ہو۔

ملکہ وکٹوریہ کا قصہ

فرمایا: سنا ہے کہ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریہ رات کو موٹر میں بیٹھ کر کہیں جارہی تھی، بارش

اس وقت ہو رہی تھی۔ اس نے ایک چوراہے پر پہنچ کر ایک سپاہی کو دیکھا کہ بارش میں کھڑا ہوا بھیگ رہا ہے۔ اس پر اس نے اپنی کار رکوا کر اس سپاہی سے کہا کہ اس جگہ چھتری بنی ہوئی ہے اس کے نیچے کیوں نہیں کھڑے ہوتے تاکہ بارش سے بچ سکو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم ملکہ وکٹوریہ ہو، مگر مجھ کو میرے افسر کی جانب سے اسی جگہ کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ اگر وہ کہے تب میں اس جگہ سے ہٹ سکتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ چیز خلاف نظم ہوگی (اس لئے کہ میں براہِ راست آپ کا ماتحت نہیں بلکہ اپنے افسر کا ماتحت ہوں)۔ اس نے واقعی بڑی سمجھ اور وفاداری کی بات کہی، خدا کرے اس کو ہدایت ہوئی ہو۔ یہ سُن کر ملکہ وکٹوریہ بہت خوش ہوئی اور اس کو انعام دلوایا۔

حضرت کا مولوی نصیر الدین کے ساتھ معاملہ

میرا دستور یہ رہا ہے کہ نظام الدین کوئی کار جا رہی ہو تو بچیوں کے واسطے یہاں سے پلاؤ بھیج دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک کار جانے والی تھی تو میں نے ننھے خاں سے کہا کہ کتنے چاول کا پلاؤ بناتے ہو؟ اس نے کہا کہ دس کیلو۔ میں نے چودہ کیلو چاول کا پلاؤ پکانے کو کہہ دیا۔ اس پر مولوی نصیر بگڑے کہ کیوں زیادہ پکا؟ اس نے آ کر مجھ سے شکایت کی کہ مولوی نصیر مجھ پر بگڑ رہے ہیں۔ میں نے ننھے خان سے کہا کہ ان کا بگڑنا صحیح ہے تم کو اس سے پوچھ لینا چاہئے تھا یا اس کے پاس پرچہ بھیج دینا چاہئے تھا کہ اس نے (یعنی حضرت نے) زائد پکانے کے لئے کہا ہے۔

پھر ایک دفعہ کار نظام الدین جا رہی تھی تو میں نے ننھے خاں سے چاول زیادہ پکانے کو کہا، اس نے ایک پرچہ نصیر کو لکھا مگر ایک بجے تک جواب نہیں آیا۔ پھر میں نے کہہ دیا کہ تم پکا لو، اور میں نے مولوی نصیر کو پرچہ لکھ دیا کہ تم نے پرچہ کا جواب نہیں دیا تھا اس لئے میں نے پلاؤ زیادہ پکوائی ہے۔

حضرات اکابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھے

میرے پیارو! اپنے بڑوں کی باتیں خوب یاد رکھو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باتوں کو یاد رکھو۔

حضرت گنگوہی، حضرت رائپوری، حضرت سہارنپوری، حضرت تھانوی نور اللہ مراقدہم، میں نے ان سب حضرات کا زمانہ خوب دیکھا ہے۔ میرے یہ اکابر نمونہ تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے۔ لہٰذا تم ان کا اتباع کرو۔ ایک دو آدمی ایسے پیدا کردو جو نمونہ ہوں بڑوں کا تو جی خوش ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے اسوہ ہے۔

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ نے انتقال سے ایک دن پہلے مجھے بلا کر نصیحت فرمائی کہ اتباع سنت کی جتنا ہو سکے خود بھی کوشش کیجیو اور دوستوں کو بھی تاکید کیجیو۔

ارشاد فرمایا: حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے یہاں امداد السلوک پڑھنے کا بہت اہتمام تھا۔ اپنے متوسّلین کو بھی اس کے دیکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ یہاں سے خود اپنے ساتھ بھی لے جاتے اور دیوبند سے آدمی بھیج کر بھی مولوی نصیر الدین صاحب کے پاس سے منگوایا کرتے تھے۔ معتقدین کو تبرک میں کوئی چیز مل جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ مفت کی چیز کی قدر نہیں ہوتی، پیسے سے خریدیں تو قدر ہوتی ہے۔

میرے اکابر نچوڑ ہیں صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا، ان کا اتباع کرو۔

مجھے ایک قصہ یاد آیا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے ظہر کے بعد چائے لائے۔ حضرت نے ایک گھونٹ پی کر فرمایا کہ اس میں کچے پانی کی بُو آرہی ہے۔ ہوا یہ تھا کہ پیالی کو دھونے کے بعد اس کو خشک نہیں کیا تھا، لہٰذا فرمایا کہ کچے پانی کی بُو آرہی ہے، حضرت کی حِس اس قدر تیز تھی۔

میرے پیارے دوستو! موت وحیات کا اعتبار نہیں، یاد رکھو ایک وصیت کرتا ہوں، نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ جہاں تک ہو سکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی کوشش کرو۔

دوسری بات جو اس وقت کہنی ہے وہ یہ کہ اپنی اپنی جگہ خانقاہیں مجالسِ ذکر قائم کرو، لوگوں کو اپنے پاس بٹھاؤ اور سکھاؤ اور اس انتظار میں نہ رہو کہ کوئی خود طالب بن کر آئے۔ اس کی امید نہ رکھیو، نہ تعلیم میں، نہ سلوک میں۔ اب تو لوگوں کو اپنے اپنے مشغلہ سے کھینچ کر لانا ہوگا۔

بیعت کرنے والوں کو ایک ہدایت

حدیث میں آیا ہے:

الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا۔

مظاہر علوم کے زمانہ اسٹرائک میں اسٹرائکیوں میں سے ایک حجرے سے آواز آئی کہ دنیا میں مشائخ حقہ کی کمی نہیں۔ میں نے اس مقولہ کو خوب یاد رکھ لیا ہے۔ بیعت ہونے والے اس قدر جاہل ہیں جو بیک وقت کئی مشائخ سے بیعت ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آیا کہ پہلے میں حضرت مدنی سے بیعت ہوا تھا، پھر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب سے ہوا، اب میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ اس لئے اب میری رائے یہ ہے کہ مشائخ کو بیعت کرنے سے قبل یہ تحقیق کر لینی چاہئے کہ بیعت کی درخواست کرنے والا شخص پہلے سے کسی شیخ سے جو بقید حیات ہوں بیعت نہ ہوں۔

حافظ ضامن شہید کا ایک مقولہ

حافظ ضامن شہید نور اللہ مرقدہ، حضرت گنگوہی کے چچا پیر۔ ان سے ایک صاحب نے عرض کیا میں اپنے اس بچہ کو حفظ شروع کرانا چاہتا ہوں تو اس پر حضرت نے فرمایا، یہ جنم روگ کیوں لگاتے ہو؟ دیکھو قرآن پاک کا حفظ بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت کے برابر اور کوئی نعمت نہیں۔ ایک مرتبہ یاد کر لینا آسان ہے، لیکن ہمیشہ اس کو یاد رکھنا مشکل ہے اور بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔

حفظِ قرآن میں سہولت کا مجرب طریقہ

جو حفاظ ہوں وہ قرآن پاک کو نفلوں میں پڑھنے کا ضرور اہتمام کریں، یاد رکھنے کے واسطے بہت مجرب ہے۔ دوسرے میرے رسالہ فضائل قرآن مجید کے ختم پر حفظ قرآن کی آسانی کا ایک بہت مجرب طریقہ لکھا ہے جو حدیث میں وارد ہے۔ وہ یہ ہے کہ شب جمعہ میں چار رکعت پڑھنی ہے، پہلی رکعت میں یٰسین شریف، دوسری رکعت میں

سورۃ دخان، تیسری رکعت میں الٓم سجدہ، چوتھی رکعت میں سورۃ ملک (تبارک الذی) اس کے بعد ایک دعا لکھی ہے وہ پڑھنی ہے۔ قوت حافظہ کے لئے نہایت مجرب اور مفید ہے، فضائل قرآن کے ختم پر اس کو دیکھ لیجئے۔

مولانا امیر احمد کا واقعہ

ہمارے مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم نے اپنے ابتدائی تدریس کے زمانہ میں محض اس اُوپر والے عمل کا تجربہ کرنے کے لئے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا تھا۔ پورے دن میں کوئی وقت فارغ تو نہیں تھا البتہ عصر سے مغرب تک چھوٹی حمائل اپنے ساتھ رکھتے تھے اور روزانہ حفظ کرتے تھے۔ چھ ماہ میں انہوں نے قرآن پاک پورا حفظ کرلیا تھا۔

شاہ عطاء اللہ صاحب سے ملاقات

فرمایا: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا کہ شاہ عطاء اللہ صاحب بخاری سہارنپور میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہلوایا کہ آپ کی جگہ متعین ہے، میں وہیں آکر ملاقات کروں گا۔ چونکہ میں تو تھوڑی دیر یہاں تھوڑی دیر وہاں۔ چنانچہ وہ میرے یہاں کچے گھر میں تشریف لائے۔ چائے کا وقت تھا چائے ہو رہی تھی، ان کے لئے بھی چائے لائی گئی۔ اتفاق سے ان کی پیالی میں مکھی گر گئی فرمانے لگے، حضرت جی! نانے ابا کی سنت سر آنکھوں پر مگر مکھی کو پیالی میں مجھ سے ڈبویا نہیں جاتا۔ میں نے کہا شاہ صاحب! ضرور ڈوب کر رہے گی، مگر آپ نہ پینا کوئی اور پی لے گا۔

حضرت شیخ پر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت

ارشاد فرمایا: میں حضرت رائپوری کی مجلس میں (جب حضرت کا قیام سہارنپور میں شاہ مسعود صاحب کے مکان پر تھا) روزانہ ابوداؤد شریف کے سبق کے بعد جایا کرتا تھا۔ میرے یہاں تو عصر کے بعد چائے کا دربار لگتا تھا مگر وہاں حضرت کی مجلس میں عصر کے بعد چائے کا دستور نہ تھا۔ جب میں جاتا تو میں بھی نہیں پیتا تھا۔

کسی نے حضرت کو توجہ دلائی کہ شیخ کا معمول تو عصر کے بعد چائے پینے کا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا: شیخ کے لئے ضرور چائے ہونی چاہئے۔ مجھے معلوم ہوا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت عادات و عبادات میں فرق ہونا چاہئے۔ حضرت نے شاہ مسعود صاحب اور راؤ عطاء الرحمٰن صاحب کو بلا کر فرمایا، دیکھو حضرت شیخ کیا فرمارہے ہیں کہ عادات اور عبادات میں فرق ہونا چاہئے۔ مگر پھر بھی حضرت نے یہی فرمایا کہ کل سے عصر کے بعد چائے ہوا کرے گی۔ مگر میں نے عرض کیا کہ میں بالکل نہیں پیوں گا کیونکہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ پھر میری وجہ سے سب کے لئے چائے بنانی پڑے گی۔ اللہ کا فضل ہے میں چائے کا ایسا عادی نہیں ہوں کہ اگر نہ پیوں تو سر میں درد ہو جائے، یہ بات نہیں ہے۔

مکتب کے ایک حافظ جی کا قصہ

بھائی پیارو! میری طبیعت ناساز چل رہی ہے جیسا کہ آپ حضرات دیکھ رہے ہیں۔

ایک قصہ سنو! ایک حافظ جی تھے، وہ کبھی بیمار نہیں ہوتے تھے اس لئے لڑکوں کی چھٹی نہیں ہوتی تھی۔ ایک روز لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسی ترکیب کرنی چاہئے کہ حافظ جی بیمار ہو جائیں اور ہمیں چھٹی مل جاوے۔ چنانچہ ایک لڑکے نے کہا کہ ہر ایک جاکر حافظ جی کی مزاج پرسی کرے۔ چنانچہ ایک لڑکا حافظ جی کے پاس جا کر کہنے لگا کہ حضرت طبیعت کیسی ہو رہی ہے؟ فرمایا بیٹھ جا کر پڑھ۔ دوسرا آیا اور کہنے لگا حافظ جی طبیعت کچھ نرم ہو رہی ہے کیا رات کو نیند نہیں آئی؟ حافظ جی کو سوچ پیدا ہوئی کہ میں بیمار تو نہیں ہوں۔ تیسرا آیا کہنے لگا حافظ جی آپ تو بہت بیمار معلوم ہو رہے ہیں، سو جائیں ہم پیر دبا دیتے ہیں۔ آج آپ آرام فرمالیں۔ چنانچہ حافظ جی چارپائی پر پڑ گئے اور لڑکوں کی چھٹی ہو گئی۔

میری طبیعت اللہ کا شکر ہے بہت اچھی ہے، البتہ تین دن سے ایک نیا مرض پیدا ہو گیا وہ یہ کہ چائے پیتے ہی متلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ مولانا علی میاں کہتے ہیں کہ یہ نہ کھانے کا اثر ہے۔

یکسوئی والا رمضان

فرمایا: مجھے اپنا یکسوئی والا رمضان بہت یاد آتا ہے۔ میں تو اپنے دوستوں کو نہایت ہی اہتمام سے لکھوادیا کرتا ہوں کہ یکسوئی سے اپنی اپنی جگہ پر اعتکاف کرلیا کرو، کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ اعتکاف کرلیں گے۔ تم خود بتاؤ مجمع میں بھی کچھ کام ہوا کرے ہے؟ کام تو یکسوئی سے ہوتا ہے۔ پہلے میرا اپنا رمضان بہت ہی یکسوئی کا ہوتا تھا۔ کسی کے لئے ملاقات کا وقت نہیں ہوا کرتا تھا، البتہ دو آدمی اس زمانے میں ملاقات سے مستثنیٰ تھے۔ ایک حکیم طیب رامپوری جو بہت مختصر وقت میں کچھ خبریں سُنادیا کرتے تھے اور دوسرے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ رائپور حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتے ہوئے مجھ سے ملاقات کرکے جاتے تھے، اس لئے کہ ان کے رائپور پہنچتے ہی حضرت پوچھتے تھے کہ سہارنپور میں حضرت شیخ سے مل کر آئے ہو، کوئی پیام تو نہیں دیا؟ اس مجبوری کی بنا پر وہ مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت مدنی، حضرت رائپوری، حضرت چچا جان نور اللہ مراقدہم، یہ تینوں حضرات مستثنیٰ تھے۔ اس لئے کہ ان اکابر سے ملنے میں میرا حرج نہیں ہوتا تھا۔

حضرت مدنی کا معمول یہ تھا کہ وہ سہارنپور کے اسٹیشن پر سے دوسری گاڑی کے انتظار کے وقت کو میرے کچے گھر میں تشریف لاکر پورا فرماتے تھے، کھانے کا وقت ہوتا تو کھانا نوش فرماتے یا پھر آرام فرماتے۔

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ تھا کہ اگر حضرت کی تشریف آوری ایسے وقت میں ہوتی جو میری تصنیف کا وقت ہوتا تو حضرت آتے ہی فرماتے کہ میرے آمد کی اطلاع شیخ کو نہ دیں اور کچے گھر میں تشریف رکھتے، لیکن جب خبر مجھے ملتی تو فوراً نیچے آکر ملاقات کرتا اور تھوڑی دیر حضرت کے پاس بیٹھ کر اور پھر حضرت کے اصرار پر اُٹھ کر اُوپر جاکر اپنے کام میں لگ جاتا۔

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ تشریف لاتے تو اُوپر دار التصنیف میں آکر مجھ سے مصافحہ کرتے اور فرماتے تم اپنا کام کرتے رہو، میں بچیوں سے مل لوں۔

ارشاد فرمایا: حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ جب رمضان شروع ہوتا تو لوگوں سے فرما دیتے ایک مہینہ تک کچہری بند۔

بڑے حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ کے یہاں دوسو سے تین سو تک کا مجمع ہو جاتا تھا مگر حضرت لوگوں سے ملتے نہ تھے، البتہ جب نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تو اس وقت لوگ زیارت کر لیتے۔

میرے دوستو! رمضان تو اس طرح یکسوئی سے ہوا کرے ہے اور اب جو یہ بازار لگ رہا ہے اس سے تم کو خوشی ہوتو ہو، مگر مجھے خوشی نہیں ہوتی کیونکہ مجمع میں کام نہیں ہوتا، یکسوئی سے ہوتا ہے۔ یکسوئی ہو تو آدمی تلاوت کرے، مراقبہ کرے۔

دیکھو پیارو! ماہِ مبارک کے دو عشرے تو گزر گئے اور اب تیسرا عشرہ شروع ہوا ہے۔ یہ بھی کھٹ سے گزر جائے گا اس لئے اوقات کو بہت ہی غنیمت سمجھو۔

رمضان میں حضرت کے ہاں بات کرنے پر پابندی

فرمایا: لیلۃ القدر کی یہ راتیں ہیں، اس میں بہت اہتمام سے کام کرتے رہو۔ معلوم نہیں کب آئے اور کب چلی جاوے، ڈھونڈتے رہو۔ دیکھو! میرے یہاں کھانے میں کوئی تنگی نہیں، خوب کھاؤ، خوب پیئو، مگر بات نہ کرو۔ میرے یہاں بات کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ جتنے حضرات چاہے آؤ، میرے یہاں کھانے میں تنگی نہیں۔ مگر رمضان میں میری تمنا یہ رہا کرے کہ بس بولو مت، کوئی کہاں ہے کیا کر رہا ہے اس کو بھی نہ جانو۔

رمضان میں وقت ضائع ہونے کا جنت میں افسوس

پیارو! ایک دفعہ ذوق پیدا جائے کہ رمضان اس طرح گزرے تو پھر انشاء اللہ بات نہ کرو گے۔

پیارو! اللہ تعالیٰ تمہارے رمضان قبول فرمائے۔ تمہاری برکت سے میرا رمضان بھی قبول فرمالیوے، میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یوں سنا ہم نے کہ جنت والے جنت میں چلے جائیں گے اور جنت میں جگہ بھی مل جاوے گی۔ اس کے بعد اس کا وہ افسوس کریں گے کہ ہمارا فلاں وقت ضائع ہو گیا، بغیر ذکر کے گزرا۔ یہ ایک مہینہ تم دوستوں کا ضائع نہ ہو۔ میں یہ تو نہ کہوں گا کہ سارا وقت ذکر کرتے رہو، میں تو کہتا ہوں کہ بات نہ کرو۔

رمضان میں اکابر کے معمولات

ہمارے حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ رات بھر مختلف حافظوں سے قرآن پاک سُنا کرتے تھے۔ ایک ایک رات میں تین تین چار چار حافظ بدلتے تھے اور ان کے پیچھے حضرت قرآن پاک سُنا کرتے تھے، جب سحری کا وقت ہوگیا کچھ کھالیا۔

میں نے اپنے رسالہ ''اکابر کا رمضان'' میں اکابر کے معمولات لکھے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر کے معمولات لکھے ہیں، اس کو اسوہ بناؤ۔

حضرت مدنی اور ان کے متوسلین

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری، مولانا عبدالقادر رائپوری، حضرت گنگوہی نور اللہ مراقدہم کے یہاں رمضان بہت یکسوئی کا مہینہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت اقدس مدنی تشریف لائے، میں نے عرض کیا مجھے آپ سے ایک بات میں لڑنا ہے، فرمایا لڑلو۔ میں نے عرض کیا سب کے سامنے نہیں، ورنہ یہ میرے سر ہو جائیں گے، سب کے سامنے نہیں، اُوپر جا کر بات کرنی ہے۔ چنانچہ اُوپر پہنچ کر کواڑ بند کر کے میں نے عرض کیا حضرت آپ تین نسبتوں کے حامل ہیں، حضرت حاجی صاحب، حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مراقدہم۔ اگر یہ حضرات پوچھیں کہ ایک جگہ جم کر کام کیوں نہیں کرتے، کیوں باہر نکلے پھرتے ہو تو کیا جواب دو گے؟

اس پر حضرت نے فرمایا: میں جو یوں مارا مارا پھرتا ہوں، کبھی سہلٹ اور کبھی کہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں یوپی والے آرام طلب لوگ ہیں۔ بنگال کے لوگ زیادہ کام کرتے ہیں۔ یوپی کے لوگ بات کرتے ہیں کام نہیں کرتے۔ وہاں رمضان میں نہ اخبار آتا ہے نہ کوئی سیاسی بات ہوتی ہے بلکہ وہاں کام ہوتا ہے۔

اس کے بعد سے حضرت کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ حضرت کے متوسلین کے جو خطوط سلوک کی لائن کے حضرت کے نام آتے تو ان میں سے جو خطوط اہم ہوتے ان کو حضرت علیحدہ بیگ میں جمع رکھتے تھے اور ملاقات پر ان خطوط کو اس ناکارہ سے پڑھواتے کہ دیکھئے ان میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ میں ان کو پڑھتا تو واقعی ان میں سے بعض کے احوال

بہت اُونچے ہوا کرتے تھے۔ ان میں بعض خطوط اُونچے درجے کے تاجروں کے بھی ہوتے تھے، جن کا معمول ہر روز سوا لاکھ بار اسم ذات کا ہوتا تھا جس پر مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی۔ یہ لوگ خود تو ذکر میں مشغول رہا کرتے تھے اور اپنی تجارت کا کام ملازموں سے لیتے تھے۔

رمضان اور موت کی فکر

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! پتہ نہیں آئندہ رمضان تک کون زمین پر ہو اور کون زمین کے نیچے ہو۔ اس سال تم دیکھ چکے ہو کہ مسلسل کئی اموات ہو چکی ہیں۔ مولوی فرقان مرحوم نے عصر کی نماز جماعت سے پڑھی، گھر گئے اور مغرب سے بیس منٹ پہلے انتقال ہو گیا۔

میرے پیارو! موت کو یاد کر لیا کرو، موت کا منظر سوچا کرو کہ سب سامان پڑا رہ جائے گا، خالی ہاتھ جاؤ گے۔ مولانا بہاری تشریف لائے تھے۔ میں ان سے لڑ پڑا کہ رمضان تو کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا۔ فرمانے لگے کہ میں تو اعتکاف کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہاں آنے کے بجائے اپنی جگہ پر رہتے ہوئے اعتکاف فرماتے۔ اعتکاف میں چند لوگوں کو اور بھی اپنے ساتھ شریک کرتے ان کا ثواب بھی آپ کو ملتا۔

رمضان سیر وگشت کا مہینہ نہیں

آج بہت سے مہمان نیپال سے مستقل بس لے کر پہنچے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ، آج جو مہمان آئے ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ جل شانہ ان کو اس تکلیف فرمائی پر بہترین بدلہ دونوں جہاں میں اپنی شایانِ شان عطا فرمائے کہ بڑی مشقت اُٹھا کر آئے ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ ایک شکوہ بھی کروں گا کہ رمضان یوں سیر وگشت کا نہیں ہوا کرتا۔ تم حضرات وہاں اعتکاف کرتے تو وہاں کے لوگوں کو بھی فائدہ ہوتا۔

فرمایا: حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے یہاں مجلس کے صرف دو اوقات تھے۔ صبح کو خواص کی مجلس ہوتی تھی، عصر کے بعد مجلس عامہ ہوتی تھی جس میں شہری، دیہاتی وغیرہ شریک ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب رمضان آتا تو فرماتے اب عید کے بعد ملیں گے۔

یہی دستور بڑے حضرت رائپوری شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ کے یہاں کا تھا۔ دوسو ڈھائی سو آدمی پنجاب کے حضرت کے یہاں رمضان گزارنے آتے، حضرت نماز پڑھنے جاتے تو لوگ زیارت کر لیتے، ملاقات بالکل بند تھی۔ سارا رمضان کواڑ بند رہتے۔

میرا رسالہ ''اکابر کا رمضان'' لے لو اس میں لکھا ہے کہ رمضان ضائع کرنے کا نہیں ہوتا۔ آئندہ کے لئے نصیحت کرتا ہوں، رمضان کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا۔ اپنی جگہ یکسوئی سے گزارو۔

قرآن پاک یاد کرنا بہت آسان

حضرت کے پاس چند بچوں نے قرآن پاک حفظ شروع کیا۔ فرمایا، اس کی برکات سے تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو اللہ تعالیٰ مستفید فرمائیں۔

فرمایا: حضرت میاں جی نور محمد جھن جھانوی نوراللہ مرقدہ کے تین بڑے مشہور خلفاء ہیں۔ شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی کہتا کہ بچے کو حفظ قرآن کرانا چاہتا ہوں تو فرماتے کہ بھائی کیوں جنم روگ لگاتے ہو، اور یہ صحیح فرمایا۔ یاد کرنا بہت آسان ہے اور اخیر تک اس کو یاد رکھنا مشکل ہے۔

اس کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ روزانہ آدھا پارہ دو تین دفعہ پڑھ کر اور پھر اس کو ایک مرتبہ نفلوں میں پڑھا جائے۔ اگر یہ دائمی معمول بنا لیا جائے تو پھر یاد رہنا بہت آسان ہے۔ بہت سے لوگ شوق میں حفظ کر لیتے ہیں اور پھر اس کی حفاظت نہیں کرتے۔ اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ قرآن پاک یاد کرنے کے لئے میرے رسالے ''فضائل قرآن'' کے ختم پر ایک عمل لکھا ہوا ہے، اس کو کرنے سے حفظ میں بہت سہولت ہو جاتی ہے۔ میرے بعض دوستوں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کا صرف چار چھ مہینوں میں حفظ پورا ہو گیا۔

ارباب مدارس کو ایک اہم نصیحت

میرے پیارو! ایک بہت ہی ضروری اور اہم بات کہنا چاہتا رہا مگر اب تک نہ کہہ سکا۔ تم علماء کرام ہو، مدرّس ہو، بہت سے مدرسوں کے ناظم بھی ہوں گے، یہ مدارس

تمہاری برکت سے چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں اور پڑھنے پڑھانے کو بھی قبول فرمائیں۔

میرے پیارو! میں ایک بات کی وصیت کرتا ہوں، نصیحت کرتا ہوں۔ تم اپنے مدرسوں کے چلانے میں ایسا طرز اختیار نہ کریو کہ جس سے کسی دوسرے مدرسہ کی توہین و تحقیر ہوتی ہو۔ ماشاء اللہ ہندو پاک میں بہت سے مدرسے چل رہے ہیں سب ہی کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ یہ دوسرے کو گرانا بہت ہی مہلک مرض ہے جو دراصل کبر کا نتیجہ ہے۔ اپنے اندر تواضع پیدا کرو۔ اپنے بڑوں کو دیکھو، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تربیت میں اپنے مدرسہ کی بہت تعریف کی ہو، ایسا کبھی نہیں ہوا لیکن ہم ناخلف لوگوں نے دوسرے مدرسوں کی توہین شروع کردی۔ بہت سے خطوط اس قسم کے آتے رہتے ہیں۔ چندہ بھی اس طرح سے نہ مانگو کہ دوسرے مدرسہ کی وقعت گرے۔ تم سے میری التجاو آرزو ہے کہ تم اپنے آپ کو گراؤ، اپنی ذات کو نہ بڑھاؤ۔ اپنی خاکساری اور تواضع کو مدنظر رکھو۔ اپنے مدارس کی اس طرح تعریف نہ کرو کہ دوسرے یہ سمجھیں کہ یہ ہمارے مدرسہ کی توہین کر رہا ہے۔

اپنی تقریروں کے دوران میں اعتدال کو ملحوظ رکھو۔ مدرسہ میں جو دینا چاہے ضرور دے کہ مدرسہ کی ضرورت ہے (بظاہر مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ چندہ وصول کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے بلکہ اپنے مدرسہ کی ضروریات سامنے رکھ دی جائیں، جتنا بخوشی دے وہ قبول کرلیا جائے)۔ او مولویو! میری بات سُن لو، مان لو۔

فرمایا: ایک دفعہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تم نے یہ جو دستخط کئے ہیں سمجھ کر کئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اکابر کے دستخط موجود تھے اس وجہ سے میں نے بھی کر دیئے، فرمایا سوچ کر دستخط کیا کرو۔

شیخ کے آرام کی رعایت

حضرت نور اللہ مرقدہ کے ساتھ سفر میں میں ہی امام ہوتا تھا۔ ایک دفعہ مجھ سے حماقت ہوئی، میں نے ایک عزیز کو آگے کر دیا۔ اُس نے لمبی قرأت، لمبا رکوع، لمبا سجدہ کیا، اتنے میں ٹرین چلی گئی۔ نماز کے بعد میرے حضرت نے مجھے گھورا۔

متفرق نصائح

میرے پیارو! اپنے اکابر کے احوال کو بہت اہتمام سے کتابوں میں دیکھتے اور پڑھتے رہا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گو بہت دُور چلا گیا، لیکن یہ اپنے اکابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان حضرات کی تواضع دیکھو۔ پیارو! آدمی اپنے آپ سے نہیں بڑھتا اللہ جل شانہ جسے بڑھاوے وہی بڑھتا ہے۔ اپنے آپ کو خوب گراؤ، اپنے معاصرین میں سے ہر ایک کو اپنے سے بڑا سمجھو۔

بھائی پیارو! اپنی اپنی مسجدوں کو آباد رکھو، اعتکاف کا ماحول بھی پیدا ہو جائے گا۔ میں تو ہر سال سوچتا ہوں کہ اب تو میں نمٹ گیا، نہیں آسکوں گا (حجاز مقدس سے) مگر معلوم نہیں کیوں آ ہی جاتا ہوں۔

میرے پیارو! بڑے زور سے اعلان کرتا ہوں کہ میں علی شرف الرّحیل ہوں معلوم نہیں تم اس کو سمجھو یا نہ سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ میرے اکابر میں سے میری عمر کو کوئی نہیں پہنچا۔ تم اتنی کوشش ضرور کرو کہ تم سے اگر ہو سکے تو اعتکاف کر لیا کرو تاکہ آگے کام چلے۔ مفتی اسماعیل کو حکماً لکھ چکا ہوں کہ وہ اس سال بجائے یہاں کے اپنے ہی یہاں اعتکاف کرے۔ چنانچہ ان کے یہاں کئی معتکفین ہیں۔ تم بھی اپنے یہاں اعتکاف کیا کرو تمہارے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔

فرمایا: آج لوگ داڑھی منڈوانے کو گناہ نہیں سمجھتے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو کافر قاصد آئے، وہ داڑھی مونڈھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ میرے پیارو! مرنے کے بعد منکر نکیر کے سوال کے موقع پر حضور کا سامنا ہوگا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا تو کیا کرو گے!

علماء کرام کو نصیحت

ایک بات تم علماء کرام سے کہنی ہے وہ یہ کہ دوسرے مدارس کی تنقید اور اپنے مدرسہ کی تعریف نہ کرو، ہاں اپنی ضرورت ضرور کہو۔ دوسرا مضمون تمہارے متعلق ہے۔ تم میں سے کوئی کسی مدرسہ کا مدرس ہے، کوئی ناظم ہے (حضرت کے قریب مجلس میں عام طور سے

مختلف مدارس کے علماء و مدرسین وغیرہ ہوا کرتے تھے)، مدرسہ کا مال جو ہے بہت خطرناک ہے۔

بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا اور کسی کام سے نہیں لگتا۔ اس وجہ سے کہ ہم مدرسہ کے مال کے مالک نہیں امین ہیں۔ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ اپنے تعلق کی وجہ سے اگر کسی کی خیانت کو معاف کروگے تو تم بھی پکڑے جاؤ گے۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحب کا واقعہ

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شروع زمانہ میں بھٹیارے کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا۔ جامع مسجد کے پاس ایک اسماعیل نامی بھٹیارا تھا جو بہت نیک تھا۔ کھانا جامع مسجد سے مدرسہ تک لاتے ہوئے ٹھنڈا ہوجاتا تھا۔ والد صاحب کھانے کو مدرسہ کے حمام کے قریب رکھوا دیا کرتے تھے جس سے وہ گرم ہوجاتا تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہینہ کے اختتام پر ایک روپیہ مدرسہ میں امداد کے نام سے جمع کروادیا کرتے تھے کہ یہ وقف کے مال سے انتفاع ہوا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

ایک معمول حضرت سہارنپوری کا سُنا ہے اگرچہ دیکھا نہیں۔ وہ یہ کہ مدرسہ میں صدر مدرس کے لئے قالین بچھایا جاتا تھا۔ حضرت جب سبق سے فارغ ہوجاتے تو قالین پر سے اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جاتے۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کا واقعہ

حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری بخاری ترمذی کتب حدیث کے محشّی اور مشہور عالم محدِث ہیں۔ جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے

آمدورفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا۔ وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا۔ اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔ اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا، لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ آمدورفت سے وضع کرلیا جائے۔

میرے پیارو! ان ہی چیزوں کی وجہ سے مدرسہ اس درجہ پر پہنچا ہے۔ تم تقویٰ اختیار کروگے تو مدرسہ کے مال میں احتیاط رہے گی۔ یہ نہ سمجھو کہ کوئی ٹوکنے والا نہیں، اس سے خلاصی نہیں ہوگی۔ حقوق العباد کی معافی اللہ کے یہاں نہیں ہوتی کہ یہ بڑی سخت چیز ہے۔ جیسے تو اللہ کا بندہ ہے، جس کا حق مارا ہے وہ بھی اللہ کا بندہ ہے۔ دو پیسے کے مقابلے میں سات سو مقبول نمازیں لے لی جائیں گی۔ اگر اتنی نمازیں مقبول نہیں ہیں تو اسی کے بقدر گناہ سر پر ڈال دیئے جائیں گے۔

میرے پیارو! حقوق العباد سے بہت ڈرتے رہو۔ اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے اور میرے حضرت رائپوری کی برکت سے مجھے پہلے ہی دن سے تنخواہ سے وحشت ہوگئی تھی۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ اللہ توفیق دے تو مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجیو۔ اللہ کا شکر ہے جو لی تھی وہ بھی ادا کردی۔

میرے اکابر کا معمول مدرسہ کے معاملے میں بہت احتیاط کا رہا ہے۔ تمہارے اُوپر مدرسہ کا کوئی جانی و مالی حق باقی نہ رہے۔ تم تو یہی سوچو ہمیں مدرسہ کے معاملہ میں کیا کرنا چاہئے۔ باقی تمہارا کوئی حق مدرسہ پر رہ گیا ہو تو اس کا خیال نہ کرو، اللہ کے یہاں بہت کچھ ملے گا۔

اکابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھے

فرمایا: اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی خوب کوشش کرو، اس میں میں نے بہت برکت دیکھی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خوب دیکھا، اس کے بعد اکابرِ اربعہ حضرت سہارنپوری، حضرت تھانوی، حضرت رائپوری، حضرت شیخ الہند کو خوب دیکھا۔

ارشاد فرمایا: (جس کا ماحصل یہ ہے کہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم تو قدیم ہیں، ان حضرات کے احوال بھی اعلیٰ وارفع ہیں، ان کی بات ہی

کچھ اور تھی۔ لیکن ہمارے یہ اکابر، ان کا زمانہ تو دور کا نہیں ہے، ان کے حالات غور سے دیکھو پڑھو اور جہاں تک ہو سکے اتباع کی کوشش کرو۔ ان حضرات نے بھی صحابہ کا نمونہ بن کر دکھادیا اور حضور ﷺ کا اتباع ہمارے لئے آسان کر دیا کیونکہ نمونہ سامنے آنے سے عمل آسان ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کا تقویٰ مضبوطی سے پکڑو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

پھر دیکھو دنیا میں بھی کیسی سہولت سے روزی میسر آتی ہے، آخرت میں تو اجر ہے ہی۔

حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی کا واقعہ

فرمایا: حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ دارالعلوم کی روئداد طبع کرانے دہلی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور اپنے مکان آکر اپنی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیتِ مدرسہ چھپوا کر گھر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسکی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی۔ انہوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لئے ان پر ضمان نہیں۔

اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے اور مولانا کا فتویٰ دکھایا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لئے ہیں؟ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں، اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے؟ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو میں ہرگز دو پیسے بھی نہ لوں گا۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کا تقویٰ واحتیاط کا ایک واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے دہلی کا سالن کھانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس میں کھٹائی (ام چور) ہوتی تھی اور آموں کی فروخت پھل نمودار ہونے سے پہلے ہو جاتی تھی جو جائز نہیں ہے۔

مدرسہ کے مال میں احتیاط

فرمایا: ہمارے یہاں مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں مدرسین حضرات کھانا مدرسہ کے کھانے میں سے نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے اپنے گھروں سے منگا کے کھاتے تھے اور اسی طرح حضرت ناظم صاحب مطبخ کے سالن کی جانچ جو طلبہ کے لئے بنتا تھا اس کو خود نہ چکھتے تھے بلکہ طالب علم ہی سے چکھواتے تھے۔ اسی طرح مدرسہ کے مہمانوں کے لئے جو پان بنتے تھے اس میں سے نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے گھر سے منگواتے تھے۔

بعض دفعہ مہتمم صاحب تین تین دن مدرسہ میں رہتے۔ ان کو کھانا گھر سے آتا تھا۔ معمولی سالن دال، ہوتی، ایک طرف بیٹھ کر ٹھنڈا کھا لیتے تھے۔

جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مدنی، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہما تشریف لاتے تو یہ میرے خصوصی مہمان بنتے۔ مدرسہ کا کھانا نوش نہ فرماتے، بندہ ان کے لئے کھانے کا نظم گھر پر کرتا۔ پلاؤ ہی پکتی تھی اور کھانے سے فراغت کے بعد جو کھانا بچتا وہ گھر واپس کیا جاتا۔ اس وقت بعض لوگ کہتے تھے کہ مدرسہ کا کھانا گھر پہنچاتے ہیں اور اس پر گالیاں بھی پڑتیں، مجھے سُن کر لطف آتا تھا۔

میرے پیارو! میرے بعد شاید کہ بڑوں کے حالات سُنانے والا تمہیں نہ ملے، تم یہ باتیں مجھ سے سُن کر پھیلاؤ اور دوسروں تک پہنچاؤ کہ ہمارے بڑے ایسے تھے۔

فرمایا: ہمارے ابتدائی زمانہ میں کوئی طالب علم کسی اپنے استاذ کی دعوت نہ کر سکتا تھا، اگر کوئی دعوت کرتا تو وہ فرماتے ابھی تم طالب علم ہو۔

حضرت شیخ کا حضرت گنگوہی سے قلبی تعلق

کل گزشتہ اُنتیسویں شب میں حضرت کے یہاں تراویح میں قرآن پاک ختم ہو چکا تھا۔ آج ۲۹ تاریخ تیسویں شب میں چونکہ عید کا چاند نہیں ہوا اور تراویح کی تیاری ہو رہی تھی اس پر حضرت شیخ نے فرمایا: حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے ایک رمضان میں تیسویں شب میں تراویح الم ترکیف سے پڑھی تھی، لہٰذا حضرت کے اتباع میں میرا جی چاہتا ہے کہ آج یہاں بھی تراویح الم ترکیف ہی سے پڑھی جائے، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔ فقط

حصہ سوم

جمع کردہ

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

ماہ مبارک کے مشاغل میں انہماک واستغراق

ارشاد فرمایا: آپ لوگ جس مقصد کے حصول کے لئے یہاں آتے ہیں اس کے لئے انتہائی کوشش کیجئے، رمضان المبارک کی راتیں تو جاگنے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔

میں نے ۱۳۳۸ھ میں پہلا سفرِ حج کیا، اس وقت سے رمضان المبارک کی راتوں کو جاگنے کا معمول بنالیا تھا، مگر اب ۵، ۶ سال سے بیماریوں نے چھڑادیا ہے۔ یہ درحقیقت میں نے عرب سے سیکھا تھا۔ وہاں لوگ رمضان کی راتوں میں بیدار رہتے ہیں۔ ہم لوگ وہاں کے قیام کے زمانے میں تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد سحری تک عمرہ کیا کرتے تھے۔ دوبارہ جب ۱۳۴۴ھ میں وہاں حاضری ہوئی تو بھی یہی دیکھا کہ رمضان المبارک میں بازار رات بھر کھلے رہتے ہیں اور دن میں سناٹا رہتا ہے۔ البتہ گزشتہ سال جب وہاں حاضری ہوئی تو معلوم ہوا کہ بہت سے گھروں میں وہاں رات میں ٹیلی ویژن لگائے جاتے ہیں اور اس کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: کام کرنے والوں کے لئے یہ چیزیں ان کے کاموں سے مانع نہیں۔

بچپن میں ایک قصہ سُنا تھا۔ ایک مولوی صاحب غریب آدمی تھے، بھوک کی شدت کے عالم میں کسی حلوائی کی دوکان کے قریب جا کر کھڑے ہو جاتے اور مٹھائی کی خوشبو سے اپنا پیٹ بھر لیتے، سڑک پر یا کہیں روشنی نظر آتی تو وہاں جا کر کتابیں دیکھتے۔

ایک مرتبہ شہرہ ہوا کہ بادشاہ کے صاحبزادے کی شادی ہے، رات میں قمقمے وغیرہ روشن کئے گئے۔ یہ صاحب رات بھر ان قمقموں کی روشنی میں صبح تک کتابیں دیکھتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا، "وہ شادی کے قمقمے کہاں گئے سُنا تھا کہ بادشاہ کے یہاں شادی ہے"۔ اس قصے کو سُنانے کے بعد حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا جس کو کسی کام کا چسکا پڑ جائے اس کو ٹیلی ویژن وغیرہ کی آوازیں یا اور کوئی چیز مقصد سے مانع نہیں بن سکتی۔

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان میں ایک صاحب مطالعہ کر رہے

تھے۔ دورانِ مطالعہ میں انہوں نے پانی مانگا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس کو سُنا تو فرمایا، ''خاندان سے علم رخصت ہوا''۔ مگر اہلیہ محترمہ نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کریں، ذرا مزید دیکھ لیں۔ چنانچہ پانی کے گلاس میں سرکہ ڈال کر خادم سے بھجوادیا۔ وہ اس کو پی گئے اور گلاس واپس کردیا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، الحمد للہ ابھی خاندان میں علم باقی رہے گا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قصہ ہے، بیان کیا گیا ہے کہ ان کی مجلس درس میں امام موصوف سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا جو امام موصوف کو سوء اتفاق سے یاد نہ آئی۔ واپس گھر آئے تو انہیں خرمے کی ایک تھیلی پیش کی گئی۔ حدیث کی تلاش وجستجو میں اس قدر محو ہوئے کہ چھوارے آہستہ آہستہ سب کھا گئے اور حدیث بھی مل گئی۔ یہی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موت کا سبب ہوا۔

فرمایا: میں نے حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کو دیکھا کہ کبھی حضرت ایسے مشغول ہوتے کہ کوئی کچھ عرض کرتا تو فرماتے ''آئیں''، یعنی حضرت کو اس وقت دوسری طرف بالکل التفات نہ ہوتا۔ یہی حال میں نے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کا دیکھا کہ حضرت کی مجلس میں کتاب پڑھی جاتی، حضرت سُنتے، فرماتے پھر پڑھ دو ہمیں سے میں نے بھی سیکھنا ہے۔

بڑے حضرت رائپوری کے یہاں تو رمضان کا مہینہ دن رات تلاوت کا ہوتا۔ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی بند۔ بعض مخصوص خدام کو اتنی اجازت تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کا ایک فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر ہوجایا کریں۔

پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ

ارشاد فرمایا: بڑے حضرت رائپوری پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ سُنایا کرتے تھے، مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں۔ وہ بزرگ اپنے سب مریدوں کو عشاء کے بعد سلا دیتے اور دو (۲) بجے لات مار کر اُٹھا دیتے۔ ان کی خانقاہ میں عشاء کے بعد چائے پکنی شروع ہوتی اور دو بجے تک پکتی رہتی اور ظاہر بات ہے کہ اتنی دیر پکنے کے بعد وہ کڑوی ہوجایا کرتی تھی۔ وہی لوگوں کو پلائی جاتی جس میں نہ دودھ ہوتا تھا نہ شکر،

تاکہ نیند نہ آئے۔ یہ قصہ میں نے اس لئے نہیں سُنایا ہے کہ تم لوگ اس پر عمل کرو۔ وہ پنجاب کے لوگ تھے جو قوی و مضبوط ہوتے تھے اور ہم کمزور ہیں، البتہ حسبِ مقدور کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت اقدس کا ماہ مبارک میں تلاوت کا معمول

ارشاد فرمایا: ۱۳۳۸ھ سے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا جو تقریباً ۱۳۵۰ھ تک رہا ہوگا، بلکہ اس کے بعد تک۔ ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو عموماً حکیم اسحاق صاحب کی مسجد میں سُنانے کی نوبت آتی تھی یا میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کے گھر میں اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ سحر تک چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا۔ گرمیوں کی شب میں کچھ کم، سردیوں میں کچھ زائد۔ اس کے بعد تہجد میں اس کو دو مرتبہ، اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ پڑھتا تھا اور پھر صبح کو سونے کے بعد اُٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا۔ چاشت کی نماز میں سردیوں میں ایک مرتبہ گرمیوں میں دو دفعہ، اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر، پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً دو مرتبہ اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی دو سنتوں میں دوسری دفعہ اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔ پھر کسی کو ایک مرتبہ سُنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلافات کی وجہ سے ایک یا دو دفعہ پڑھنا، عصر کے بعد کسی دوسرے اُونچے آدمی کو سُنانا۔

ابتداءً حضرت کی حیات تک حافظ محمد حسین صاحب اجراڑوی کو، اس کے بعد دو تین سال مولوی اکبر علی صاحب مدرس مظاہر علوم کو، اس کے بعد بہت عرصہ تک مفتی محمد یحییٰ صاحب کو اور ان ہی کے ساتھ ان کے دونوں بھائی حکیم الیاس، مولوی عاقل بھی شریک ہونے لگے۔

• مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا اور نفلوں کے بعد تراویح تک ایک دفعہ پڑھنا۔ ۲۴ گھنٹے میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ ۳۰ پارے پورے ہو جائیں۔ اللہ کے انعام وفضل سے سالہا سال یہی معمول رہا۔ اخیر زمانے میں بیماریوں نے چھڑا دیا۔

حکیم طیّب کا مقولہ کیا رمضان بخار کی طرح آتا ہے

ارشاد فرمایا: مجھے اپنی یکسوئی وتنہائی کا رمضان بہت یاد آتا ہے۔ اس زمانے کا ایک لطیفہ یاد آگیا۔ میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیّب رامپوری، میرے دوسرے مخلص مولوی عامر سلمہ کے والد، اس زمانہ میں ان کی آمد ورفت بہت کثرت سے تھی اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لئے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سُنا جاتے تھے، اس لئے ان کی آمد میں میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی۔

ایک مرتبہ رمضان میں ۸، ۹ بجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا کیواڑ کھلوادو، اس نے کہا رمضان ہے۔ خود زنجیر کھڑکھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی اور اگر اُٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑکھڑاتے رہو۔ اس پر وہ خفا ہوکر مدرسہ چلے گئے۔

راستہ میں مولانا منظور احمد صاحب ملے۔ انہوں نے کہا، ''حکیم جی تم کہاں آگئے، شیخ کے ہاں تو رمضان ہے''۔ اس پر کچھ سوچ پیدا ہوئی اور نصیر پر غصہ کم ہوا۔ اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، وہ ڈاک لکھوا رہے تھے، فرمایا حکیم جی کہاں آگئے شیخ کے یہاں تو رمضان ہے۔ وہاں سے اُٹھ کر مفتی محمود کے حجرے میں گئے، مفتی صاحب کا قیام اس زمانے میں مدرسہ قدیم کے حجرے میں تھا، مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دہرادیا۔

حکیم جی نے پوچھا، آخر رمضان میں کوئی وقت بات ملاقات کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفتی جی نے کہا، ''تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ''۔ حکیم صاحب نے کہا کہ مجھے تو رامپور واپس جانا ہے۔ تب مفتی جی نے کہا، ظہر کی نماز سے ۱۵ منٹ پہلے تشریف لائیں گے اس وقت مل لینا یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستے میں مل لینا۔

وہ ظہر کی نماز سے پہلے مسجد میں آئے تو میں نیت باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی۔ بڑی دیر تک انہوں نے انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں سنتوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا یہ دیکھ کر وہ مٹرگشت میں چلے گئے۔ وہ واپس آئے تو میں اپنے کمرہ میں پہنچ کر

قرآن پاک سُنانے میں مشغول ہوگیا تھا۔ وہ بہت کھٹ کھٹ کر کے اُوپر چڑھے اور جاتے ہی بہت زور سے کہا "بھائی جی سلام علیکم" بات نہیں کرتا، صرف ایک فقرہ کہوں گا، "رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا"، سلام علیکم جارہا ہوں، عید کے بعد ملوں گا۔ میں نے کہا وعلیکم السلام، اور پھر قرآن سُنانے میں مشغول ہوگیا۔

حضرت اقدس کا پہلا سفر حج

ارشاد فرمایا: جب پہلی مرتبہ ۱۳۳۸ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا، چونکہ یہ سفر حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کی معیت میں تھا، اس لئے بمبئی تک ہر اسٹیشن پر ناشتہ دانوں اور کھانوں کی کثرت تھی۔ بمبئی میں تقریباً تین سو کا مجمع تھا۔ راستہ میں سب لوگوں کا کھانا مشترک تھا مگر بمبئی پہنچ کر حضرت نے اعلان فرمایا کہ اب گویا سفر حج شروع ہورہا ہے مشترکہ کھانے کے نظم کرنے میں دشواری ہوگی اور فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کے سفر میں کھانے کی شرکت نہ ہونی چاہئے، سب لوگ اپنی اپنی مناسبت کے ساتھی تلاش کرلیں اور اسی لحاظ سے کھانے کا نظم کریں۔

میرے ایک عزیز رئیس متولی طفیل صاحب تھے، ان کے ساتھ ایک خادم مُلّا عبدالعزیز تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھ ماموں لطیف مرحوم کوشریک کرلیا اور یہ تینوں مجھے اپنے ساتھ شریک کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ حاجی مقبول حضرت کے یہاں وہی مقام رکھتے ہیں جو میرے یہاں مولوی نصیرالدین کا ہے۔ حاجی مقبول کہا کرتے تھے کہ حضرت اگر میں نہ ہوں تو یہ خدامِ ادب آپ کے کپڑے بھی نہ چھوڑیں۔ حاجی مقبول جب خفا ہوتے تو حضرت تک پر اپنی خفگی کا اظہار کردیتے۔ میرے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہی تھا، مگر جب مجھ سے خوش ہوتے تو کہتے کہ میری تم سے لڑائی نہیں۔ میری تم سے صرف اس لئے لڑائی ہے کہ مولانا عبداللطیف صاحب سے تم نے لحمہ کل حمی ودمہ کدمی کرر کھا ہے، بہرحال میں نے رئیس کاندھلہ کے ساتھ شرکت سے انکار کردیا۔

اس زمانہ میں سفر حج کا خرچ چھ سو روپے ہوتا تھا جو اس زمانہ کہ شاید ڈھائی ہزار کے برابر ہو۔ میں ٹکٹ وغیرہ لے چکا تھا۔ میں نے چھ سو روپے اپنی جیب سے نکال کر حاجی

مقبول کے حوالے کئے اور یہ کہہ دیا کہ اگر اس میں کمی ہوگی تو انشاء اللہ واپسی میں ادا کردوں گا۔ میرے پاس سامان بہت مختصر تھا، ایک تکئے میں کپڑے وغیرہ سب رکھ لئے تھے، بمبئی سے کالا کرتا جہاز میں پہننے کے لئے خرید لیا تھا۔ حاجی مقبول صاحب نے کہا کہ جب تم مجھ سے حساب وغیرہ نہیں لوگے تو بڑی خوشی سے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو، بلکہ اگر تمہاری رقم حضرت کے سامان وغیرہ کے قلی میں خرچ ہوگی تو بھی تمہیں خوشی ہوگی۔ میں نے کہا بالکل، مجھے حساب وغیرہ نہیں چاہئے۔

اگلے دن حضرت نے فرمایا کہ بھائی سب لوگوں کا انتظام ہوگیا؟ تو ماموں لطیف نے کہا کہ حضرت سب کا ہوگیا سوائے مولوی زکریا کے وہ آپ ہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت میں نے حاجی مقبول کے ساتھ جانا طے کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا، اچھا وہ کیسے راضی ہوگئے؟ حضرت نے اس پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

حضرت اقدس معہ اپنے خدام کے جہاز سے روانہ ہوئے اور ۱۰/ رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہاں پر حضرت کی اکثر دعوت ہوا کرتی تھی، البتہ وہاں کا ہدیہ جب حضرت کے پاس کوئی لاتا، اگر معمولی چیز ہوتی تو ہم لوگوں کو عنایت کردیتے اور اگر ۵ مجیدی تک کا ہوتا تو اس کے پھل وغیرہ منگوا کر تقسیم کرادیتے اور اگر بڑا ہدیہ ہوتا تو وہاں کے کسی آدمی کو ہدیہ کردیتے۔

ایک روز وہاں دعوت ہوئی، حاجی جی نے سب کو اطلاع کردی مگر گھر میں اطلاع کرنا بھول گئے۔ گھر میں بھی کھانا پک گیا۔ جب دعوت کا کھانا آیا تو حاجی مقبول ہم لوگوں پر بہت بگڑے کہ تم لوگوں نے کھانا پکانے سے کیوں نہیں منع کیا، اماں جی بھی خفا ہوئیں۔ حضرت نے کچھ نہیں فرمایا۔ ہم لوگوں نے مغرب کے بعد کچھ گھر کا کھانا کھایا اور کچھ دعوت کا۔ سحری میں جب ہم لوگ کھانے کیلئے دستر خوان پر بیٹھے تو پہلے دعوت کا کھانا کھایا اس کے بعد ہم نے بار بار گھر کا کھانا منگوایا۔ اندر سے کھانا آتا رہا، بالآخر سب ختم ہوگیا۔ اماں جی کو تعجب ہوا کہ کھانا کون کھا رہا ہے، کوئی باہر سے مہمان تو نہیں آگیا۔

جب حضرت کو اس قصہ کا علم ہوا تو فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ ہمارے بچے بھوکے رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت ہم روزانہ خوب کھاتے ہیں کبھی زیادتی

ہو جاتی ہے۔ وہ میرا جوانی کا زمانہ تھا، اب ہم کھانے پینے کے نہیں رہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''آپ بیتی'' صفحہ ۲۲۰۔ جلد ۴

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مولانا محب الدین صاحب کا ارشاد

ارشاد فرمایا: مولانا محب الدین ولایتی (جو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف تھے)، مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس حرم میں بیٹھا ہوا تھا۔ مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اس وقت حرم میں کون آ گیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین کے پاس آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا، میں بھی تو کہوں کہ آج حرم میں کون آ گیا۔ یہ کہہ کر مصافحہ کیا اور معانقہ ہوا اور سعی کے لئے آگے بڑھ گئے۔ مولانا محب الدین اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں، ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا محب الدین صاحب کا ایک کشف

ارشاد فرمایا: ۱۳۳۸ھ میں جب میرا پہلا سفر حج حضرت سہارنپوری کے ساتھ ہوا تو اس سفر میں مولانا محب الدین صاحب باحیات تھے۔ حضرت سہارنپوری سے معانقہ کرتے ہوئے فرمایا، مولانا آپ یہاں کہاں آ گئے، یہاں تو قیامتِ کبریٰ قائم ہونے والی ہے۔ فوراً رمضان کے بعد ہندوستان واپس لوٹ جاؤ کیونکہ شریف حسین کے بعد ابن سعود کا وفد آنے والا تھا۔ حضرت اقدس نے ہم خدام سے فرمایا کہ میں تو مدینہ پاک میں قیام کے ارادے سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب اس کو سختی سے منع کرتے ہیں۔ میری تو مدینہ پاک حاضری کئی مرتبہ ہو چکی ہے تم لوگوں کا پہلا حج ہے نہ معلوم پھر حاضری ہو نہ ہو، اس لئے تم لوگ ہو آؤ۔

فرمایا: وہ زمانہ اس قدر بدامنی کا تھا کہ حج سے پہلے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور حج کے

بعد تو بہت ہی قلیل، نہ جانیں محفوظ تھیں نہ مال۔ شریف حسین کی حکومت کا اثر مکہ کی چہار دیواری سے باہر نہ تھا، قتل و غارت گری عام تھی۔ مدینہ پاک میں صرف تین دن قیام کی اجازت تھی، اس سے زائد اگر کوئی ٹھہرے تو فی یوم ایک گنی (اشرفی) اپنے بدو کو دے، بشرطیکہ وہ بھی اس پر راضی ہو۔

مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کا پُر خطر سفر

ارشاد فرمایا: ہم چند خدام حضرت اقدس کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے انہی خطرات میں اولاً سمندر کے کنارے کنارے اور اس کے بعد جبل غائر کی گھاٹیوں میں چھپتے ہوئے روانہ ہوئے۔ اس سفر کی داستان بہت طویل ہے اور اللہ کے احسانات قدیمہ جو ہمیشہ اس ناکارہ پر ہیں اس کا ایک کرشمہ وہ سفر بھی تھا۔ راستے میں حضرت نے ہمارے قافلے کا ''الائمۃ من قریش'' کے پیش نظر مجھے امیر بنایا تھا اور ہم لوگوں کو آمدو رفت اور تین دن قیام کا حساب لگا کر معمولی پیسے دے دیئے اور بقیہ رقوم سب رفقاء کی مکہ مکرمہ میں حاجی علی جان کی دکان پر جمع کرادی تھی۔ اس سفر میں ہمارے قافلے میں بعض لوگ شکاری بھی تھے جو شکار کرتے تھے اور اس کو پکاتے تھے کبھی دنبہ بھی خرید لیتے تھے۔ البتہ ہمارے ساتھی کھچڑی پکاتے تھے۔ میرا دستور یہ تھا کہ ہر منزل پر اُتر کر میں پورے قافلے کا گشت کرتا اور خبر گیری کرتا۔ یہ لوگ کھانا پکاتے۔ تین چار دن کے بعد ماموں لطیف کو دلچسپی سوجھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ امیر صاحب اِدھر اُدھر گھومتے ہیں اب انہیں کھچڑی پکانی ہے۔ مولانا منظور احمد خاں صاحب نے کہا کہ یہ امیرِ قافلہ ہیں مگر ماموں لطیف کا اصرار تھا۔ میں نے دیگچی میں پانی بھر دیا اور دو ڈوئی میں نمک ڈالنے کے لئے اُٹھایا۔ اس پر ماموں لطیف بہت خفا ہوئے اور چلا کر کہا کہ ''ارے یہ کیا کر رہے ہو؟'' ہمارے قافلے میں ایک سہارنپور کی بڑھیا عورت اور اس کا شوہر تھا۔ وہ عورت یہ سب سن رہی تھی۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں کو پکانا آتا ہے، اِنہیں نہیں آتا۔ اس پر ماموں لطیف اور خفا ہوئے۔ بڑھیا نے کہا ان کی طرف سے میں کھانا پکادوں گی۔ اس پر اور زیادہ برہم ہوئے کہ ہماری باری میں کیوں نہیں کہا۔ قافلے میں کچھ پٹھان بھی تھے۔ وہ

آئے اور انہوں نے کہا کہ "شیخ کھچڑی پکائیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا یہ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے" اسی طرح مرادآباد، کانپور وغیرہ کے حضرات نے بھی دعوتیں دیں اور کہا کہ حضرت نے ان کو امیر بنایا ہے، یہ کھانا نہیں پکائیں گے۔ بفضلِ تعالیٰ راستہ بھر گوشت ہی کھایا، کھچڑی کی نوبت نہیں آئی۔

ارشاد فرمایا: چونکہ میں عربی جانتا تھا، تمام قافلے والوں کی طرف سے بدوؤں کی میں ترجمانی کرتا تھا۔ میرا بدو (جمال) تو گویا مجھ پر عاشق ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے کانٹا چبھ گیا تو وہ بہت پریشان ہوا اور کہا "یہ کانٹا تمہارے پیر میں نہیں میرے دل میں چبھا ہے"۔ اور وہ اپنے پیسے راستے میں میرے پاس جمع کرتا تھا۔ مگر جب یہ بدو حرم مکہ میں پہنچے تو چونکہ قافلے والے ان سے تنگ تھے اس لئے موقع پاکر ان کو ایسا بھگایا کہ میرے بدو کے کچھ پیسے بھی میرے پاس رہ گئے جس کو میں نے مدرسہ صولتیہ میں داخل کردیا۔

مدینہ منورہ میں تین دن کے بجائے ایک چلہ قیام کی غیبی صورت

ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے احسانات قدیمہ "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" کی ایک مثال یہ ہے کہ تین دن کے بجائے مدینہ پاک میں ایک چلہ قیام کی حق تعالیٰ نے صورت پیدا فرمادی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر تعب وتکان کی وجہ سے ہمارے جمال کا ایک اونٹ مرگیا، نہ تو جمال کے پاس اتنے دام تھے کہ وہ اونٹ لے سکے اور نہ ہم لوگوں کے پاس اتنا تھا کہ وہ ہم سے قرض لے سکے۔ اس لئے وہ جمال جب کہتا کہ مجھے قرض دے دو کہ میں اونٹ خریدوں، تو ہم لوگ کہتے تو اگر قرض دے تو ہم اپنے کھانے کا انتظام کریں۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہم لوگ تین روز کا خرچ لائے تھے۔ غرض وہ بے چارہ اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ غریب ہمیشہ اپنی تاخیر وتقصیر پر معذرتیں کرتا رہا۔ رفقاء میں سے کبھی کبھی کوئی شخص امیرِ مدینہ سے جاکر شکایت کردیتا امیرِ مدینہ بھی معذرت کے ساتھ صبر کی تلقین فرماتے اور بدو کو ڈانٹ پلاتے۔

روضۂ پاک پر درخواست اور واپسی کی غیبی صورت

ارشاد فرمایا: اس طرح جب چالیس روز ہوگئے تو میں نے جاکر روضۂ پاک پر عرض

کیا کہ حضرت ہم میں کئی حضرات حج بدل پر آئے ہیں انہیں دشواری ہو رہی ہے۔ چنانچہ شام کو ہمارے بدو کو ایک اونٹ مل گیا اور ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ کل سے مولانا شیر محمد صاحب تم کو تلاش کر رہے ہیں۔ ان سے صرف یہ پہچان تھی کہ وہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلفاء میں سے تھے اور میں مولانا یحییٰ صاحب کا صاحبزادہ۔ چنانچہ حرم میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے قافلے کے بارے میں یہاں شہرت ہے کہ ہندوستان کے فقیروں کا ایک قافلہ یہاں پڑا ہوا ہے۔ ہمارا قافلہ امیروں کا شمار ہوتا ہے اس لئے مجھے تمہاری تلاش تھی کیونکہ ہمارے ساتھیوں کے پاس پانچ سو گنیاں ہیں۔ ساتھ لے جانے میں خطرہ ہے اس لئے آپ اپنے ساتھ لے جائیں آپ کے قافلے سے کوئی تعرض نہیں کرے گا کیونکہ وہ فقراء کے قافلے سے مشہور ہو چکا ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ تکیہ میں چاقو مار کر دیکھتے ہیں اس لئے ساتھ لے جانا دشوار ہے۔ جب انہوں نے بہت اصرار فرمایا تو میں نے کہا میں ان کو لے جاؤں گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ ان کے روپے بنا کر مجھے دے دیں۔ اور ساتھ ہی ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان کو خرچ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان پہنچ کر چار مہینے میں یہ رقم انشاء اللہ آپ کو ادا کر دیں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حضرت اقدس کو اس کی خبر نہ ہو۔ چنانچہ وہ ان گنیوں کے ساتھ ہزار بنا کر لائے۔ میں اس رقم کو لے کر اپنے قافلے میں آیا اور اعلان کیا کہ اگر کسی کو ضرورت ہو تو مجھ سے قرض لے لے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مدینہ پاک میں مذاق؟ جب میں نے روپے دکھائے تو یقین آیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو دو شرط کے ساتھ قرض دیا۔ ایک یہ کہ حضرت کو خبر نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہندوستان پہنچ کر دو مہینے کے اندر یہ رقم مجھے ادا کر دی جائے تاکہ میں حسبِ وعدہ وہ رقم مولانا شیر محمد صاحب کو واپس کر دوں۔ الحمد للہ ہندوستان آ کر وہ رقم ادا کر دی۔ مدینہ پاک میں اس زمانے میں کسی سے جان پہچان نہیں تھی حضرت مولانا سید احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جان پہچان تھی مگر ان کے خاندان کا مدینہ پاک سے اخراج ہوا تھا اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مالٹا میں قید تھے۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! اللہ سے مانگو، خوب مانگو۔ دینے والا وہی ہے۔

ایک استفتاء

ارشاد فرمایا: علماء کرام! تم لوگوں سے میں خفا ہوں۔ جب میں کوئی بات کرتا ہوں تو تم ٹوکتے کیوں نہیں؟ جب حضرت شاہ اسمٰعیل شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ٹوک سکتے ہیں تو تم مجھے کیوں نہیں ٹوکتے؟ یہ سفر مدینہ کا ذکر آیا اس میں تفاخر تو نہیں؟ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب مدظلہ نے عرض کیا نیت پر موقوف ہے۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر جائز ہے۔

جمل حسیر کا مطلب

ارشاد فرمایا: اس سفر میں میں نے دیکھا کہ بدو اونٹ کے چلتے چلتے اس کے خصیتین پر ہاتھ لگاتا ہے۔ میں نے اس سے اس کی مصلحت دریافت کی تو اس نے کہا کہ اونٹ چلتے چلتے حسیر ہو جاتا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ''باب من احیی حسیراً'' جلد ۴ ص ۲۹۴ پر ہے۔ راستے میں ایک اونٹ کو میں نے دیکھا کہ ویسے ہی کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حسیر ہو گیا ہے، گویا تپ دق کا آخری درجہ ہے۔ کھڑے کھڑے مر جائے گا۔ اس کی علامت خصیتین پر ظاہر ہوتی ہے، ان پر ورم آجاتا ہے۔ اسی کو معلوم کرنے کے لئے بدو ہاتھ لگاتا تھا۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی نماز

ارشاد فرمایا: اس سفرِ حج میں ہمارا رمضان جہاز سے شروع ہو گیا تھا اس لئے قرار یہ پایا کہ آدھا پارہ حضرت تراویح میں پڑھا کریں گے اور پون پارہ میں پڑھوں گا۔ مجھے بھی جہاز میں چکر آتا تھا اور مجھ سے زیادہ حضرت کو آتا تھا۔ ۷، ۸ دن لگے تھے مگر حضرت کو کہاں سے قوت آجاتی تھی کہ پوری نماز نہایت سکون سے کھڑے ہو کر ادا فرماتے اور فراغت کے بعد بیٹھنا مشکل تھا۔

حضرت رائپوری کے ۱۳۴۵ھ کے سفرِ حج کا ایک قصہ

ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۴۵ھ میں سفرِ حج کیا۔

میں اس زمانے میں حضرت سہارنپوری کے ساتھ حجاز مقدس حاضر ہوا تھا تو حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آٹھ مہینے سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی اس لئے یہ سفر میں نے تم سے ملاقات کے لئے کیا ہے۔ چنانچہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ کو مدینہ منورہ سے حضرت رائپوری کی میرے ہی ساتھ مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی۔ اس سفر میں بھی ''الائمۃ من قریش'' کہہ کر مجھے امیرِ قافلہ بنایا گیا۔ حضرت کے خدام آپ کا شغدف اچھی طرح باندھتے تاکہ سفر میں راحت رہے۔ ایک شریک قافلہ رئیس کو اس بات کی شکایت رہتی کہ ان کا شغدف اچھی طرح نہیں باندھا جاتا۔ ان کے بار بار شکایت کرنے پر میں نے بحیثیت امیر کے حکم دیا کہ وہ حضرت کے شغدف میں سوار ہوں اور حضرت ان کے شغدف میں۔ حضرت تو اپنے شغدف سے فوراً اتر گئے، ان رئیس صاحب نے اترنے سے انکار کردیا۔ اس پر میں نے کہا پھر حضرت پیدل چلیں گے۔ حضرت نے بخوشی منظور کرلیا اور پیدل روانہ ہوگئے۔ رئیس نے بڑی معذرت کی اور بڑے اصرار سے آپ کو سوار کیا، پھر شکایت نہیں کی۔

حجاج کی مادی سوغات لانے پر اظہارِ ناپسندیدگی

ارشاد فرمایا کہ حجاج میرے لئے جو مادی چیزیں مصلّٰی وغیرہ لاتے وہ مجھے پسند نہیں۔ یہ چیزیں کافر ملکوں سے بن کر آتی ہیں اور صندوق میں بند رہتی ہیں شاید ہی مکہ مدینہ کی ہوا لگی ہو۔ حج کو جانے والوں سے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ میرے لئے کوئی چیز نہ لاؤ۔ اگر تمہیں محبت ہے تو حج وعمرہ لاؤ، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ عمرے کی تعداد قریباً ایک لاکھ اور حج کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ چکی ہوگی جو میرے دوستوں نے میری طرف سے کئے ہیں۔ اسی رمضان المبارک میں بیس پچیس عمرے کی اطلاع آئی ہے۔ یہی حال قربانیوں کا ہے۔ ارشاد فرمایا اپنے محسنوں کے احسان پر ان کے لئے دعائیں کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ محسن کے لئے ''**جزاک اللہ خیراً**'' کہا کرو، اللہ کے برابر کون بدلہ دے سکتا ہے۔ یہ میری وصیت بھی ہے اور نصیحت بھی کہ اپنے محسنوں کے لئے دعا کیا کرو۔ ہم بغیر سوال کے صورتِ سوال بنے ہوئے ہیں۔

ارشاد فرمایا کھجور و زمزم کے سوا اور کوئی چیز مجھے پسند نہیں۔ میں جب بھی حجاز مقدس حاضر ہوا تو اپنے گھر والوں کے لئے وہاں سے کپڑے وغیرہ کے قسم کی کوئی چیز نہیں لایا۔

مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جب وہاں حاضری ہوئی تو مسجدِ نبوی میں ان کی تین چار گھنٹے تقریریں روزانہ ہوتی تھیں۔ میں بھی اس میں بیٹھتا تھا، محبت و خوشی سے نہیں بلکہ استفادہ کی نیت سے۔ اس سفر میں مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے یکدم بہت ترقی کی اور بہت اُونچی اُڑان اُڑا۔ وہاں کی نشست میں مسجدِ نبوی کے کبوتروں کے پروں کو جمع کیا کرتا تھا اور انہی کو یہاں بطور تحفے کے لایا تھا اور اس کے بعد کے سفر میں حدیبیہ و جبلِ اُحد کے آس پاس سے کچھ پتھر لایا تھا۔ خدام سے کہہ دیا تھا کہ ان کو اپنے بکسوں میں ڈال لو۔ مواجہ شریف کے سامنے نالی بن رہی تھی وہاں کی مٹی اُٹھا کر لایا تھا۔ حاجی یعقوب (بمبئی) کو بھی ایک تھیلی بھیجی تھی یہاں آ کر اپنے دوستوں کو بھی دی تھی۔

ارشاد فرمایا: حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی مرتبہ کراچی سے دلّی ہوائی جہاز سے تشریف لائے تو ملاقات کے وقت فرمایا، جب میرا ہوائی جہاز پر بیٹھنا ہوا تو جی چاہا کہ آپ بھی ایک مرتبہ ہوائی جہاز پر سفر کریں۔ پاکستان کے لئے آپ منظور نہیں کریں گے۔ اس لئے اب سوچا ہے کہ آپ کے ساتھ حجاز مقدّس کا سفر کریں گے، چنانچہ سفر کا انتظام کیا گیا، لیکن اس سال ہندوستان میں کالرا پھیلنے کی شہرت کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے قرنطینہ کے سخت احکام نافذ کر دیئے گئے تھے اس کی وجہ سے ہوائی جہاز سے سفرِ حجاز بند ہو گیا، اس لئے میں نے تو ملتوی کر دیا، البتہ حضرت اقدس مع اپنے خدام کے تشریف لے گئے۔

جب واپس تشریف لائے تو حضرت فرمانے لگے، جانے سے واپسی تک یہ سوچتا رہا کہ تمہارے لئے کوئی ایسی چیز لے آؤں جس سے تم کو خوشی ہو۔ بہت سوچ کر مسجد نبوی سے تمہاری نیت سے عمرہ کا احرام باندھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس پر میرے ہزاروں عمرے قربان۔ اس کے بعد میری نیت سے حج و عمرے کی کثرت ہو گئی۔ مولانا علی میاں کا مستقل دستور ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ ''جب طواف شروع کرتا ہوں تو پہلا آپ کی طرف سے کرتا ہوں''۔ ایک صاحب آئے۔ وہ سُنا گئے کہ انہوں نے میری نیت سے اسّی (۸۰) عمرے کئے۔

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مجاہدہ

ارشاد فرمایا: ابتداء میں تھوڑے مجاہدے ضرور برداشت کرنا پڑیں گے۔ سوانح حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سردی کا موسم تھا، میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کے لئے نہیں تھا۔ شام کو مغرب سے لے کر عشاء تک وضو کے لئے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا اور اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا۔ پھر نماز عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی لپیٹ لیتا تھا مگر اس میں بھی پاؤں اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا اور ذکر شروع کر دیتا اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گزارتا۔ اسی طرح موسم سردی کا گزر گیا مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آتی ہو۔ چنانچہ ہر سال حضرت نہایت عمدہ عمدہ لحاف مجھے ضرور عنایت فرماتے جو میں اپنی لڑکیوں میں سے کسی کو دیدیتا تھا۔

چچا جان کا مجاہدہ

ارشاد فرمایا: میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ جب میرے چچا جان (بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ) کی نوجوانی کا عالم تھا، ان پر مجاہداتِ سلوک کا بہت زور تھا۔ گنگوہ میں خانقاہ قدوسیہ کے پیچھے ایک مختصر آب چکی تھی اس میں ایک بوریئے پر آنکھ بند کئے دوزانوں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ میری فارسی اس زمانے میں شروع کرائی تھی۔ میں کتاب پڑھتا، جہاں انھیں کچھ کہنا ہوتا اُنگلی کے اشارے سے فرماتے۔ اگر عبارت سمجھ میں نہ آتی تو کتاب بند ہو جاتی۔ میں نے اپنے والد صاحب کا اصول تعلیم بیان کیا تھا کہ شاگرد کا کام حل کرنا اور استاد کا سُننا ہے۔ اس زمانے میں چچا جان فرماتے کہ اگر تم چھ مہینے خاموش رہو تو میں تم کو ولی بنادوں۔

لب بند وچشم بند وگوش بند
گر نہ بینی سرحق برما بخند (رومی)

یہ تین کام کرلو حقیقت نظر آ جائے گی۔

اس زمانے میں چچا جان کو جَو کی روٹی کا اتباعِ سنت میں کھانے کا شوق ہوا اور ان کے ساتھ ہم نے بھی زور دکھلائے۔ تقریباً چھ مہینے تک چچا جان کا دستور رہا۔ اس کے بعد بیماری کی وجہ سے حکیم نے منع کر دیا۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان نے ایک مرتبہ مجھے خط لکھا۔ اس میں تحریر فرمایا کہ کئی دن سے ایک ضروری خط لکھنا چاہتا تھا مگر لفافے کے لئے پیسے نہیں۔

ارشاد فرمایا: چچا جان کا نظام الدین میں جب پیری کا دور شروع ہوا تو ماموں لطیف مرحوم ایک رمضان میں نظام الدین حاضر ہوئے۔ خیال ہوا کہ خوب کھانے کو ملے گا۔ جب افطار کا وقت آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ افطار کے وقت چچا جان نے گولر منگوا کر دیئے اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک نوافل میں مشغول ہو گئے اور عشاء کے بعد تراویح پڑھ کر سو گئے۔ ماموں لطیف بے چارے افسوس میں رہے کہ بھائی جی کے یہاں کھانے پینے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ سحری کے وقت وہی دو چار گولر آئے۔ صبح ہوئی تو ماموں لطیف نے کہا میں دلّی جانا چاہتا ہوں، چچا جان نے اصرار سے روک لیا۔ چنانچہ شام کو کہیں سے ایک دیگ پلاؤ کی آ گئی، بلا کر ماموں لطیف کو کھلایا۔

مجاہدے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اضطراری اور دوسرا اختیاری، دوسرا زیادہ اہم ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا مجاہدہ

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان کے زمانے میں مولوی یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بڑے مجاہدے کئے اور مشغول رہا اور محنت کی۔ ان مجاہدوں کا ثمرہ اس کی زندگی میں خوب ظاہر ہوا۔ چچا جان کے زمانے میں دہلی کے احباب کا بہت اصرار تھا کہ صاحبزادے سلمہ کو شادی میں ضرور لائیں مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں میرا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا، بھائی جی فلاں جگہ جانے کو نہ کہیں۔ چچا جان

مجھ سے ارشاد فرماتے یوسف کو بھی ساتھ لے لیجیو تو میں یہ معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں

ایک صاحب نے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس پر حضرت اقدس مدفیوضہم نے اپنے اکابر کے چند واقعات سُنائے۔

ارشاد فرمایا: سر رحیم بخش صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں میں تھے، دونوں جگہوں پر موثر۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے ان مدرسوں میں کھانے پینے کی جو احتیاطیں تھیں وہ تو جاتی رہیں جو چاہو کھلا دو۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی کے تقویٰ کا اثر ہمارے خاندان میں بہت رہا۔ ورع و تقویٰ ان کا خاص جوہر تھا۔ مشہور و مسلّم بات تھی کہ ان کے معدے نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی۔ یہ حضرت شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد تھے۔ زمانہ طالب علمی میں یہ صرف بازار کے ہوٹل سے روٹی خریدتے اور سالن نہیں لیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی تھی۔ دریافت کرنے پر فرمایا، آموں کی بیع دلّی میں قبل از وقت ناجائز طریقے پر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ مولانا نواب قطب الدین صاحب مظاہر حق نے اکابر مولانا شاہ اسحاق صاحب، مولانا یعقوب صاحب اور مولانا مظفر حسین صاحب وغیرہ کی دعوت کی۔ ان سب حضرات نے منظور فرمالی، لیکن مولانا مظفر حسین صاحب نے جانے سے انکار کردیا۔ اس سے نواب قطب الدین خان کو ملال ہوا۔ انہوں نے شاہ صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین کو بھی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کردیا۔

شاہ صاحب نے مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا۔ ارے مظفر حسین! تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہوگئی ہے۔ کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا، حاشا وکلّا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ مقروض ہیں اور جتنا یہ خرچ کریں گے وہ ان کی

حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔

ارشاد فرمایا: مولوی زبیر کا کراچی سے خط آیا کہ میں نے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا تھا کہ جب کھانا مشکوک ہو تو دعا کہاں سے قبول ہوگی۔ ہم لوگ مدرسہ کے ملازم ہیں۔ چندہ کا روپیہ آتا ہے جو مشکوک ہوتا ہے اس لئے میں نے ملازمت کے ترک کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ میں نے جواب لکھا یا کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کرنا۔ اب تجارت کہاں پاک رہی۔

مولانا مظفر حسین صاحب ایک مرتبہ مولوی نورالحسن صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم کو دیئے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لئے لا دیں تاکہ گڑبڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا، اس میں فیرینی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہوگئی۔ مولوی نورالحسن صاحب بہت پریشان ہوئے۔ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے ادھار میں لے آیا تھا۔

ارشاد فرمایا: "بی امۃ الرحمٰن" جو مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں جن کو عام طور سے خاندان میں "اُمّی بی" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ایک رابعہ سیرت بی بی تھیں۔ دن بھر مصلّے پر رہا کرتی تھیں۔ ان کے دو صاحبزادے تھے، مولوی شمس الحسن، رؤف الحسن صاحب جو مولوی احتشام کے والد ہیں۔ ماموں رؤف الحسن حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اور ماموں شمس الحسن صاحب میرے حضرت سے بیعت تھے۔

ماموں شمس الحسن آبکاری کے داروغہ تھے۔ ان کی باتیں عجیب بھی تھیں۔ اپنے افسروں سے لڑا کرتے تھے مگر رشوت کا کوئی پیسہ نہیں لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بڑے افسر نے ان سے کہا کہ میں تمہاری تنخواہ میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں غالباً دو سو کے چار سو کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میری تنخواہ بہت زائد ہے، کیونکہ میرے سوا اس تنخواہ کا ایک پیسہ بھی میرے خاندان کا کوئی فرد استعمال نہیں کرتا۔ حتیٰ کے میری بیوی بھی میرے پیسے کو استعمال نہیں کرتی۔ چنانچہ ان کے چچا مظفر نگر سے بہلی کر کے ان سے

ملاقات کے لئے جاتے اور شام تک واپس چلے جاتے اور یہ فرماتے کہ تمہارے سوا اور کسی کے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں اور تمہارے یہاں کھانا کھا نہیں سکتا۔

مولوی رؤف الحسن صاحب وکیل تھے مگر ان کی آمدنی کو خاندان کا کوئی فرد استعمال نہیں کرتا تھا۔ اب تو ہم مولویوں نے سب جائز بنا رکھا ہے۔ مولوی رؤف الحسن صاحب اچھے حافظ قرآن بھی تھے۔

ایک مرتبہ کاندھلہ گئے، ''بی اماں'' نے ان سے کہا (۲۹ کا چاند نظر نہ آیا) تمہارے رہنے سے کیا فائدہ؟ قرآن سُنا دو، چنانچہ انہوں نے تراویح کے بعد نفل نماز کی پہلی رکعت میں پورا قرآن پڑھ ڈالا اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھ کر نماز پوری کی اور اپنے جوتے اُٹھا کر چل دیئے اور یوں فرمایا کہ ''میرے بس کا تو تھا نہیں مگر آپ کی خاطر میں میں نے اس طرح پڑھ ڈالا''۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! ناجائز آمدنیوں سے بچتے رہو۔

؎ من نہ کردم شما حذر بکنید

ہم نے سُنا ہے جس کا رمضان اچھی طرح گزر جائے اس کا سارا سال اچھا گزرے گا۔

ایک دیہاتی مبلغ کا قصہ

ارشاد فرمایا: میرا ایک مخلص نوجوان غلام نبی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو بلند درجات عطا فرمائے۔ پہلے اس کا جوڑ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ اخلاص کے ساتھ تعلقات میں سارے قانون ختم ہو جاتے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اس کا تعلق مجھ سے قائم ہو گیا۔ اس میں دو باتیں عجیب تھیں، ایک یہ کہ وہ مسئلے بہت پوچھا کرتا تھا، قاری سعید مرحوم (مفتی مظاہر علوم اس کا بہت خیال کرتے تھے۔ جب وہ آ جاتا تو اس کے مسائل کے جوابات دیتے تھے، وہ مبلّغ تھا۔ ہفتہ بھر گھومتا تھا۔ بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا، مساجد بنوائیں۔ اس سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو لکھ لیتا اور ہفتہ بھر کے بعد جواب دیتا۔ وہ کہا کرتا تھا جتنی بیماریاں ہوتی ہیں وہ سب سالن سے ہوتی ہیں۔ وہ اپنے سفر میں تین چار روٹیاں اپنے کپڑے میں باندھ لیتا تھا اور انہیں کو کھاتا تھا اور میرے دستر خوان پر بھی وہ صرف روٹی کھاتا۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ بعض دفعہ مجھ پر بھی اعتراض کرتا تھا۔ مخلص آدمی جب اعتراض کرتا ہے تو تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جتنے بزرگ پان کھایا کرتے ہیں وہ پیسے بچا بچا کر دین میں لگاتے تو کتنا فائدہ ہوتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تو پان نہیں کھاتے تھے۔

پہلے مجمع کم ہوتا تھا۔ جمعہ کی مجلس کچے گھر میں ہوتی تھی۔ پہلے میں نو بجے آیا کرتا تھا اور اب مجبوریوں کی وجہ سے مجلس گیارہ بجے ہوگئی ہے۔ ایک مرتبہ جمعہ کی مجلس میں آیا اور کہنے لگا حضرت جی! جتنے لوگ گاؤں سے آتے ہیں وہ سلام کرتے ہیں اور مولوی جتنے آتے ہیں وہ چپکے سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے کہنے کے بعد میں نے خیال کیا تو ایسا ہی پایا۔

اس کا انتقال عجیب وغریب شان سے ہوا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا میرا حج کا ارادہ ہے۔ میرے پاس پیسے روپے کچھ زیادہ تو نہیں ہیں مگر میں دلّی تبلیغ کے لئے جا رہا ہوں۔ اگر وہاں سے جوڑ بیٹھ گیا تو حج کو چلا جاؤں گا ورنہ تبلیغ کرتا رہوں گا، مگر کسی سے آپ ذکر نہ فرمائیں۔ لوگ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے، میں ان سے کہتا کہ وہ تبلیغ میں گیا ہے۔ پھر اس کا بمبئی سے خط آیا کہ وہ سفر حج کے لئے روانہ ہوا۔

حج سے فراغت کے بعد اس کی واپسی ہوئی، واپسی میں سخت بیمار ہوا۔ بمبئی میں احباب نے اس کا سامان وغیرہ دیکھ کر پتہ چلایا کہ اس کا مجھ سے بھی تعلق ہے۔ چنانچہ لوگوں نے ٹکٹ وغیرہ خرید کر اس کو ٹرین پر سوار کر دیا۔ وہ سہارنپور آیا اور یہاں سے وہ اپنے گاؤں چلا گیا۔ بخار کی حالت میں اس کا ہر چیز کھانے کو جی چاہتا۔ لوگ کہتے کہ پہلے تو کھاتا نہیں تھا اب کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا جو اس کے مقدر میں ہے وہ تو کھا کر جائے گا۔

ایک بزرگ کا مجاہدہ

ارشاد فرمایا: ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا، آپ روزانہ کیا خرچ کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سال بھر میں تین درہم۔ انہوں نے بتایا کہ ایک درہم کا شیرہ لیتا ہوں اور ایک درہم کا چوڑا اور ایک درہم کا گھی اور اس کے ۳۶۰ لڈو بنا لیتا ہوں، روزانہ افطار میں ایک لڈو کھا لیتا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ جن ایام میں روزہ نہ رکھتے ہوں گے ان میں بھی روزانہ ایک لڈو پر قناعت کرتے ہوں گے۔

صوفی عبدالرّب کا قصہ

ارشاد فرمایا: ایک صوفی عبدالرّب صاحب (مجاز حضرت اقدس تھانوی) ہیں۔ میرا روزانہ کا صرف پان کا خرچ تیس چالیس روپے تک کا ہوتا ہے۔ عرصہ ہوا لکھنؤ سے ایک جماعت آئی اس میں مولانا علی میاں اور مولوی منظور نعمانی صاحب اور صوفی صاحب بھی تھے۔ چنانچہ علی میاں اور مولوی منظور صاحب نے جماعت والوں کو اصول بتائے اور سکھائے اور کہا کہ تم لوگوں کا قیام تبلیغی مرکز کی مسجد میں رہے گا۔

دیکھو شیخ کی دعوت قبول نہ کرنا، زیادہ اصرار ہو تو ایک وقت ان کے یہاں کھانا کھالینا۔ مگر ہم دونوں کے ان سے ایسے تعلقات ہیں کہ کھانا تو وہیں کھائیں۔ چونکہ صبح لکھنؤ والی ٹرین لکسر سے اکثر کافی لیٹ آتی ہے اور پریشان کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لیٹ آئی، غالباً ڈیڑھ بجے گاڑی آئی۔ صوفی صاحب کہیں پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ میرے یہاں آئے۔

بڑے حضرت رائپوری رحمہ اللہ علیہ کے خلفاء میں حضرت منشی رحمت صاحب تھے۔ وہ فرماتے ہیں ''مولوی کا دماغ جب چلے ہے جب دستر خوان تو ہو دوسرے کا اور انتظام ہو اس کا''، میرا بھی یہی حال ہے میرا دماغ دوپہر کے کھانے میں خوب کھلتا ہے۔ ان حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا، صوفی صاحب نے کھانے کے بعد ان دونوں سے کہا کہ آپ لوگ جو کچھ کہیں میں کھانا تو یہیں کھاؤں گا۔

پندرہ دن تک قیام رہا۔ جب وہ جانے لگے تو بہت دعائیں دیں، شاعر بھی تھے میرے ساتھ بھی شاعری برتی۔ انہوں نے مجھ سے تین باتیں دریافت کیں۔ ایک تو میں بھول گیا البتہ دو یاد ہیں۔ ان میں ایک بات یہ تھی کہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ سب چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ حقوق بھی ہیں۔ میں نے آپ کو بہت معتدل پایا اس لئے جواب کی درخواست ہے۔ میں نے کہا کہ اگر گھر میں بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام ہو تو ضرور تبلیغ میں جانا چاہئے اور اس کے خلاف مولویوں کی ایک نہ سُننا۔

البتہ اگر باہر جماعت میں جاؤ تو سب انتظام مکمل کرلو اور عین چلتے وقت بیوی سے تنہائی میں کہو، کہ سفر کا بہت سہم چڑھ رہا ہے، دل نہیں چاہ رہا ہے، تیری یاد بہت پریشان

کرے گی، کسی کام میں دل نہیں لگے گا، مگر مجبوری ہے ایسی پیش کش آ گئی کہ جائے بغیر چارۂ کار نہیں، جلدی سے جلدی واپسی کی کوشش کروں گا۔ یہ کہہ کر خوب اس سے مل کر چل دو اور اس سفر سے تھوڑے تھوڑے وقفے میں اس کی محبت اور یاد کے خطوط لکھتے رہو اور پھر واپسی پر سب سے پہلے اسی سے ملو اور کہو کہ سارے سفر میں تمہاری بہت یاد آئی، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، سب کاموں سے جان چھڑا کر خدا خدا کر کے آ گیا ہوں۔ اگر بیوی بچوں کا انتظام نہ ہو تو تبلیغ والوں کی باتوں پر عمل نہ کرنا۔

وہ جب یہاں سے واپس اپنے وطن (اناؤ) پہنچے تو ان کا اور ان کی بیوی دونوں کے خطوط آئے۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے گھر پر آ کر سب اُگل دیا، چونکہ ہمارے یہاں بیوی کو خطاب کرنے کا ''تُو'' کے ساتھ معمول نہیں ہے بلکہ ''آپ'' کے ساتھ ہے لیکن میں نے اس نیت سے کہ حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ میں برکت ہے وہ دوسرے لفظوں میں نہیں بلکہ بیوی سے وہی الفاظ کہے جو حضرت نے فرمائے تھے۔ اس کو یہ طرز خطاب بہت اجنبی معلوم ہوا۔ اس لئے پوچھا کہ ''یہ سبق کس نے پڑھایا ہے؟'' جب میں نے جناب کا ذکر کیا تو اس نے بھی شکریہ کا خط لکھا ہے۔

دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دستِ غیب حاصل ہے۔ میں نے آپ کی دکان کی آمدنی اور منی آرڈر کی خوب تحقیقات کیں مگر دونوں کی آمدنی روزانہ کے دسترخوان کے خرچ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ میں نے کہا کہ دستِ غیب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کبھی نقد نہ منگوائے، اُدھار منگوائے اور بھاؤ نہ پوچھے، بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو منگوا لے اور جب روپے کا مطالبہ کرے فوراً ادا کر دے، میرا یہی معمول ہے۔ قرض خوب ملتا ہے مگر جب ادائیگی کا اطمینان ہو۔

مہمانوں کی برکت سے حق تعالیٰ کھلاتا ہے

اس موقع پر ناچیز مرتب کو ایک واقعہ یاد آ گیا، جس کو تحریر کر رہا ہوں۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک رئیس صاحب سہارنپور حاضر ہوئے۔ ان کی آمد سے پیشتر مخدومی حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے حضرت اقدس سے ان کی آمد کا تذکرہ کر دیا تھا۔ حضرت مولانا

بھی سہار نپور تشریف رکھتے تھے۔ اور بھی کچھ اہم خصوصی مہمان آگئے تھے۔ دوپہر کو دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے دیکھ کران رئیس صاحب نے کھانے کے دوران میں حضرت اقدس سے ایک بے تکا سوال کیا کہ مولویوں کے یہاں تو یہ تکلفات نہیں ہوتے، کیا روزانہ کا یہی معمول ہے یا آج ہی کا ہے؟ جناب کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

اس پر حضرت نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ ''حق تعالیٰ مہمانوں کی برکت سے مجھے کھلاتا ہے''۔ حضرت اقدس مدفیوضہم کے یہاں دیکھا گیا ہے کہ جس درجے کے مہمان ہوتے ہیں ویسا ہی حق تعالیٰ شانہ انتظام بھی فرمادیتا ہے۔

ان رئیس صاحب نے کہا کہ ''حضرت! اگر جناب لکھنؤ تشریف لائیں گے تو ہم سے تو یہ اہتمام نہ ہو سکے گا''۔ حضرت اقدس نے فرمایا ''آپ اطمینان رکھیں لکھنؤ آنے ہی کا نہیں''۔

جو بزرگوں کی ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب اور انتہا کو دیکھے وہ ناکام

آج چار افراد کی ایک جماعت ترکی سے آئی تھی اور امریکہ کی جماعت بھی تھی۔ ایک صاحب ترکی میں اور دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمانی کررہے تھے۔

ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دانت تھے تو چنے نہیں ملے اور جب چنے ملے تو دانت ہی نہ رہے، یعنی جب کھانے کا زمانہ تھا تو عسرت وتنگی تھی اور جب فتوحات کے دروازے کھلے تو صحت ومعدے نے جواب دیدیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے ''جو ہماری انتہا کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب''۔ اس لئے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گزرتی ہے اور اخیر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہوجائے گا۔

اُوپر والے جملہ کو حضرت نے بار بار دُہرایا اور ارشاد فرمایا: میرے پیارو! اس پر غور کرلو اور تمام بزرگوں کی زندگی میں اس کا مطالعہ کرلو۔ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ پر اخیر زندگی میں بہت فتوحات ہوئیں اور ابتدائی زندگی میں فاقے

کرنے پڑے، یہاں تک کہ ایک دن ایک مخلص دوست سے دو پیسے قرض مانگے مگر اس نے عذر کر دیا۔ اس پر حضرت کو بہت رنج و قلق ہوا کہ اس سے کیوں مانگے تھے، جس نے اس کو دیا ہے اس سے کیوں نہ مانگے۔ رات میں زیارت ہوئی کہ ابتلاء کا دور ختم ہوا اس کے بعد فتوحات کے دروازے کھل گئے۔

حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مجاہدہ کا قصہ بیان کر چکا ہوں، نیز حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت اقدس (بڑے حضرت رائپوری) جب مہمانوں سے فارغ ہو جاتے تھے اور حضرت آرام فرماتے تو میں اخیر میں فارغ ہو کر معزالدین ناظمِ طعام کے پاس جاتا اور جو کچھ ہوتا کھا لیتا۔ اب ہمارے خدام سے مشکل ہے۔ ارشاد فرمایا:

؎ رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

دیکھو حنا (مہندی) کی پتی جب رگڑ دی جائے تو وہ رنگین بنا دیتی ہے اور اگر بغیر رگڑے ہوئے اس کے پتے رکھ دیئے جائیں تو کچھ نہ ہوگا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مسجدِ اجابت میں ذکر کرتا تھا، جی چاہتا تھا کہ اس کی دیواروں سے سر پھوڑ لوں۔

میرے پیارو! آدمی مجاہدوں سے بنتا ہے۔

ہم خدا خواہیو ہم دنیائے دوں
ایں خیال است ومحال است وجنوں

ہر کام کا ایک ضابطہ واصول ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے ڈاکٹری کے اصول وضابطے سیکھے، اس پر عمل کرنے سے کامیابی ہوگی۔ اسی طرح سلوک کے راستے میں کم کھانا، کم بولنا، کم سونا جس کو تم لوگ ''امداد السلوک'' میں سُنتے ہو ان پر عمل ضروری ہے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری معروف بہ میاں صاحب کا قصہ

ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ تھے جن کا مزار سہارنپور میں ہے۔ ان

کے ایک خادم مولوی روشن علی صاحب تھے اور مولوی روشن علی صاحب کے صاحبزادے مولوی فراغت علی صاحب تھے، ان کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو ان سے خاص تعلق تھا، میرا چاند کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک رات فضا میں ایک روشن دان جارہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے چاند! اگر تم کہو تو میں اس کو اُتار دوں۔ چنانچہ حکم دیا، وہ نیچے اُتر آیا۔ اس میں ایک پتلا تھا جس میں بہت سی سوئیاں تھیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ جادو۔ حضرت نے فرمایا کہ میری مانو گے یا جادوگر کی؟ اس نے کہا کہ آپ کی مانوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میری رائے ہے جہاں سے تم آئے ہو وہیں واپس جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس گیا۔ سنا ہے کہ وہ جادوگر مر گیا۔ حضرت نے فرمایا اس طرح اس کمبخت نے کتنے لوگوں کو ہلاک کیا ہوگا۔

اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ آسان ہے

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے "بہت سے پراگندہ سر، غبار آلود جن کو دروازوں سے دھکا دیا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کے قسم کی لاج رکھ لیتا ہے"۔ آدمی ریاضت ومجاہدے سے یہ مقام حاصل کرسکتا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے "لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوفل الخ"۔ آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔ آگے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد اس کے ہاتھ پیر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کا راستہ بہت آسان ہے، تجربہ بھی ہے، اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے۔

یعلم اللہ راہِ خدا بیش از دو قدم نیست
یک قدم برنفس خود نہ دیگرے برکوئے دوست

ارشاد فرمایا: بھائی دیکھو! جو کچھ کرو اللہ کی مرضی کے موافق کرو، اپنے جی ومرضی کے موافق نہ کرو۔ کچھ کرلو، رمضان المبارک میں اس کی مشق کرلو۔ ہمارے بزرگوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ملازمت نہ کرو، دکان نہ کرو۔

ہر نیکی صدقہ ہے

ارشاد فرمایا: حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ جب آدمی صبح کو صحیح وسالم تندرست اُٹھتا ہے تو تمام جوڑ کی صحت وسلامتی کے بدلے اس کے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے۔ اس حدیث میں آگے یہ مضمون ہے کہ ''آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے، یہ بھی صدقہ ہے''۔ اس روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے اس میں صدقہ ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ شانہ بہت ہی درجاتِ عالیہ اپنی اوران کی شایانِ شان عطا فرمائے۔ حضور اقدس ﷺ سے ذرا ذرا سی بات دریافت کر کے اُمت کے لئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے۔ حضور ﷺ نے صحابۂ کرام کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل گرادے یعنی حرام کاری کرے تو کیا گناہ نہ ہوگا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ضرور ہوگا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا پھر یعنی اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوگا؟

تصوف کیا ہے؟ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک قصہ

ارشاد فرمایا: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس الاحرار کے دیکھنے والے تو ابھی بہت ہوں گے اور سُننے والے تو بہت زیادہ۔ منتہا میں تو مرحوم کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی تھی اور تعلق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ بجائے دہلی کے سہارنپور میرے پاس رہنے کی تمنائیں بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے، بلکہ اصرار بھی۔ اور میں اپنے بیکار اوران کے باکار ہونے کی وجہ سے اس کو کبھی قبول نہیں کرتا تھا۔ لیکن ابتداء میں میرے اور مرحوم کے تعلقات بہت ہی خراب تھے۔ ان کی تو مظاہر میں کبھی اس زمانے میں آمد نہیں ہوتی تھی لیکن مجھے دیوبند کبھی کبھی حضرت قدس سرّہ کا فرستادہ بن کر کتب خانہ سے کسی کتاب کی تلاش میں مہتمین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں مشورہ کے لئے جانا ہوتا تھا۔ رئیس

الاحرار صاحب مجھ سے بہت واقف تھے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، مدرسہ کا مدرس ہوں۔ میں ان سے صرف اتنا واقف تھا کہ لدھیانہ کا کوئی طالب علم ہے جس کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی تعلق نہیں، لیڈری کرتا ہے۔ وہ چونکہ گھومتے رہتے تھے اس واسطے میری دیوبند کی ہر مرتبہ کی آمد پر دو تین مرتبہ ان کا سامنا ہوتا تھا اور وہ بہت چلّا کر مجھے سُنا کر بہت ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے، اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں سیاست سے بالکل بے تعلق، اخبار بینی کا دشمن ہوں اور اس زمانے میں دیوبند وسہارنپور میں اخبار بینی آئی بھی نہیں تھی۔ سہارنپور کا کوئی طالب علم یا مدرس تو اخبار بینی جانتا ہی نہ تھا کہ کیا بلا ہے؟

حضرت قدس سرّہ کی چارپائی پر عصر کے بعد دو چار اخبار پڑے رہتے تھے جن کو کوئی باہر کا مہمان اُٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب اور ان کے ہمنوا تو نہایت مخالف اور اخبار کے دشمن، لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مدرسین کوئی ایک آدھ دیکھ لیتا تھا۔

رئیس الاحرار مرحوم جب مجھے دیکھتے، دُور سے چلّا کر کہتے ایسے شخص کا وجود زمین پر بوجھ ہے یہ مر کیوں نہیں جاتے، ان کے لئے زمین کا اندرون زمین کے بیرون سے بہتر ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اور اس ناکارہ کی اتنی جرأت تو نہیں ہوتی تھی کہ پکار کے کچھ کہتا مگر ایک دو طالب علم جو مجھے دیکھ کر میرے ساتھ ہو لیتے تھے ان سے پیاماً کہلوا دیتا کہ اس شخص کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے، مدرسہ کا چندہ لیڈری کے واسطے نہیں آتا۔ جس شخص کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی واسطہ نہ ہو، مطالعہ، سبق سے کوئی کام نہ ہو اس کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے۔ مدرسہ کے اندر قیام ناجائز ہے، مدرسہ کی ہر قسم کی اعانت حاصل کرنا گناہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس پیام پر مرحوم اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا کرتے۔

کئی سال یہی قصہ رہا، مگر اللہ جل شانہ نے ان کی دستگیری فرمائی کہ اعلیٰ حضرت قدوۃ الاتقیاء فخر الاولیاء حضرت الحاج شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ کے اخیر زمانہ حیات میں حضرت قدس سرّہ سے الحاج شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ اس زمانہ کا دستور یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت سے جو شخص بیعت ہونا

چاہتا ضعف ونقاہت کی وجہ سے حضرت خود تو نہ فرماتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہ بیعت کے الفاظ کہلا دیتے تھے۔ بڑوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اثر سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ تعلق رنگ لائے بغیر نہیں رہتا اور اخیر میں تو رئیس الاحرار کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ سے عشق کا تعلق ہو گیا تھا اور حضرت کی وجہ سے اس سیہ کار سے بھی۔ لیکن شروع کے چند سال ایسے گزرے کہ مرحوم اپنی سیاست میں رہتے۔ کلکتہ، بمبئی اور پشاور وغیرہ ان کی گزرگاہ تھی اور سہارنپور ہر جگہ کا جنکشن۔ اس لئے جب سہارنپور سے گزر ہوتا تو ہم روز واپسی یا ایک شب قیام کے لئے رائپور بھی جاتے، اس کے دیکھنے والے آج بھی سینکڑوں ہیں کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس سیہ کار کے ساتھ عشق کا سا تعلق تھا۔

جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ سناتا ہوں کہ میرے مخلص دوست صوفی اقبال پاکستانی ثم المدنی جو پاکستان میں ملازم تھے جب حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان جاتے اور صوفی اقبال مجھے خط لکھتے تو بہت اصرار سے مجھے لکھا کرتے کہ خط کے جواب میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو سلام ضرور لکھ دیجیو۔ اس لئے کہ جب میں عصر کے بعد مجلس میں یوں کہہ دیتا ہوں کہ شیخ کا خط آیا ہے حضرت کو سلام لکھا ہے تو فوراً چارپائی کے قریب بلایا جاتا ہوں اور فوراً خیریت وحالات وغیرہ دریافت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے مغرب تک چارپائی کے قریب بیٹھنا نصیب ہو جاتا ہے۔

اس تعلق کی بنا پر جب کوئی شخص رائپور حاضر ہوتا تو حضرت کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ شیخ سے مل کر آئے یا نہیں؟ اگر وہ یہ کہتا کہ مل کر آیا ہوں تو بڑی بشاشت سے بات پوچھتے، خیریت پوچھتے، کیا کر رہے تھے؟ کوئی پیام دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر وہ کہتا کہ نہیں مل کر آیا ہوں تو زیادہ التفات نہ فرماتے بلکہ جیسا تعلق ہوتا ویسا برتاؤ کرتے۔ اس مجبوری کو بہت سے ایسے لوگ جن میں رئیس الاحرار بھی تھے باوجود دل نہ چاہنے کے نہایت گرانی کے ساتھ کھڑے کھڑے مصافحہ کرنا ضروری سمجھتے تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہو کر آیا ہوں اور سلام عرض کیا ہے اور میں بھی اس قسم کے لوگوں سے باوجود دل نہ چاہنے کے چاہے کتنی ہی مشغولی کا وقت ہو اور کتنا ہی ضروری کام کر رہا ہوتا ضرور بلا کر

حضرت کی خدمت میں سلام عرض کر دیتا، مبادا وہ جا کر کہہ دے کہ میں حاضر ہوا تھا مگر باریابی نہ ہوئی۔

رئیس الاحرار مرحوم سے کئی سال اسی نوع کی ملاقات رہی۔ ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اُوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اُوپر جا کر کہا کہ رئیس الاحرار آئے ہیں، رائپور جا رہے ہیں صرف مصافحہ کرنا ہے۔ میں نے کہا جلدی بلا دے۔ مرحوم اُوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا رائپور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپسی میں جواب لوں گا، یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس بات کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ "صرف تصحیح نیت"، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتداء **"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَات"** سے ہوتی ہے اور انتہاء **"اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ"** ہے۔ میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے دلّی سے یہ سوچتا آ رہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض کروں گا اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ میں نے کہا: جاؤ تانگے والے کو بھی تقاضہ ہوگا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہیو۔ اس کا خیال رہے کہ دن میں مجھے لمبی بات کا وقت نہیں، ملنے کا دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کر لوں گا۔ لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔

مرحوم دوسرے ہی دن شام کو مغرب کے قریب آ گئے اور کہا کہ کل رات تو ٹھہرنا مشکل تھا اس لئے کہ مجھے فلاں جلسے میں جانا ہے اور رات کو تمہارے پاس ٹھہرنا ضروری ہو گیا اس لئے ایک دن پہلے چلا آیا اور یہ بھی کہا کہ تمہیں معلوم ہے مجھے نہ تم سے کبھی عقیدت ہوئی، نہ محبت۔ میں نے کہا علیٰ ہذا القیاس۔ مرحوم نے کہا، مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر بہت اثر کیا اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمہارے جواب پر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا انشاء اللہ مولانا اعتراض ملنے کا بھی نہیں۔ **"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَات"** سارے تصوف کی ابتداء ہے، اور **"اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ"** سارے تصوف کا منتہا ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو

حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تہوید عالدنیا واھملہا

میں نے کہا مولوی صاحب! سارے پاپڑ اسی کے لئے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ ومراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے، اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف وکرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم ﷺ کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکماء اُمت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے لئے تجویز کرتے ہیں، رُوحانی اطباء روحانی امراض کے لئے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط ہیں نسخے تجویز فرماتے ہیں۔ جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔ پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سُنائے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی جلد ۲۔

ایک ضروری تنبیہ: حضرت نے ارشاد فرمایا: میرے پیارو! بڑے سکون سے ماہ مبارک گزارو۔ جو دن گزر جائے گا وہ پلٹ کر آنے والا نہیں۔ اگلے سال کی خبر نہیں کہ آوے گا یا نہیں۔ تم لوگوں نے اپنے گھر کی راحتیں چھوڑی ہیں اس کے بعد بھی اگر کچھ وصول نہ کرو تو تکلیف ہی تکلیف ہے۔ اگرچہ میں مولوی نصیر الدین اور اس کے رفیق کار شیخ انعام اللہ کو بار بار تنبیہ کرتا رہتا ہوں کہ کھانے وغیرہ کا خاص اہتمام کیا جائے۔

مدارس کی سرپرستی سے ڈرتے رہنا چاہیے

ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ (سرپرست دار العلوم دیوبند ومظاہر علوم) کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا اور خود بھی سنا ہے کہ ''مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں''۔ یہ سنا کر حضرت نے فرمایا: میں بھی اس سے ڈرتا ہوں۔ مظاہر علوم کی سرپرستی مجھ پر زبردستی تھوپ دی گئی تھی۔ میرے پاس دو ڈھائی ہزار مختلف مدارس ومکاتب کے خطوط سرپرستی کے لئے آئے ہوں گے۔ میں نے اپنی

معذوریوں کی بناء پر ہمیشہ انکار کیا۔ بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو، وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہوسکتا ہے۔ لیکن مدرسوں کا روپیہ جو بیچارے عوام کے چندہ سے آتا ہے ہم سرپرستانِ مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں امین ہیں۔ اگر اس کے صرف واستعمال میں افراط وتفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے تو معاف ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمائے گا۔ لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے معاف نہیں کرایا جاسکتا۔

مدارس کے معاملات میں ہمارے اکابر کی احتیاط وورع

حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ نے اب سے کچھ عرصہ پہلے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات اساتذہ ومنتظمین وملازمین کے لئے ایک مضمون لکھایا تھا جس میں اپنے قریبی اکابر واسلاف کے کچھ واقعات ذکر کر کے دکھایا تھا کہ مدارس کے معاملات میں ان حضرات کا رویہ کس قدر احتیاط وورع کا تھا اور وہ خاص اس باب میں آخرت کے محاسبہ سے کس قدر لرزاں وترساں رہتے تھے۔ یہ مضمون ''آپ بیتی'' کے اخیر میں طبع ہو چکا ہے موقع کی مناسبت سے اس سے اخذ کر کے چند واقعات نقل کر رہا ہوں۔ حضرت اقدس نے بھی وقتاً فوقتاً ان واقعات کو اپنی مجالس میں سنایا ہے۔

۱۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (بخاری وترمذی کے محشی) جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے (کہ وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات تھے) تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد وخرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا۔ وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا۔ اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے دوست سے ملنے گیا

تھا۔ اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لئے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کرلیا جائے۔

۲۔ حضرت اقدس سیّدی مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ جب یکسالہ قیام حجاز کے بعد ۱۳۳۴ھ کے آخر میں مظاہر علوم میں واپس تشریف لائے تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کردیا کہ میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کرسکتا لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے۔ اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کرسکتا اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔

۳۔ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا۔ میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے پان کو کھاتے نہیں دیکھا۔ جملہ مدرسین و ملازمین اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے۔ البتہ حضرت قدس سرّہٗ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے مدرسے کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مدرسہ شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور دن کو ظہر کے وقت اور رات کے ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔

۴۔ میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ)قدس سرّہ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا۔ نہ مدرسے کے قریب کسی طباخ کی دوکان تھی۔ جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دوکان سے کھانا آیا کرتا تھا۔ سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے۔ اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو ہر ماہ دو تین روپے یہ فرما کر چندہ میں داخل کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔ تنخواہ تو میرے والد صاحب نے اپنے سات سالہ قیامِ مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

۵۔ حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ (مظاہر علوم) کے مہتمم بھی تھے، مفتی بھی تھے اور عدالتی تمام کاروبار ان ہی کے ذمہ تھا۔ لیکن دفتر میں ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے ایک ذاتی، ایک مدرسہ کا۔ ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ بھی رکھے رہتے تھے۔ اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجنا ہوتا تو اپنے قلمدان سے لکھتے تھے مدرسہ کے قلمدان سے کبھی نہیں لکھتے تھے۔

أولئک آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

مدارس میں اسباب تعیش کا میں مخالف ہوں

ارشاد فرمایا: ہمارے یہاں اسٹرائک میں ایک مطالبہ تھا کہ دارالطلبہ کے صحن میں ایک بلب سو واٹ کا ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ لگانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں مگر ذرا ان درخواست کنندگان سے پوچھلوان کے گھر میں کیا جلتا ہے، چراغ ہی جلتا ہوگا۔

اپنے مکان میں بجلی لگوانے کی مخالفت

فرمایا: ایک صاحب جو حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کے متعلقین میں تھے اور

مجھ سے بھی عقیدت رکھتے تھے انہوں نے دیو بند جا کر حضرت کے مکان میں بجلی لگوائی۔ اس کے بعد میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے مکان میں بجلی لگوانا چاہتا ہوں۔ میں نے عذر کیا کہ اس کے اخراجات مجھ سے ادا نہ ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرے سر رہیں گے، پھر بھی میں نے عذر کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میں لگوا آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ حضرت تو سال میں کئی مرتبہ جیل جاتے ہیں میں بھلا ان کی ریس کیا کر سکتا ہوں۔ مگر ادھر آ کر میری معذوریوں کے بعد میری عدم موجودگی میں مولوی نصیر الدین اور ابوالحسن نے لگوا ہی دی۔

سادگی

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے:

وایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بمتنعمین

عیش پرستی سے بچو، کیونکہ اللہ کے مخصوص بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ مطاف کے کنارے ایک نابینا بزرگ تشریف فرما تھے۔ جب طواف میں حضرت اس طرف گزرے تو وہ (البس لباس الصالحین) ہلکی آواز سے کہتے اور جب حضرت طواف سے فراغت پر اس طرف تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنا کرتا سامنے کر کے خشن خشن (موٹا موٹا) فرمایا۔ جس سے یہ تنبیہ مقصود تھی کہ صلحاء کا لباس موٹا کپڑا ہے۔

مقوی کھانا کھانے سے میں منع نہیں کرتا کیونکہ اس سے دماغ میں قوت آئے گی۔ البتہ گلاب جامن وغیرہ کھانے سے تقویت نہیں آئے گی لیکن اچھا عمدہ کپڑا پہننا بالکل بے کار ہے۔ نفس موٹا ہوتا ہے موت کو یاد رکھو، زیادہ پرہیز کے پیچھے نہ پڑو۔

ہر چیز میں میری تقلید نہ کرو

فرمایا: الحمد للہ مجھے بیماری میں پرہیز وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ایک مرتبہ مجھے پھنسیاں نکل آئی تھیں اور ان سے رال بہہ رہی تھی۔ گنگوہ سے ایک حکیم صاحب آئے۔ انہوں نے مجھ کو کاڑھا پلایا جو تین دن پکایا گیا تھا انتہائی کڑوا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کو پیا

مگر کسی طرح آرام نہیں ہوتا تھا۔ نمک مرچ وغیرہ میرے لئے حکیموں نے بند کر دیا۔ اس زمانے میں حکیم ایوب اور مولوی نصیر الدین مجھ سے مقامات حریری پڑھتے تھے۔ میں باہر کے کمرے میں ان کو پڑھاتا۔ میری والدہ نے فقیروں کے لئے میری جیب میں کچھ پیسے ڈال رکھے تھے، مجھ سے زیادہ فقیر کون ہوگا۔ میں نے مولوی نصیر کو پیسے دیئے کہ بازار سے کباب لاؤ۔ اس میں خوب مرچیں تھیں۔ وہ کباب لایا اور میں نے خوب کھایا۔ دو ڈھائی گھنٹے تک تکلیف کی شدت سے موت یاد آنے لگی اس کے بعد قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی اسی وقت ساری پھنسیاں خشک ہوگئیں۔ میں جب باہر آیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کیا، میں نے کہا دو دن کے بعد بتاؤں گا۔ بھائی تم لوگوں کو ہر چیز میں میری حرص نہ کرنی چاہئے۔

کتابوں کی رائلٹی

ارشاد فرمایا: میری کتابوں پر کوئی رائلٹی نہیں ہے طبع کرانے کی عام اجازت ہے مگر صحت کا خاص اہتمام رکھا جائے۔ کلکتہ کے ایک صاحب نے فضائل کی کتابوں کو طبع کرایا۔ ایک جگہ اس میں ایک سطر درمیان سے چھوٹ گئی تھی اور وہاں کسی مسجد میں پڑھی جارہی تھی۔ ایک مولوی نے اعتراض کر دیا کہ یہ غلط ہے۔ ان کا اعتراض صحیح تھا مگر عقیدت مندوں نے ایک ہنگامہ کر دیا کہ ''حضرت شیخ پر اعتراض؟'' چنانچہ مجھے اطلاع کی گئی میں نے اس عبارت کی تحقیق وتصحیح کر کے وہاں مطلع کیا، تب جا کر جھگڑا ختم ہوا۔ بھائی میری کسی بات کی جب تک کسی مفتی سے تحقیق نہ کرو میرا اتباع نہ کرو۔

بغیر واقفیت کے مسائل میں رائے زنی گمراہ کن ہے

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ گرمی کے موسم میں موچیوں کی مسجد میں رہتے تھے۔ اس زمانے کے طالب علم بڑے نیاز مند ہوتے تھے، آج کل کی طرح نہیں کہ وہ اپنے کو علامہ سمجھتے ہیں اور اپنا کرم سمجھتے ہیں کہ استاد سے پڑھ رہے ہیں۔ اس زمانے میں مظاہر علوم میں ولایتی طالب علم کثرت سے آتے تھے۔ وہ خدمت کرتے تھے، پیر دباتے تھے۔ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں والد صاحب بیٹھ کر غسل فرما رہے

تھے اور وہ لوگ پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈالتے جا رہے تھے۔ محلہ کے ایک وکیل صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ اسراف ہے، اس طرح غسل کرنا کہاں جائز ہے؟ والد صاحب نے فرمایا میرے لئے جائز ہے، ان کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ مولویوں کے لئے ہر چیز جائز کیوں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی مسائل جانتا ہے اور تم ناواقف ہو۔ اس وقت میرا یہ غسل تبرید (ٹھنڈک حاصل کرنے) کے لئے ہے۔ اس میں تین مرتبہ پانی ڈالنے کی قید نہیں ہے۔

فرمایا: الاعتدال میں شامی کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ ''اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہو جائے۔ اس کے بعد وہ دوسرا جانور قربانی کی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے۔ اگر یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ جس جانور کی دل چاہے قربانی کر دے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے۔

مسئلہ بالکل صاف ہے لیکن اصول سے ناواقفیت پر مبنی ہے محض ذہانت اس میں کیا تیر چلائے۔ دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے، نماز کے بعد یاد آئے اگر اس نے سنت کے موافق متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ ضروری ہے۔ اور اگر خلافِ سنت نماز پڑھی ہے، ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے جیسا کہ بہت سے لوگ آج کل پڑھتے ہیں تو نماز ہوگئی۔

کیا روشن دماغ یا شستہ تقاریر و تحریرات سے بلا واقفیت اصول حقائق شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہو سکتی ہے؟

فرمایا: میری ایک بچی نے قاعدہ بغدادی شروع کیا اس میں ''آن، بان'' کی تختی آئی۔ اس میں جب ہمزہ پر پہنچی تو ''ہمزان'' پڑھا۔ اس کی ماں نے کہا کہ یہ ''آن'' ہے مگر وہ اصرار کرتی رہی کہ اماں یہ ''ہمزان'' ہونا چاہئے۔ ماں پریشان ہوئی اور اس نے کہا جب تیرے ابا آئیں گے تو ان سے پوچھ لینا۔ جب میں گیا تو اس نے وہی اعتراض

کیا۔ میں نے کہا بیٹی! ابھی تیری سمجھ تھوڑی ہے ابھی توتم ''آن'' پڑھو، بڑی ہونے کے بعد سمجھ میں آ جائے گی۔ بہر حال مسائل شرعیہ کے قواعد سے واقفیت کے بغیر رائے زنی گمراہ کن ہے۔

حوادث پر صبرِ جمیل

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب کا ۲۵ رمضان المبارک شب قدر کو انتقال ہوا، اور میری والدہ صاحبہ کا بھی اگلے سال ۲۵ ہی رمضان ۱۳۳۴ھ کو وصال ہوا۔ میں حکیم ایوب صاحب کی مسجد میں تراویح پڑھاتا تھا۔ میرے حضرت کا تقاضا تھا کہ میں حضرت کے ساتھ پڑھا کروں اور حکیم اسحٰق صاحب کا اصرار تھا کہ میں ان کی مسجد میں پڑھایا کروں۔ چنانچہ میں آدھ گھنٹہ میں سب نمازیں پڑھ کر حضرت کی تراویح کی پہلی رکعت میں آکر شامل ہو جایا کرتا تھا۔ تراویح کے بعد کھانا کھانے کا معمول تھا مگر والدہ صاحبہ نے اپنے انتقال کی شب میں مجھے اصرار سے تراویح سے پہلے کھانا کھلا دیا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد حکیم صاحب نے مجھ سے کہا گھر پر والدہ صاحبہ کو دیکھ کر حضرت کے یہاں آجاؤ۔ مجھے اندازہ تو ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں گھر پر حاضر ہوا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

میرے حضرت پر میرے حوادث کا بہت اثر ہوتا تھا۔ میری پہلی بیوی کی کئی اولاد کا انتقال ہوا۔ نظام الدین میں ایک بچہ پیدا ہونے اور اس کے انتقال کی خبر سہارنپور پہنچی۔ میں اس وقت ''**بذل المجهود**'' لکھنے کے لئے قلم لے کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا مجھ سے تو لکھا یا نہیں جاتا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجنائز میں دو باب قائم کئے ہیں۔ ایک باب ہے، ''**من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن**'' ج ۱ صفحہ ۱۷۳، اور دوسرا باب ہے ''**من لم يظهر حزنه عند المصيبة**'' ج ۱ صفحہ ۱۷۳۔ پہلے باب میں اصحابِ موتہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور دوسرے باب میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر کیا ہے جب ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو انہوں نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ بچہ کا انتقال رات میں ہوا اور صبح کو اپنے شوہر کو اطلاع

دی۔اس حادثہ پر مولوی یوسف مرحوم نے مجھے ایک نہایت رنج وغم کا خط لکھا۔ میں نے اس کوڈانٹ کر جواب تحریر کیا کہ اس قدر غم نہیں کرنا چاہئے۔ جب اس کا علم میرے چچا جان کو ہوا تو انہوں نے مجھے ایک ڈانٹ کا خط لکھا۔ میں نے جواب میں لکھا کہ بخاری کے پہلے باب پر میرے حضرت کا عمل ہے اور دوسرے پر میرا۔ اس پر انہوں نے مجھے تنبیہ کا خط لکھا۔

جب حضرت اقدس کو والدہ مرحومہ کے انتقال کا علم ہوا تو حضرت اعتکاف میں تھے۔ فرمایا، استنجاء تو اپنے بس کا ہے۔ چنانچہ پیشاب کے تقاضے سے باہر تشریف لائے اور وضو کر کے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

نماز میں لقمہ کا لطیفہ

فرمایا: حضرت کے پیچھے دس بارہ حفاظ قرآن سنتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اپنی مسجد میں تراویح ختم کر کے آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کی مسجد میں تراویح ہو رہی ہے۔ میں نماز میں شریک ہو گیا۔ چنانچہ حضرت نے نماز میں سورۃ طلاق کی آیت ''یا ایھا النبی'' الخ شروع فرمائی۔ میں نے لقمہ دیا ''یا ایھا الذین امنوا''، تو حفاظ نے تصحیح کی۔ نماز ختم کرنے کے بعد حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس طرح لقمہ کیوں دیا؟ میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آگے کے سارے صیغے جمع کے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کہیں اس میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے۔

بمۓ سجّادہ رنگین کُن ۔۔۔ الخ کا مطلب

ارشاد فرمایا: کہ بڑوں کی چیزوں پر بغیر تحقیق نہ اعتراض کرنا مناسب ہے اور نہ عمل کرنا مناسب ہے۔

بمۓ سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

یہ شعر اپنی جگہ حقیقت ہے، پھر اس شعر کی تشریح فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مولوی صاحب نے اس کا مطلب پوچھا اور بہت اصرار کیا۔

حضرت نے اس کو دس روپے دیئے اور کہا کہ فلاں گلی میں جاؤ۔ وہاں جو حسین و جمیل عورت ملے اس سے تعلق جوڑ لینا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس طرح کی ایک عورت کا پتہ معلوم کیا۔ اس کے پاس پہنچے اور اس کو وہ روپے دیئے مگر وہ عورت رونے لگی۔ انہیں حیرت ہوئی، انہوں نے اس رونے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ یہ شنیع کام میں نے کبھی نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم پھر یہاں کیسے آ گئی ہو؟ اس نے کہا کہ نکاح کے بعد رخصت ہو کر میں برات کے ساتھ جا رہی تھی، راستے میں ڈاکو آ پہنچے، برات کو لوٹا اور مجھے لا کر فروخت کر دیا۔ مولوی صاحب نے اس کے والد کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ ان ہی کی بیوی ہے اور یہ مولوی صاحب ہی اس کے شوہر ہیں۔

عملیات و تعویذات

فرمایا: میرے نانا مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے ان کے پاس بہت سے تعویذات تھے۔ انہیں عملیات میں بہت مہارت تھی۔ ان کی بیاض میں نے دیکھی ہے۔ ان کے پاس ایک عمل تھا۔ جب کوئی بیمار ہوتا تھا جس کے علاج سے سارے اطبّاء عاجز ہو جاتے تو ان سے اصرار کیا جاتا چنانچہ وہ عمل کرتے تھے۔ دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یا تو مریض اچھا ہو جاتا یا مر جاتا۔ اگر اچھا ہوتا تو کہتا کہ مجھے بھوک لگی ہے۔ میں نے بھی کئی مرتبہ دیکھا ہے۔

ان کا ایک عمل چور کے لئے تھا۔ جب اس کے بارے میں ان سے کہا جاتا تو انکار کرتے اور فرماتے سب تم ہی کھاؤ گے، چور نہیں کھائے گا؟ مگر جب کبھی عمل شروع کرتے تو چور کو دست آنے لگتے وہ اس کی تحقیق کراتے۔ جب پتہ معلوم ہو جاتا تو چور تک پیغام کہلواتے کہ وہ چیز واپس کر دو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے؟ البتہ چور کا نام نہیں بتاتے تھے۔

انہوں نے مجھ سے اصرار سے فرمایا کہ یہ تعویذات و عملیات میری عمر بھر کی کمائی ہیں، تم مجھ کو ایک مرتبہ سُنا دو تو میں اجازت دے دوں۔ میں طالب علم تھا، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بعد میں اپنے حضرت کے حکم و اجازت سے تعویذات لکھنا شروع کیا۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ذکر میں انہماک

ارشاد فرمایا: شوال ۱۳۴۳ھ میں میرے حضرت سہارنپوری (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ) اپنے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کا قصد فرما رہے تھے، لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے۔ مجھے بھی بچوں کی طرح دیکھا دیکھی اس کا جذبہ پیدا ہوا، حضرت سے جا کر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں اس وقت آ جانا۔ مولانا عبد اللہ گنگوہی جو خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے انہوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کر رکھی تھی۔ حضرت نے فراغت کے بعد ہم دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ ہم دونوں کو پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانے شروع کئے۔ مولانا عبد اللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھرّا گئی۔ اس وقت والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ اُوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ والد صاحب یہ آواز سُن کر منڈیر پر دیکھنے کے لئے آئے۔ دیکھا تو میں بیعت ہو رہا تھا۔ اس پر انہیں بہت تعجب ہوا اور احساس ہوا کہ بلا علم واطلاع کے اتنا بڑا کام کر لیا۔ لیکن حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تصویب فرمائی اور بہت دعائیں دیں۔

جب "بذل المجہود" کی طباعت کا معاملہ آیا تو پہلے اس کا انتظام میرٹھ میں شروع کیا گیا، اس کے بعد تھانہ بھون میں مولانا شبیر علی صاحب کے پریس میں اس کو منتقل کر دیا گیا۔ اس زمانے میں میرا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو تھانہ بھون جاتا اور سنیچر کی صبح کو واپس آتا۔ یہ سفر ہر ہفتہ پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیش آتا۔ اس میں جب کبھی اتوار کو پریس کی چھٹی نہ ہوتی تو ایک آدھ دن بڑھ جاتا۔

میں نے بیعت کے بعد ذکر و شغل نہیں کیا۔ میرے چچا جان میرے مربّی تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کچھ تھوڑا بہت ذکر و شغل کر لیا کرو۔ میں نے کہا "ہر کسے را بہر کارے ساختن"، میں مشکوٰۃ شریف پڑھاؤں اور اس کا مطالعہ کروں یا ذکر و شغل کروں۔ مگر تھانہ بھون کے اس سفر میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی جو میرے استاد بھی ہیں، نحو

وغیرہ میں نے ان سے پڑھی ہے، اس زمانے میں ان کو نئی نئی خلافت ملی تھی۔ بہت خواب ومکاشفے وغیرہ سُنایا کرتے تھے۔ ہم لوگ ان کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن ایک پرچہ پر میرے لئے اجازت نامہ لکھ دیا۔ میں نے انکار کیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ وہ فرماتے کہ ایسے ہی کہا جاتا ہے۔ میں اپنے دل میں یہ سوچتا رہا کہ اگر اسی طرح اجازت مل جاتی ہے تو یہ بہت آسان چیز ہے، مگر مولانا ظفر احمد صاحب کے اجازت نامے کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کچھ ذکر و شغل کر لینا چاہئے۔

میں نے حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو کچھ دن مدرسہ سے چھٹی لے کر میں ذکر و شغل کرلوں۔ حضرت نے جواب دیا کہ مدرسہ سے چھٹی لینے کی ضرورت نہیں تعلیمی مشاغل کے ساتھ کچھ کر لیا کرو۔ چنانچہ میں نے شروع کر دیا۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ذکر و تعلیم دونوں کو ایک ساتھ نباہا جاسکتا ہے۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے جب اجازت دی تو فرمایا کہ ''ہمیں تو جو کچھ کرنا تھا کر چکے، آگے تمہارا کام ہے''۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''پھر تو میں مرمٹا''۔

سالک اسے کہتے ہیں جو چلتا رہے، آخر زندگی تک آدمی کو کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروے می رسی ما ایست

ارشاد فرمایا: میں ذکر و شغل کا نہیں تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ سب بڑے چل دیں گے اور تم لوگوں کے لئے میں ہی رہ جاؤں گا۔ بڑے درد رقّت سے فرمایا: اگر مجھ سے کچھ تکلیف ہو جائے اور تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے تو میں تیار ہوں۔

اوقات کی قدر و قیمت

فرمایا: اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچانی چاہئے۔ حدیث میں آیا ہے:

فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن حیاتہ لموتہ ومن شبابہ لکبرہ ومن دنیاہ لآخرتہ الخ۔

بندے کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے اور زندگی میں موت سے پہلے اور نوجوانی میں بڑھاپے سے پہلے اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادِ راہ تیار کر لے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق

آج کھانا کھانے کے دوران میں ایک بہت بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آ گیا تھا اس لئے کھانا کم ہو گیا تھا، خدام بھی باقی رہ گئے، اس کی حضرت کو بہت فکر ہوئی اور کھانے کا نظم کیا گیا۔

ارشاد فرمایا: حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ شانہ بہت بلند درجے عطا فرمائے۔ اکابر میں میں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بہت کم پایا۔ ۱۳۳۴ھ تک تو گویا ہم قید میں رہے۔ حضرت شیخ الہند ۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں سے سات سال کے لئے مالٹا جیل میں اسیر بنا کر بھیج دیئے گئے اور مالٹا سے واپسی کے بعد ڈیڑھ سال بیمار رہے، اس کے بعد انتقال ہو گیا۔

حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کبھی لکھنؤ یا رڑکی کی طرف جانا ہوتا تو میرے مکان پر ضرور ہو کر تشریف لے جاتے خواہ دس منٹ کے لئے ہو۔ ایک مرتبہ ۱۱ بجے رات میں عین بارش میں تشریف لائے اور آ کر فرمایا کیواڑ کھولو، میں نے کہا کون؟ جب دروازہ کھولا تو فرمایا، آج گاڑی دو گھنٹہ لیٹ تھی میں نے سوچا کہ تمہارا درشن کرتا جاؤں، میں نے (بر بنائے محبت) عرض کیا کہ ان مبارک ہونٹوں سے مجھے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے، پھر میں نے چائے پلائی۔

ایک مرتبہ ڈیڑھ بجے دن میں تشریف لائے، ملاقات پر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا، جب میں نے اس کی کوشش کی تو اس کا موقع نہیں دیا۔ حضرت کے پیچھے مولانا مبارک صاحب تھے اور ان کے پیچھے اور کچھ حضرات تھے جن کی تعداد بارہ تھی، مصافحہ ہوا، میں نے عرض کیا کھانا؟ حضرت نے فرمایا کہ "اگر کھانا کھا لیا ہوتا تو ہم تمہارے یہاں کیوں آتے"؟

میں ننگے پاؤں جلدی سے اندر گیا، میری بچیاں اب بھی تقاضہ کرتی ہیں کہ مہمانوں کا سالن ہم پکا دیا کریں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ بیس پچیس آدمی ہوتے تو خیر ممکن تھا مگر ان پانچ سو کا دیگ پکانا مشکل ہے، ان کا مسلسل اصرار ہے کہ مہمانوں کا کوئی کام ہمارے ذمہ کیا جائے۔

بہر حال جب میں اندر گیا تو گھر والوں نے بتایا کہ اس وقت روٹی سالن کوئی چیز موجود نہیں۔ آٹا موجود تھا، میں نے کہا کہ اس کو گوندھو، میں جلدی سے سالن کے قسم کی کوئی چیز خرید کر لاتا ہوں۔ میں باہر آیا تو ہمارا صوفی گوشت والا آرہا تھا اس نے کہا کہ قیمہ کا دو سیر گوشت ہے، میں اس کو لے کر اندر آیا، آٹا گوندھا جا چکا تھا اور پتیلی میں گھی و مسالہ ڈالا جا چکا تھا۔ انہوں نے جلدی سے اس میں گوشت دھو کر ڈالا۔ یہ میری کرامت سمجھو یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی، میں اندر سے باہر آیا اور ان لوگوں کا ہاتھ دُھلایا یہ حضرات ۱۲ نفر تھے، ۱۱ منٹ میں دستر خوان پر گرم روٹیاں وقیمہ آ گیا اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ میں نے دستر خوان پر ان حضرات کو بٹھا دیا۔

حضرت علّامہ ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "کیا آپ کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی یا کشف ہو گیا تھا؟ میں نے کہا آپ کے اس گھر میں آنے کے بعد گوشت خریدا گیا ہے، انہیں تعجب ہوا، فرمایا کہ "یہ بات عقل میں نہیں آتی"۔ میں نے کہا کہ ساری باتیں معقولات سے تعلق نہیں رکھتیں روٹی کھاؤ، حضرت نے بھی فرمایا روٹی کھاؤ۔ پھر حضرت نے بھی فرمایا کہ میں مولانا محمد اشفاق صاحب (اعلیٰ حضرت رائپوری کے بھانجے دار العلوم کے ممبر شوریٰ) کی تعزیت کے لئے رائپور جا رہا ہوں، تنہا آ رہا تھا جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو یہ بھی ساتھ ہو گئے۔

فرمایا: حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی اخیر بیماری میں جس کا سلسلہ پانچ چھ سال تک جاری رہا پیام آیا کہ دیکھو جب تک میری صحت تھی میں ہر مہینہ آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا۔ حضرت کا معمول تھا کہ ہر مہینہ میں تین دن کے لئے یہاں تشریف لاتے تھے اب تمہاری زیارت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اس کو خوب نباہا۔

مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک سفر میں مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم جاؤ اگر آنا ہوا تو میں حضرت کے ساتھ آ جاؤں گا۔ حضرت کی طبیعت اس زمانے میں زیادہ خراب تھی، بہٹ ہاؤس میں قیام تھا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ دو تین دن کے لئے نظام الدین جانا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے میرا انتقال ہو جائے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو اپنا سفر ملتوی کر دیا۔ حضرت کا قیام تین مہینے رہا، میں روزانہ سبق پڑھا کر بہٹ ہاؤس جاتا تھا۔ فرمایا: یہ دونوں حضرات بڑے تحمّل و دلداری کے تھے۔

رمضان المبارک میں قلّتِ طعام سے ضعف نہیں پیدا ہوتا

ارشاد فرمایا: کہ میرا تجربہ ہے کہ روزہ سے قوت آتی ہے اور غیر رمضان میں فاقہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال رکھا اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ رکھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع فرما دیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض غزوات میں بھوک کی شدت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطن مبارک پر دو پتھر باندھنے پڑے۔ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے میرے نزدیک ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلا واقعہ رمضان کا ہے اور دوسرا غیر رمضان کا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین دن تک ایک ایک بادام پر گزر کیا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سُنا ہے کہ رمضان المبارک میں بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لجاجت سے عرض کیا کہ "حضرت ضعف بہت بڑھ جائے گا حضرت تو کچھ تناول نہیں فرماتے"۔ حضرت نے فرمایا، الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔

فرمایا: میرا اتالیق ابوالحسن مسلط ہے، کھانے پر اصرار کرتا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تقلیلِ طعام حکیم کے مشورے کے بغیر کوئی نہ کرے۔

محبت کی تنقید بُری نہیں معلوم ہوتی

ارشاد فرمایا: مجھے اپنے اُوپر تنقید بُری نہیں لگتی، بشرطیکہ اخلاص ومحبت سے ہو۔ میرے دوستوں میں قاری سعید صاحب (مفتی اعظم مظاہر علوم) میرے مخلص تھے۔ ان سے زمانۂ طالب علمی میں میری لڑائی رہی ہے۔ مجھ سے ابتداء میں ان کے تعلقات کچھ اچھے نہیں تھے اس لئے کہ وہ بھی صاحبزادے تھے اور قاری محمد حسین استاذ الکل کے خاص شاگرد تھے۔ قاری صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور ایسے تھے کہ وہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ٹوک دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی آپ کو خضاب کی ضرورت ہے؟

میرے یہاں صاحبزادوں کی پٹائی خاص طور سے ہوتی تھی۔ قاری سعید مرحوم ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ کے نائب مفتی مقرر کئے گئے اس سے پہلے مدرس تھے اور قاری محمد حسین صاحب نے میرے حضرت اقدس کے انتقال کے بعد یہاں آنا بند کر دیا (وہ رمضان المبارک میں عصر کے بعد کا قرآن سُنتے تھے)۔

ایک دن راستے میں قاری سعید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ رمضان میں میرے چند پارے سُن لیا کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ بشرطیکہ ناظم صاحب اجازت دیں۔ مجھے یہ جواب بہت پسند آیا۔ چنانچہ ناظم صاحب کی اجازت کے بعد عصر کے بعد وہ میرا قرآن سُنتے تھے۔ چند مہینے کے بعد اجراڑہ میں مدرسہ کا جلسہ تھا۔ ناظم صاحب (حضرت مولانا عبدالطیف صاحب) اور میں دونوں اس مدرسہ کے سرپرست تھے۔ میں نے جلسہ میں شرکت سے انکار کر دیا۔ ناظم صاحب کو بھی بروقت کوئی عذر پیش آ گیا۔ بالآخر ہم دونوں نے طے کیا کہ اپنی طرف سے قاری سعید صاحب کو نمائندہ بنا کر بھیجیں گے اور یہ وہاں کے معاملات کو طے کریں گے۔ اگر کوئی اہم مسئلہ ہوگا تو ہم دونوں سے مشورہ کر لیں گے، ہم نے یہ طے کر دیا۔ مگر قاری سعید صاحب عذر کرتے رہے کہ میں وہیں کا رہنے والا ہوں کسی اور کو بھیجنا مناسب ہوگا مگر ہم نے انہیں کو بھیجا۔

اس زمانہ میں میں اپنے آپ کو مدرسہ کے ہر کام کا گویا واحد ذمہ دار سمجھتا تھا البتہ اپنا

اختیار کبھی نہیں سمجھا۔ جب کتب خانہ جاتا ہر ایک کام کو دیکھتا۔ اگر کوئی بات معلوم ہوتی تو ناظم صاحب کے ذریعے حکم نامہ جاری کراتا۔ ناظم صاحب اس کو تحریر لکھ کر دیتے اور اس سے فرماتے کہ شیخ خفا ہو رہے تھے تم جی نہ بُرا کرنا۔ جب کتب خانہ گیا تو وہاں رجسٹر حاضری میں قاری سعید صاحب کی تین دن کی رخصت لکھی ہوئی تھی۔ میں اُوپر سے نیچے آیا اور قاری سعید صاحب سے مطالبہ کیا کہ تم نے رخصت کیوں لکھوائی؟ تم کو تو ہم لوگوں نے بکارِ مدرسہ بھیجا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرا وہاں وطن تھا۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ مجھے تم سے کوئی خاص ربط نہیں تھا مگر اب میری تم سے دوستی ہوگئی، دوپہر کا کھانا تم میرے ساتھ کھایا کرو۔

تیس سال سے زائد مدت تک وہ میرے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مرض الوفات میں مجھے ایک پرچہ لکھا کہ تیس سال سے میں عید آپ کے ساتھ کرتا تھا آج پہلی عید ہے کہ میں حاضر نہ ہوسکا، میں اسی وقت اُٹھ کر ان کے پاس گیا۔

حاصل یہ کہ مجھے ٹوک دیا کرو، مولانا منور صاحب ٹوک دیں تو مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اسٹرائک سے نفرت

ارشاد فرمایا: طلباء عظام سے براہ راست معافی مانگتا ہوں۔ میرے دل میں تیس چالیس سال پہلے ان کی بڑی وقعت تھی، میرے دسترخوان پر اگر کوئی طالب علم ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی۔ شروع میں جو بھی نیا طالب علم میرے یہاں آتا، اس کا کھانا داخلہ امتحان اور مدرسہ سے کھانا جاری ہونے تک میں اپنے حساب میں مدرسہ سے جاری کرادیتا تھا اور بعض طالب علموں سے کہہ بھی دیتا کہ تم میرے ساتھ کھانا کھایا کرو، اسٹرائک نے بند کرادیا۔ اس اسٹرائک سے دل میں نفرت ہے۔

ضب (گوہ) کے متعلق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یارسول اللہ کیا وہ حرام ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، لیکن ہمارے یہاں یہ جانور نہیں ہوتا، مجھے اس کے کھانے سے کراہیت ہوتی ہے (بخاری شریف)۔ اگرچہ حنفیہ کے نزدیک بعد میں اس کی ممانعت بھی ہوگئی لیکن جسوقت حرام نہیں تھا اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طبعی کراہت کی وجہ سے کھانے سے انکار کردیا۔

محبت ونفرت بے اختیاری چیز ہے، اس ناکارہ کو اسٹرائکوں سے نفرت ہے۔ اکابر میں سب سے پہلے ۱۳۴۵ھ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں آئی، ان دونوں کو اس سے انتہائی نفرت تھی۔

دیوبند کی ایک اسٹرائک کے موقع پر میرا دیوبند جانا ہوا۔ مدرسہ کے قریب ایک صاحبزادے جن کے والد کا تعلق مجھ سے اور حضرت رائپوری سے تھا، وہ اسٹرائک میں شریک تھے بلکہ اسٹرائکی سورما تھے۔ مجھے اس کی بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ سورما بھی اس میں پیش پیش ہیں۔ میں جب باب الظاہر سے گزرا تو یہ بھی میرے ساتھ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حاضر ہوئے، حضرت کا چہرہ ان کو دیکھ کر سُرخ ہو گیا اور مجھ پر شدید عتاب فرمایا کہ یہ چناں وچنیں مدرسہ میں اسٹرائک کراتا پھر رہا ہے اور آپ اس کو بغل میں لئے پھرتے ہیں۔ آپ نے اور مولانا عبدالقادر صاحب نے ان کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔

میں نے عرض کیا، حضرت مجھے مطلق اس کی خبر نہیں تھی اور اس سے اشارہ کیا کہ بھاگ جا۔ بعد میں حضرت نے اس کی تلافی میں میری بہت دلداری کی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ پر حضرت کے ارشاد کا بالکل اثر نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ میں نے عرض کیا اب تو ہو گئی۔ سُنا ہے کہ حضرت نے ان اسٹرائکیوں کے لئے سخت بددعائیں کیں جن کو سُن کر میں لرز گیا۔

فرمایا: حضرت شیخ المشائخ استاذ الکل شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ نے عربی میں ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس کا نام **"فیما یجب حفظه للناظر"** تحریر فرمایا ہے، یعنی حدیث کی کتابوں کے دیکھنے والے کے لئے اس کا مطالعہ واجب ہے۔ یہ رسالہ **"لامع"** کے مقدمہ میں بھی طبع ہو چکا ہے۔ اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ کتب حدیث کو پانچ قسموں پر منقسم فرمایا ہے۔

پہلا درجہ: ان کتابوں کا ہے جن کو بے تکلف صحیح کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا درجہ: ان کتابوں کا ہے جن کو صحیح تو نہیں کہا جاتا مگر قابلِ عمل کہا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ: ان کتابوں کا ہے جن میں ہر قسم کی احادیث صحیح وغیر صحیح پائی جاتی ہیں۔

چوتھا درجہ: ان کتابوں کا ہے کہ ان کی احادیث کو بے تکلف ضعیف کہا جا سکتا ہے۔

پانچواں درجہ: موضوع احادیث کا۔

اس ناکارہ کا خیال یا تعامل ان مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی رہا اور ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم میرے پاس آتا، میں کتب حدیث کے پہلے طبقے میں شمار کرتا اور اب یہ حال ہے کہ جب کبھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم آتا ہے تو پہلے وہلہ میں اس کو درجہ چہارم پر سمجھتا ہوں اور اگر ظاہر حال سے صلاح وفلاح محسوس ہوتو درجہ سوم سے اُوپر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''اسٹرائک''۔

ارشاد فرمایا: طالب علمو! تم تو بہت اُونچے تھے مگر تم نے اپنے آپ کو خود ضائع کیا۔ کبھی ہماری صورتوں کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے۔ اب ہماری صورتوں کو دیکھ کر نفرت کرنے لگے ہیں۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ کانٹا بوئے گا تو کانٹا پیدا ہوگا۔ پھول بوئے گا تو پھول پیدا ہوگا۔ میں اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اسٹیشن لینے کبھی نہیں گیا، بہانہ حرج کا ہوتا تھا، مگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تلافی کرادی۔

جو اللہ کے سامنے جھک جائے اس کے سامنے ساری مخلوق جھک جاتی ہے

فرمایا: میرے دوستو! مالک کے سامنے جھک جاؤ تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قصے معلوم ہیں۔ ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ لشکرِ امیر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا:

ایھا الحشرات و اسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا۔ فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ۔

''اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو اور درندو! ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کررہی ہے اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کردیں گے''۔

یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جوان درندوں اور موذی جانوروں میں دوڑ گئی اور اپنے بچوں کو اُٹھا اُٹھا کر سب چل دیئے (اشاعہ) بوستان میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ

چیتے پر سوار تھے۔ ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا تو اس بزرگ نے کہا:

تو از حکم داور گردن نہ پیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

تنقید اگر اخلاص پر مبنی ہو تو محمود ہے

ارشاد فرمایا: میرا مکان جو کبھی صورتاً میرا تھا، اب صورتاً بھی میرا نہیں رہا۔ ابتداء میں والد صاحب نے پانچ روپے ماہانہ کرایہ سے لیا تھا اس مکان کو کوئی لینے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں شہرت تھی، جو اس میں رہتا ہے مرجاتا ہے۔ چنانچہ پہلے سال میرے ایک بڑے بھائی کا انتقال ہوا اور دوسرے سال میرے والد صاحب کا اور تیسرے سال میری والدہ صاحبہ کا۔

مولوی ممتاز گیاوی مظاہر علوم میں فارسی پڑھنے آئے تھے۔ ابتداء میں میں ان سے بالکل ناواقف تھا اور انتہا میں وہ میرے محبوب دوست ہو گئے۔ دستور کے مطابق وہ میرے مہمان ہوئے اور میرے مکان میں مقیم ہوئے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد مدرسہ سے اس نے اپنا کھانا قیمتاً جاری کرایا۔ اس نے اخیر میں مجھ سے ابوداؤد پڑھی ہے۔ اس کے اتنے طویل عرصہ قیام میں کسی استاد سے بھی اس کے تعلقات نہیں ہوئے۔ یہ تکبر کی بناء پر نہیں بلکہ مزاج ہی ایسا تھا۔ مظاہر علوم سے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تھانہ بھون گیا اور شوال میں وہاں اس کو خلافت مل گئی۔ ممتاز گیاوی کا کھانا مدرسہ کے مطبخ سے آتا تھا اور میرے گھر والے اس زمانے میں یہاں نہیں تھے اس لئے میرا کھانا بھی مدرسہ سے قیمتاً آتا تھا۔ ممتاز اخیر تک میرے شریکِ دسترخوان رہے۔ ایک عرصہ کے بعد انہوں نے جملہ شرکاء کے سامنے یہ اعتراض کیا کہ ''آپ کا کھانا بھی مدرسہ سے قیمتاً آتا ہے اور میرا بھی، لیکن آپ کے پیالہ میں تار زیادہ ہے میرے میں کم۔ محض اس وجہ سے کہ آپ کی آواز اہلِ مطبخ پر اثر انداز ہوگی اور میری نہیں''۔ میں نے دیکھا تو واقعی دونوں برتنوں میں فرق تھا۔ میں نے عزیز موصوف کا بہت شکریہ ادا کیا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ میں نے اسی دن سے مطبخ سے اپنا کھانا بند کرادیا، آج تک جاری

نہیں کرایا۔ اگر کسی کی تنقید قابلِ قبول ہو تو ضرور قبول کرنا چاہئے۔ علماء وصوفیاء نے لکھا: ”**آخر مایخرج من قلب السالک حب الجاہ**“ حب جاہ بہت مشکل سے نکلتی ہے۔

ہم لوگ اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناکارہ وسیہ کار لکھتے ہیں مگر یہ رسم بن گئی ہے۔ اگر کسی مجمع میں کوئی اعتراض کر دے تو سن کر دماغ کھولنے لگتا ہے حالانکہ اگر ماننے کی بات ہے تو اس پر ناگواری کیسی، اس کو ضرور ماننا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**“، میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ خصوصیت سے جو لوگ ذاکر و اجازت یافتہ ہیں ان کے اخلاق ایسے ہوں کہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنیں نہ کہ اُکھڑنے کا اور متنفر ہونے کا۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استفسار پر حضرت گنگوہی نے جواب تحریر فرمایا تھا ”مادح وذام کو برابر سمجھتا ہوں“۔ مجھے یہ جملہ بہت پیارا لگتا ہے۔ اگر کوئی ہماری مدح کرے تو اس پر پھولنا نہ چاہئے بلکہ اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہئے کہ مالک نے ستاری فرما رکھی ہے۔ مگر اب ہمارا یہ حال ہے۔

چوں بخلوت می روند کار دیگر می کنند

فرمایا، میں تم دوستوں سے اس حدیث ”**رب مبلغ اوعیٰ من سامع**“ کے پیش نظر درخواست کر رہا ہوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ مسلمانوں کے اخلاق سے پھیلا۔ اکابر کے حالات کا مطالعہ کرو۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ایک کفرستان میں آکر بیٹھ گئے اور ایک دنیا کو مسلمان بنا گئے۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ”ہاں“۔ پھر عرض کیا گیا کیا مؤمن جھوٹ بول سکتا ہے؟ فرمایا، ”نہیں“۔ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے۔ ہم لوگوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جب تک گفتگو میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو ہمیں لطف نہیں آتا۔

اللہ کے احسانات کا شکر

فرمایا: میرے حضرت سہارنپوری کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اگر تم اللہ کے احسانات کو شمار کرو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے۔

یہاں نعمت کو مفرد استعمال کیا گیا کیونکہ ایک ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔

دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ اللہ سے کرو

ارشاد فرمایا: میں ایک اہم ضروری بات کہنا چاہتا ہوں جو اپنے دوستوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں۔ میں نے اپنے بڑوں سے ایک اصول سنا ہے جو چچا جان کے ملفوظات میں بھی موجود ہے اور مولوی یوسف صاحب کی تقریروں میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ حدیث پاک سے مستنبط ہے۔ ''آدمی کو یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مجھے شریعت، عرف و عقل و قرابت کے اعتبار سے کیا معاملہ کرنا چاہئے''۔

بدی را بدی سہل باشد جزائے
اگر مردی احسن الیٰ من اساء

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

''رشتہ جوڑو جو تم سے رشتہ کاٹے اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو۔ اور جو برائی کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔

ایک حدیث میں ہے:

لیس الواصل بالمکافي ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا۔
(مشکوۃ)

رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدل کے طور پر رشتہ جوڑتا ہے بلکہ وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو اس کو جوڑے۔

ہمارے بزرگوں نے قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے جو بات دو فقروں میں فرمادی ہے اس پر عمل کرنے سے دنیا وآخرت دونوں جگہوں میں چین حاصل ہوگا۔ اگر کوئی شخص تم کو گالیاں دے رہا ہے، تمہاری غیبتیں کر رہا ہے، وہ تمہیں نیکیاں دے رہا ہے۔ اگر اس کے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں تو تمہارے گناہ اپنے سر لے رہا ہے۔ حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص کسی کو گالیاں دے اور مارے اس کا قصاص ضرور لیا جائے گا، حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔ بھائی ہوتا تو مجھ سے بھی نہیں مگر اصول بڑا اچھا ہے۔ تمہارے ذمہ جو دوسروں کے حقوق ہیں ان کو ادا کرنے کی کوشش کرو جہاں سے تمہیں بہت زیادہ ملے گا۔ تمہارے ذمہ اگر کسی کا ایک دانق ہوگا تو اس کے عوض میں سات سو مقبول فرض نمازیں آخرت میں کاٹ لی جائیں گی"۔ (شامی)

ہمارے پاس کہاں مقبول نمازیں ہیں۔ آج کل کثرت سے خطوط آتے ہیں۔ مہتمم حضرات مدرسین کی اور مدرسین ان کی شکایت کرتے رہتے ہیں اگر یہ اصول سامنے ہو تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

ارشاد فرمایا: کسی مہتمم کو نہ چاہئے کہ کسی کو بلا تنخواہ ملازم رکھے اور مدرسین سے کہا کرتا ہوں کہ تمہیں صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کام کرنا چاہئے۔ تمہیں جو تنخواہیں ملتی ہیں وہ تمہاری قیمت سے بہت کم ہیں مگر تمہیں جو کچھ مل رہا ہے اللہ کا احسان سمجھو۔

صرف چار احادیث انسان کے دین کے لئے کافی ہیں

ارشاد فرمایا: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف پانچ کا انتخاب فرمایا ہے۔ اس کے بعد امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو کا انتخاب اپنی کتاب میں کیا ہے اور ان میں سے صرف چار کا انتخاب فرمایا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چار تو وہی ہیں جن کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے منتخب کیا ہے اور ایک کو نہیں لیا کیونکہ اس کا مضمون ان میں آ گیا

ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ گویا امام صاحب سے ۵۲ سال بعد میں پیدا ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے اس قول کو لیا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ان چار حدیثوں میں سارا دین آ گیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے "النصح لکل مسلم" والی حدیث کو سب کا جامع بتایا ہے۔ وہ چار حدیثیں حسبِ ذیل ہیں:

ا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ۔ الخ

تمام اعمال کی مقبولیت کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے۔

اس سلسلے میں "رئیس الاحرار" کا قصہ تفصیل سے سنا جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ اس کے ضمن میں ارشاد فرمایا، میں نے بزرگوں کی پانچ سیڑھیاں دیکھی ہیں: پہلا دور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا، دوسرا دور حضرت کے خلفاء اجل حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور اعلیٰ حضرت رائپوری کا اور تیسرا دور حضرت مدنی و حضرت رائپوری اور چچا جان کا اور چوتھا دور مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور پانچواں اب مولوی انعام الحسن صاحب کا دور دیکھ رہا ہوں۔ بزرگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضائع نہیں جاتا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ معاصرت کی وجہ سے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا، وہ ضائع ہو گئے۔ مولوی یوسف رحمہ اللہ کے دور میں بعض لوگ کہا کرتے تھے "جو بات ان کے والد میں تھی وہ ان میں نہیں۔ میں کہا کرتا تھا جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں۔ یہی بات میں مولوی اسعد میاں اور مولانا قاری طیب صاحب اور مولوی انعام کے بارے میں کہا کرتا ہوں جو بات اکابر میں تھی وہ اصاغر میں کہاں؟ جب یہ چلے جائیں تو کفِ افسوس ملنا پڑے گا بعد میں یہ بھی نہیں ملیں گے۔

فرمایا: جو کرو اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو۔ اور کوئی نماز دکھانے کے لئے پڑھے گا کہ لوگ بزرگ سمجھیں تو یہی نماز منہ پر ماردی جائے گی۔

بزمین چوں سجدہ کردم زمین ندا برآمد
تو مرا خراب کردی بسجدۂ ریائی

اگر یہ سجدہ اللہ کی رضا کے لئے ہوتو بہترین عبادت ہے۔صاحبِ مظاہر حق نے "انما الاعمال الخ" کی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ''اگر کوئی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے، اسی کے ساتھ اعتکاف کی نیت کرے، اہلِ اللہ کی زیارت کی نیت کرلے وغیرہ وغیرہ، تو اس کے ثواب میں نیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا''۔

۲۔لایکون المؤمن مؤمنا حتی یرضیٰ لاخیه مایرضیٰ لنفسه

مؤمن حقیقی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اگر اس حدیث پر آدمی عامل بن جائے تو سارے باہمی جھگڑے ختم ہو جائیں۔ خود تو چاہے سوا سیر دوسرے کے لئے سیر تو پھر جھگڑے کیسے ختم ہوں۔اس حدیث میں حقوق العباد آ گئے۔چونکہ "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده**"(جس کی زبان وہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) اس حدیث کا مضمون اوپر والی حدیث میں آ گیا ہے۔اس کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل شمار کیا ہے۔امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ترک کردیا۔

۳۔من حسن اسلام المرئ ترکه مالایعنیه

انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔

لایعنی میں مشغول ہونے سے نہ دین کا نفع ہے نہ دنیا کا۔ایک صاحب کا میرے پاس خط آیا۔انہوں نے اپنے بعض معاصرین کے بارے میں بے جا استفسار کیا تھا۔میں نے ان کو جواب دیا کہ ان سوالات کا قبر میں جواب دینا ہے؟ منکر ونکیر سوال کریں گے؟ اس دھندے میں خواہ مخواہ کیوں پھنس گئے ہو؟ تمہیں جس سے عقیدت ہو بیعت ہو جاؤ۔

اپنے بچپن میں ایک انگریز کا قصہ سنا تھا جس کو علامہ شبلی نے کہیں اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ وہ جہاز پر سوار تھا۔جہاز ڈوبنے لگا اور وہ انگریز کتاب کے مطالعہ میں مشغول رہا،لوگ شور کررہے تھے۔میں ہوتا تو اس وقت کلمہ وغیرہ کی تلقین کرتا۔دیکھو بھائی! یہاں تفریح کی جگہ نہیں ہے بلکہ جس نیت سے آئے ہو مشغول رہ کر وصول کرو۔

فرمایا: اخبار وریڈیو پڑھ لو اور سن لو مگر یاد رکھو قبر میں منکر ونکیر سوال کریں گے ''مادینك ؟'' تمہارا دین کیا تھا؟

صوفیاء کے یہاں ''پاس انفاس'' کی مشق اسی لئے کرائی جاتی ہے کہ اگر آدمی کچھ نہ کر سکے تو کم از کم ہر سانس میں اللہ کا ذکر تو کرلے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

۴۔ الحلال بیّن والحرام بیّن الخ

حلال وحرام واضح ہیں مگر ان کے درمیان بعض مشتبہ (مشکوک چیزیں ہیں جو ان سے بچے گا وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلے گا)۔ اس کا نام تقویٰ ہے۔

جس چیز میں کھٹک ہو بعض علماء جائز کہتے ہوں اور بعض نا جائز، ان کو چھوڑ دینا چاہئے کیوں جھگڑے میں پڑے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے: ''**دع مایریبک الیٰ مالایریبک**''، جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو۔ **الحلال بیّن والحرام بیّن** الخ والی روایت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے: **ولکل ملک حمی**، ہر بادشاہ کے لئے بیڑ (مخصوص چراگاہ) ہوتی ہے، وہ جگہ ممنوع ہوتی ہے۔ حدیث کا مضمون بعد میں بیان کروں گا اس سے پہلے ایک قصہ سن لو۔

میری عمر بارہ برس کی ہوگی۔ ہمارے حضرت قطب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے چچا زکریا کا پنجاب میں نکاح تھا۔ چچا یعقوب نے اصرار سے مجھ کو بھی ساتھ لیا، چنانچہ سرہند کے قریب ''کھنّہ'' بارات گئی۔ یہ میرا سرہند کا پہلا سفر تھا۔ گھوڑے وغیرہ پر سوار کر کے ہم لوگوں کو روانہ کیا گیا اور حضرات پیدل تھے۔ چچا یعقوب تھانہ دار تھے، اتفاقاً ایک جگہ کچھ سپاہی ملے آپس میں چچا یعقوب کی ان سے بٹ بٹ (یعنی انگریزی) گفتگو ہوئی۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہاں کیا مصیبت آگئی۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہاں سے تھانہ کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ تھانہ دار۔ کہا کہ چلے جاؤ۔ اگر معقول جواب نہ دیتا تو گرفتار ہو جاتے۔

اسی طرح اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ اللہ کی بیڑ حرام کردہ چیزیں ہیں ایسی

چیزوں سے دور دور رہنا چاہئے۔ اسی کو بزرگی کہیں، اسی کو تقویٰ کہیں اور اسی کا نام تصوف ہے۔ ہر موقع پر احتیاط پیش نظر رہے۔

یہ سارے مجاہدے اور ریاضتیں اسی لئے ہیں کہ تقویٰ پر عمل آسان ہو جائے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ "ان چار حدیثوں کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی مشہورات وقواعد کلیہ جاننے کے بعد جزئیاتِ دین کو معلوم کرنے کے لئے کسی مجتہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی"۔ چونکہ حدیثِ اول عبادات کی درستگی کے لئے کافی ہے اور حدیثِ ثانی سے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں و متعارفین اور اہلِ معاملہ کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے۔ اور تیسری حدیث سے عمرِ عزیز کے اوقات کی محافظت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اور چوتھی حدیث ایسے مسائل ہیں جن میں علماء کو شک و تردّد ہے ایک واضح راستہ پیش کرتی ہے۔ غرض کہ یہ چاروں حدیثیں ایک عاقل آدمی کیلئے استاد و شیخ کا درجہ رکھتی ہیں۔ (بستان ص ۱۱۹)

حضرت اقدس مد فیوضھم نے حضرت شاہ نور اللہ مرقدہ کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ **"الدر الثمین"** میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصالِ ثواب کا خیال آیا (ہم لوگ اس کی طرف دھیان نہیں دیتے)۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو پیسے کے چنے خیرات کئے اور ایصالِ ثواب کیا۔ رات میں خواب میں زیارت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک میں ان چنوں کو لے کر حرکت دے رہے ہیں۔ غور کرو کہ دو پیسے کے چنے کی کیا حیثیت، مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اخلاص کی وجہ سے مقبول ہو گئے۔ تم علماء کرام ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمی جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ ان میں ایک ریاکار عالم ہوگا۔ غور کرو اگر ہم سے یہ مطالبہ ہو کہ ہم نے تم کو سہولتیں دیں، مدرسہ کی کتابیں دیں تو کیا جواب ہوگا؟ اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ ہم نے دین کے سارے مواقع پر علم دین کو خرچ کیا۔ لیکن خدانخواستہ اس کے جواب میں اگر یہ کہا گیا کہ تم نے اس لئے خرچ کیا کہ تم کو بڑا عالم، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث وغیرہ کہا جائے تو وہ کہا جا چکا۔ پھر سوچو کہ پھر کیا حشر ہوگا۔ اسی طرح

مالدار سخی اور شجاع کا حال بیان کیا گیا ہے۔ سخاوت اور جہاد کے باوجود اخلاص نہ ہونے سے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

غور کرو، اخلاص سے دو پیسے خرچ کرنے کی یہ قدر کہ حضور ﷺ کے یہاں مقبول اور یہاں سب کچھ خرچ کرنے باوجود کوئی قیمت نہیں۔

اس کے بعد حضرت نے نہایت درد سے فرمایا: میرے پیارو! تم دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو، مدرسہ کا حق ادا کرتے رہو۔ اگر مہتمم تم پر زیادتی کرتا ہے، تمہاری تنخواہیں کاٹتا ہے تو یہ سب تمہارے آخرت کے بنک میں جمع ہوتا رہے گا۔ "**اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ**" کا قانون ہے۔ تمہارا مہتمم یا طالب علم یا کسی سے کوئی معاملہ ہو ان سب کے ساتھ تمہاری یہی کوشش ہونی چاہئے کہ کسی کا کوئی حق تم پر باقی نہ رہے۔

تیسری حدیث میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحفظِ اوقات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جتنا مولوی اپنے اوقات کو ضائع کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ اب تو مدرسہ سے پڑھانے کا تعلق میرا ختم ہو گیا۔ جس زمانے میں میں پڑھاتا تھا یہ ڈھم والے (یعنی باجے والے) سڑک سے گزرتے تھے۔ میں شام کو گزرتے ہوئے دکانداروں سے تحقیقات کرتا کہ یہ کیا تھا۔ وہ کہتے کہ "ہمیں تحقیقات کرنے کے فرصت نہیں تھی"۔ مگر طلبہ کا فرقہ جہاں کہیں اس کو سنتا ہے جمع ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں اوقات کی قدر نہیں۔ بھائی ہمارے اوقات بڑے قیمتی ہیں۔ بھائی دس منٹ میں جتنا ہم قرآن وحدیث سیکھ سکتے ہیں اس کے برابر کسی چیز کی قیمت نہیں مگر افسوس کہ ہمیں قدر نہیں۔

اضافہ از مرتب

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

چوتھی حدیث میں تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ ورسول کے ارشادات میں دین ودنیا کی بھلائی ہے

فرمایا: میرے پیارو! ہم لوگ ہر وقت یہ دیکھتے ہیں کہ امریکہ وروس کیا کہتے ہیں؟

اور ناصر کیا کہتا ہے؟ حالانکہ ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں۔
میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں یہ پڑھا تھا کہ غسلِ جنابت تعبدی ہے، یعنی عقل میں تو آتا نہیں شریعت کا حکم ہے اس لئے غسل فرض ہے۔ کیونکہ منی کے نکلنے سے صرف موضع منی کو دھونا چاہئے۔ اس کے بعد میں نے اس کی مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ امریکہ و برطانیہ کے ایک طبی بورڈ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس وقت منی شہوت کے ساتھ نکلتی ہے تو بدن کے ہر بال اور ہر بُن میں ایک طرح کی سمیت پیدا ہو جاتی ہے اگر رگڑ رگڑ کر نہ دھویا جائے تو بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سے ایک مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ غسل جنابت میں مالکیہ کے نزدیک دلک (رگڑنا) فرض ہے اور بقیہ ائمہ کے نزدیک مسنون۔ اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آ گئی۔

۱۳۴۰ھ سے ۱۳۸۸ھ تک میرے ذمے دورہ حدیث کے اسباق رہے ہیں۔
میں اپنے اسباق میں برابر یہ کہتا رہا ہوں، حدیث **"اذا قعد بین شعبها الاربع الخ"** مسئلہ تو بتایا گیا ہے شریعت کا، مگر قربان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے صحبت کا بہترین طریقہ بتایا، صحبت کے اطباء نے بیسیوں طریقے لکھے ہیں مگر اس کو صحبت و صحت دونوں کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ قرار دیا۔

فرمایا: ایک اور مسئلہ کے ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین طریقہ سنو! خاص طور سے لندن والوں کے سُننے کا ہے۔ انگریزوں کے مردوں اور عورتوں میں پائریا کا مرض بہت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں نے تحقیقات کر کے فیصلہ کیا کہ مردوں کی داڑھی اور عورتوں کے سر کے بال رطوبت کو چوستے ہیں۔ چونکہ انگریزوں کے یہاں یہ نہیں ہے اس لئے یہ مرض وہاں بہت پیدا ہوتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں ہر طرح کی چیزوں کو پڑھتا تھا۔ اس طرح کی چیزیں تیس سال پہلے پڑھی تھیں اور اپنے رجسٹر میں درج کر لی تھیں۔ مولانا علی میاں کو بھی اس پر حیرت ہے۔ ایک سال تک میرا معمول تھا کہ رات میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ مشکل سے سویا ہوں۔
میں نے جب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں کنز الدقائق کا حاشیہ لکھ رہا تھا تو دو سال تک رات میں نہیں سویا۔

پندار جاناں بجائے کسی جان پدر
کہ بے سعی ہرگز نہ جائے رسی

حدیث شق صدر کا ذکر آیا ہے مثلاً حضور ﷺ کے سینۂ مبارک کو معراج سے پہلے چاک کر کے قلب اطہر کو نکالا گیا اور زمزم سے دھویا گیا اور اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ اس لئے کہا گیا کہ زمزم کا پانی آب کوثر سے افضل ہے، اس پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ سرسید نے بھی اعتراض کیا کہ ''ایمان و حکمت معنوی چیز ہے اس کو کس طرح بھرا گیا''، اور بعض بدتمیزوں کی تحریروں و زبانوں سے یہ اعتراضات ہم نے پڑھے اور سُنے ہیں مگر اسی زمانہ میں ہم نے یہ بھی پڑھا کہ بجلی کے ذریعہ ایک آدمی میں ۴۰، ۵۰ بلکہ ۸۰ گھوڑوں کی قوت بھری جاسکتی ہے پھر اس حدیث کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ علاماتِ قیامت میں ہے کہ ایک آواز ایسی آئے گی کہ مشرق و مغرب کے سارے باشندے سُنیں گے۔ آج لاسلکی نے اس کو سمجھا دیا، اسی طرح آیا ہے کہ محشر کی آواز سب سُنیں گے، ٹیلی ویژن نے اس کو سمجھنا آسان بنا دیا۔

نبی کریم ﷺ کی عادات میں سے ایک عادت مسواک کی ہے۔ ابوداؤد و نسائی میں اس روایت کے سلسلے میں ''اع، اع، اح، اح'' کے الفاظ وارد ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زبانِ مبارک پر بھی مسواک کرتے تھے، جس کو راوی نے اس طرح بیان کیا ہے۔ درحقیقت یہ آواز کی تعبیر ہے، کھانسی کے لئے مسواک کو ذرا اندر کی طرف پھیرے تو یہ اس کا بہترین علاج ہے یہ میرا بیسیوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ جتنی اندر مسواک ڈالی جائے گی جمع شدہ بلغم خارج ہو جائے گا اور کھانسی ختم ہو جائے گی۔ ڈاکٹر و حکیم جو بھی کہیں میری کھانسی کئی مرتبہ اس طرح کرنے سے ختم ہوئی ہے۔

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! سنت میں جو فوائد ہیں وہ کسی چیز میں نہیں، تجربہ کر لو مگر معاند کے ساتھ نہیں۔ میرے محلہ کے ایک صاحب نے جو میرے والد صاحب اور میرے چچا جان کے دوست تھے اور میرے بھی دوست تھے، انہوں نے اپنی عزیزہ کے لئے جو بیمار تھیں چچا جان کو خط لکھ کر تعویذ منگوایا، جوابی خط بھیجا تھا۔ چچا جان نے پتہ کاٹ کر میرے پتے پر جواب تحریر فرمایا اور اس میں ایک دعا لکھ دی کہ صبح و شام پڑھ دیا

کرواور اگر اس دعا سے نہ اچھی ہوتو اس کا مرنا ہی اچھا ہے جس کو اعتقاد نہ ہو اس کے لئے یہی حکم ہے خواہ ہماری عقول میں یہ باتیں آئیں یا نہ آئیں مگر حقیقت یہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: مفتی صاحب اس کا نقل کرنا کیسا ہے؟ مفتی صاحب خاموش رہے۔ فرمایا حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مرادآباد تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عورت اپنے مادر زاد نابینا لڑکے کو دعا کے لئے لائی اور بہت عاجزی سے درخواست کی کہ ''حضرت اس پر ہاتھ پھیر دیں کہ اچھا ہو جائے''۔ حضرت نے فرمایا یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ اس عورت نے عرض کیا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں آپ ہاتھ پھیر دیں، مگر مولانا وہاں سے اُٹھ کر چلے دیئے۔ راستہ میں عتاب (بذریعہ الہام) ہو گیا کہ ''تم کون اور عیسیٰ کون؟ کرنے والے ہم ہیں''۔ چنانچہ مولانا واپس ہوئے اور ''**مامی کنیم مامی کنیم**'' کہتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیرا اور وہ اچھا ہو گیا۔ درحقیقت نفع پہنچانے والا حق تعالیٰ ہے، عامی لوگ اسے کیا سمجھیں۔

بیعت کی حقیقت

آج بھی روزانہ کے معمول کے مطابق بہت سے لوگ بیعت ہوئے، اس سے فراغت کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: بیعت ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی مدرسہ میں کوئی طالب علم داخلہ فارم داخل کرے۔ اگر وہ داخلہ فارم داخل کر کے محنت نہ کرے تو وہ علم سے کورا رہے گا۔ اسی طرح اجازت گویا مدرسہ کی سند فراغ ہے یعنی طالب علم میں ایک خاص استعداد پیدا ہو گئی۔ جس طرح مدرسہ کی سند اس بات کی ضمانت ہے کہ تم میں پڑھانے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن اگر کوئی سند لے کر کھیتی باڑی شروع کر دے تو ضائع ہو جائے گی۔

اجازت کی ذمہ داری

اجازت بڑھانے کے لئے ہوتی ہے۔ جو لوگ اس کے بعد سمجھ گئے کہ میں کچھ ہو گیا وہ کھو گئے اور کھڈ میں گر گئے۔ اگر کچھ کر لے تو یہ ترقیات کا ذریعہ ہے اگر کہہ دوں کہ اللہ کی طرف سے اس بات کی شہادت ہے کہ تم میں اہلیت ہے بشرطیکہ کچھ کر لو تو بے جا نہ

ہوگا۔ جن لوگوں کو اجازت کا شوق پیدا ہو جائے وہ ناکام ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے معاصرین اور بڑوں میں اس کے خوب تجربے کئے ہیں۔ اگر کسی کے بارے میں مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا طالب ہے تو مجھے گرانی ہوتی ہے "**من طلب منکم الا مارۃ**" سے یہ مضمون مستنبط ہے۔ اپنی نااہلیت و کم مائیگی کا استحضار ضروری ہے۔ اجازت کے بعد جس کے قلب میں ایک بجلی سی کوند جائے اور کپکپی پیدا ہو جائے وہ کامیاب ورنہ ناکام رہے گا۔

جب مجھے میرے حضرت نے اجازت دی تو میرے اعضاء پر کئی دن تک اثر رہا، فغطنی والی روایت میں ہے "**فخشیت الخ**" اس کی بارہ (۱۲) توجیہات کی گئی ہیں، اس میں ایک یہ ہے کہ نبوت کے بار گراں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا اثر ہوا کہ موت کا اندیشہ معلوم ہونے لگا۔

میں نے اپنے اکابر اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے جس کو اجازت کے بعد کرنٹ کا سا اثر پیدا ہوا اس کو زیادہ نفع ہوا۔ اجازت بہت سی مصالح کی بناء پر دی جاتی ہے، میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر کے لوگوں میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کو اجازت نہیں دی گئی حالانکہ ان کے حالات بہت سے اجازت یافتہ لوگوں سے اچھے تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے بعض مجازین کو اندر بلایا اور کچھ لوگوں کو باہر بٹھایا اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم اونچے ہو اور دوسرے فروتر، یہ گھمنڈ نہ ہو۔ مجھے جب میرے حضرت نے اجازت دی تھی تو میری تمنا تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو، اس کے لئے میں نے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں تک پکڑ لئے۔

رمضان میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مکاتبت

فرمایا: رمضان میں میرا اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ ہر ایک دوسرے کو پہلے خط لکھا کرتا تھا، اکثر میں ہی لکھتا تھا عموماً کوئی شعر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے خط لکھا، اس میں یہ شعر تھا

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اکابر کے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

دوستی ودشمنی میں راہِ اعتدال

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں کو بُرائیوں کے ساتھ ذکر نہ کرو بلکہ ان کی بھلائیوں کا تذکرہ کرو۔ ہم لوگ اس قدر افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، تعریف میں تو کسی کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور کسی کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم اس کے ساتھ نہ انصاف کرو، انصاف اختیار کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا۔ میرے دوستو! دین پر مضبوطی سے قائم رہو اور اکابر کے طریقہ زندگی پر چلنے کا عہد کرو۔

مجاہدہ

ارشاد فرمایا: پورے مہینے کا ایک ایک عشرہ کی نیت سے اعتکاف مستحب ہے۔ اور ایذاء مسلم حرام ہے۔ تم لوگ مجاہدہ کے لئے آئے ہو، جب پلاؤ کی رکابیاں چلتے ہیں تو مجاہدہ کا کیا ہوگا؟ مجاہدہ تو رائپور کی دال میں تھا۔ بہت کھانا کوئی اچھی چیز نہیں، اگرچہ کم کھانے کو میں بھی نہیں کہتا۔ کچھ کرلو، اگلا رمضان آوے گا یا نہیں میں تو چلا ہی جاؤں گا اگر کچھ کرلوگے تو تمہیں ہی کام آوے گا۔

میرے والد صاحب رمضان میں گنگوہ میں اذان دیا کرتے۔ اگر کھجور وغیرہ موجود ہوتی تو اسی سے افطار کرتے ورنہ گھاس کا پتہ چبا کر طویل اذان دیتے کہ اتنے میں حضرت اقدس فارغ ہوجائیں۔

مہمانوں کا اکرام

آج ایک نابینا مہمان آئے تھے۔ حضرت نے ان سے فرمایا: تھوڑی دیر تشریف رکھئے پھر ملاقات کروں گا مگر وہ چلے گئے۔ اس پر حضرت کو بہت قلق ہو رہا تھا، چاروں طرف تلاش کرایا مگر وہ نہیں مل سکے۔

فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے مہمانوں کا اور زیادہ اکرام کروں۔ حدیث میں آیا ہے:

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔

جس کا اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اپنا شام کا کھانا چھوڑنے کا قصہ

ارشاد فرمایا: میرا چالیس پچاس سال سے شام کا کھانا چھوٹ گیا ہے۔ یہ میں نے مطالعہ کتب بینی میں حرج کی وجہ سے چھوڑا تھا ورنہ ابتداء میں بھوک لگتی تھی۔ ایک سال تک میری چھوٹی بہن مولوی سلمان کی نانی میرے پاس دورانِ مطالعہ میں بیٹھتی تھیں اور ایک ایک لقمہ میرے منہ میں ڈالتی رہتی تھیں۔ لیکن چونکہ اس سے بھی حرج ہوتا تھا اس لئے میں نے اس سے بھی منع کر دیا۔ اپنے اکابر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور چچا جان کی آمد پر خوب کھالیتا تھا گرانی نہیں ہوتی تھی مگر ۱۰، ۱۲ سال سے شام کا کھانا بالکل چھوٹ گیا ہے، اگر کبھی شام کو کسی کی آمد پر کچھ کھالیا تو گرانی محسوس ہوتی ہے۔

رمضان کا ادبار

فرمایا: میں اپنے دوستوں سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ رمضان میں ادبار بھی ہوتا ہے۔ بزرگوں نے اس سے استنباط کیا کہ حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے، اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا۔ اسی طرح رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب ستّر گنا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا۔

کاندھلہ کے افطار وسحری کا طریقہ

فرمایا: کاندھلہ میں پہلے رمضان المبارک میں ایک بڑا دیگ پکا کرتا تھا۔ اس دیگ سے کھانا نکال کر رکھ دیا جاتا اور سب لوگ کھالیتے اور جو آتا کھانے میں شریک ہوجاتا۔ اس کے بعد عشاء تک لوگ نفلوں میں مشغول رہتے مگر اب طریقہ بدل گیا ہے۔ ہمارے یہاں ایک گھر میں پانچ چھ حفاظ ہوتے تھے وہ تسلسل سے باری باری قرآن سناتے۔ سحری میں معمول یہ تھا کہ گرم روٹیوں کے ٹکڑے کردیئے جاتے اور اس میں راب وگھی ڈال دیتے، بالکل حلوے کی طرح ہوجاتی، وہی کھائی جاتی تھی۔ اس کو چوری کہتے تھے۔ اس کا شانِ نزول ہم نے یہ سنا تھا کہ وہ دیر ہضم ہوتی تھی، چائے کا دستور نہیں تھا۔ ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے ایک نسخہ میں لکھ دیا پورے قصبہ میں تلاش کرائی مگر نہیں مل سکی۔

اوقات کی پابندی

آج کچھ افریقی طلباء جلال آباد سے آئے ہوئے تھے انہوں نے آکر عرض کیا کہ ہم یہاں ۴ بجے تک کے لئے حاضر ہوئے ہیں کیونکہ مدرسہ سے اتنے ہی وقت کے لئے ہم نے چھٹی لی ہے۔ اس پر حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے جتنے دن کی چھٹی لے کر میں کاندھلہ جاتا ٹھیک وقت پر واپس آجاتا، کبھی اس کے خلاف نہیں کیا خواہ کوئی اہم بات پیش آجائے۔

اصل چیز مُرید کی طلب ہے

ارشاد فرمایا: باون (۵۲) سال تک دورۂ حدیث میں میں کہتا رہا ہوں اور یہی چیز بزرگی کے اندر بھی کہا کرتا ہوں کہ شیخ یا استاد کو متوجہ کرنا تمہارے اپنے قبضے کی بات ہے۔ حدیث پاک سے یہ مضمون مستنبط ہے۔ شیخ کی بے توجہی اتنی مضر نہیں جتنی مرید و طالب کی مضر ہے۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے ان کا قصہ اس پر دلیل ہے۔ یہ ناراضگی شیخ کی طرف سے تھی اور وہ اعرابی جس نے آکر آپ سے ”اقلنی

بیعتی" میری بیعت فسخ کر دیجئے کہا تھا حضور ﷺ نے اس سے اصرار سے مدینہ پاک میں قیام کے لئے فرمایا مگر نہ مانا تو ناکام رہا۔ یہ طالب کی بے توجہی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب بیعت ہوئے۔ حضرت نے انہیں ذکر کی تلقین کی اور تین چار دن روکنا چاہا مگر انہوں نے بہت سے اعذار بیان کئے اور جانے پر اصرار کیا۔ حضرت نے اجازت دیدی اور ارشاد فرمایا: "مقدرات کو کون ٹال سکتا ہے، دو، دو ضربوں میں مہینوں کی ترقی کر رہا تھا"۔

بذل کے بارے میں بعض لوگوں نے میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ تجویز رکھی، "یہ مدرسہ کے ملازم ہیں، مستقل آدمی کی ضرورت ہے"، چنانچہ ایک دوسرے صاحب اس کے لئے مقرر ہوئے لیکن یہ بیوی بچوں والے آدمی تھے، جلدی جلدی گھر جاتے تھے، دو دن کہہ کر جاتے تو چار دن میں واپس آتے۔ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کرتا کہ ان کی عدم موجودگی میں بذل میں لکھوں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے "مدرسہ کا حرج ہوگا"۔ میں زور سے کہتا کہ یہ سارے مدرسین بیماری وغیرہ کی رخصت لیتے رہتے ہیں میں تو کبھی غیر حاضر نہیں ہوا۔ دو دن کی چھٹی لیتا ہوں۔ اگر فرمائیں تو اس کی بھی ضرورت نہیں، میں خارج میں طلبہ کو پڑھا دوں گا، اس زمانہ کے طالب علم اسٹرائکی نہیں تھے۔

دوسری مرتبہ "بذل" کی تسوید و تحریر کے لئے ایک اور صاحب کو مقرر کیا گیا، مگر کاپی نویس نے کہہ دیا کہ "مجھے ان کے (یعنی حضرت شیخ کے) خط کے نقل کرنے میں زیادہ آسانی ہے"۔ وہ میرے معین بن گئے، اس طرح گھوم پھر کر پھر "بذل" میرے پاس آئی۔

باوضو سبق کا پڑھنا

ارشاد فرمایا: میرا ایک ساتھی اور دوست محمد حسن مرحوم تھا۔ اس سے زیادہ صالح میں نے اپنے بچپن میں کسی اور ساتھی کو نہیں دیکھا۔ ہم دونوں نے طے کر رکھا تھا کہ بے وضو کسی حدیث کو استاد کے سامنے نہیں پڑھنا ہے اور یہ کہ کوئی حدیث چھوٹنے نہ پائے۔

اب پیشاب کے تقاضے کی وجہ سے میں افطار میں بھی شرکت نہیں کر سکتا کیونکہ حرکت سے تقاضا پیدا ہو جاتا ہے اور کھانے کو جی نہیں چاہتا۔

قسم کھا کر فرمایا: اللہ کی قسم تم میں سے بہت سے لوگ مجھ سے افضل ہیں، میرا جی

چاہتا ہے کہ افطار و کھانے میں میں تمہارے ساتھ شریک ہوں مگر مجبوریاں ہیں۔
بہر حال ہم دونوں سبق میں توامین کی طرح ایک ساتھ بیٹھتے تھے، کبھی وضو کی ضرورت ہوتی تو کہنی مار کر وہ اُٹھ جاتا تو میں کہتا حضرت یہاں پر یہ اشکال ہے تا کہ سبق آگے نہ بڑھے اور وہ بھی وضو کر کے آ جائے، اسی طرح میں بھی کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں نے اشکال کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''تمہاری فتح القدیر سے میں کہاں نمٹتا رہوں گا ایک قصہ سُنائے دیتا ہوں''۔

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سبق میں اشعار و قصے وغیرہ بھی سُنایا کرتے تھے اور میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجسم وقار تھے۔ میرا بھی سبق میں معمول تھا کہ ششماہی تک والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تابع رہتا تھا اور اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا، کیونکہ کتاب ختم کرانی ہوتی۔ محمد حسن مرحوم کا خط بھی بہت پاکیزہ تھا مگر پاکیزہ خط والوں کا دستور ہے کہ وہ نقطے غلط لگاتے ہیں۔ ان کے ذمّے ''بذل'' کا کام دیا گیا تھا مگر اسی وجہ سے پھر میرے ہی پاس آ گیا۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پان کھانے سے احتراز

ارشاد فرمایا: میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں پان بغیر تمباکو کے کھاتا تھا، البتہ بعد میں تمباکو کھانا شروع کیا۔ میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ''بذل'' کے لکھنے کے وقت اچھے سے اچھے مہمان کا آنا گراں گزرتا تھا۔ جب کوئی آ جاتا تو میں ''شذرات الصحاح'' لکھنا شروع کر دیتا۔ تفصیل کے لئے آپ بیتی نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔ میں نے خوب پان کھائے مگر ان دانتوں پر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں کبھی سُرخی نہیں آئی۔ صبح کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ڈاک آتی تھی، اس وقت چھپ کر میں پان کھالیتا تھا اور اس کا معاملہ میں نے کتب خانہ کے ملازم سے کر رکھا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ گنگوہ جانا ہوا۔ وہاں بڑی اماں (نانی اماں) نے ایک بڑا پان میرے لئے اور ایک چھوٹا پان حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بنوا کر بھیجا، اس وقت میرے پان کھانے کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا۔

ایک دن صبح دس بجے کی مجلس میں حضرت مولانا منظور نعمانی کی تقریر ہوئی انہوں

نے فرمایا: آپ سب حضرات ایک اہم مقصد کے تحت یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس اُمت کو اعمال کا وارث بنایا اسی طرح رُوحانیت کا بھی وارث بنایا ہے اور اس کا سلسلہ اُمت میں تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔ ہم اپنے گھروں پر روزہ، تلاوت وغیرہ اعمال سب کرتے ہیں مگر یہاں آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان میں رُوحانیت پیدا ہو جائے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ حضرت اقدس مدفیوضہم کو انشراح ہو۔ اگر خدانخواستہ کسی بات سے تکدر ہوا تو اندیشہ ہے کہ کہیں سارا مجمع محروم نہ جائے اس کے لئے دو باتوں کا خاص دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔

۱: تحفظِ اوقات ۲: بے ضرورت بات نہ کی جائے

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ فرشتہ نبی کی رُوح قبض کرنے کیلئے اس کی اجازت لے کر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت ''اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ'' فرمایا۔ اس سے نبی کو جو اختیار دیا جاتا ہے اس کا مطلب سمجھ میں آیا، چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بغیر اجازت کے فرشتہ آیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں جلال غالب تھا اس لئے تھپڑ مارا۔ بہر حال حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دبوچا۔ علماء ظاہر کرتے ہیں کہ یہ استاد کی تنبیہ تھی شاگرد کے لئے۔ اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ استاد تین مرتبہ شاگرد کو تنبیہ کر سکتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک درحقیقت یہ دبوچنا نسبت اتحاد پیدا کرنے کے لئے تھا۔ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ وتعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضا جیسا عاشق مطیع ووفادار معشوق میں ہوتا ہے، اس کو وصول الی اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، اثر کئے بغیر نہیں رہتا

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ میرے والد صاحب (حضرت مولانا یحییٰ صاحب) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خادم تھے۔ والد صاحب سے دریافت فرمایا، مولوی یحییٰ یہاں کون کون ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی اہم بات فرمانی ہوتی اس وقت مذکورہ سوال اولاً فرمایا کرتے تھے۔ والد

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا میں ہوں اورالیاس (بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اس کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا "اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا"۔ یہی میری بھی رائے ہے کافر بھی اسی سے مسلمان ہوتا ہے، اگر اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو کفر ڈھل جاتا ہے۔ مگر ذاکرین شروع میں اہتمام کرتے ہیں۔ ابتداء میں اچھے اچھے حالات پیش آتے ہیں یہ بہت نازک مرحلہ ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ جب قلب ذکر سے مانوس ہوجاتا ہے تو وہ حالات کم ہوجاتے ہیں اس سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

کہ عشق آساں نبود اول و لے افتاد مشکلہا

برادرم مولانا عبدالرحیم متالا راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا، تم نے یہ شعر بھی سُنا ہے؟

برزباں تسبیح و در دل گاؤخر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

احقر نے عرض کیا جی! حضرت سُنا ہے، ارشاد فرمایا، ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ترمیم فرمائی ہے:

"ایں چنیں تسبیح ہم دارداثر"

یعنی ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے، لیکن یہ ترمیم دراصل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائی ہوئی ہے۔

نسبت کے اقسامِ اربعہ

ارشاد فرمایا: غور سے سُنو! تم علماء کرام ہو، **"لامع الداری"** کے حاشیہ پر ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی سے نقل کیا گیا۔ یہ مضمون (باب کیف کان بدأ لوحی) کے تحت **"فغطنی"** کی تشریح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ جب پہلی مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ **"ما انا بقاری"** میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تین مرتبہ دبوچا، اس کے بعد آپ پڑھنے لگے، اس

حدیث میں یہ بھی ہے "حتیٰ بلغ منی الجھد" اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس میں انتہائی مشقت ہوئی، اس پر بظاہر اشکال ہے۔

اس کا جواب یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصل ہیئت میں تشریف لائے تو ایک پوری قوم کو تباہ کر دیا۔ یہاں آدمی کی صورت میں تشریف لائے جو کسی کی زیؔ (ہیئت) اختیار کرتا ہے اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جن اگر سانپ بچھو کی شکل میں آئے تو ایک لکڑی سے اگر مارا جائے تو مر جائے گا۔ (حضرت شاہ اہل اللہ صاحب کا قصہ مشہور ہے دیکھو تذکرۃ الرشید) لیکن اگر جن اپنی اصلی ہیئت وصورت میں آئے تو اس کا مارنا آسان نہیں۔

بخاری شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جب حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کی رُوح قبض کرنے آئے تو انہوں نے تھپڑ کھینچ کر مارا تو ان کی ایک آنکھ نکل آئی۔ اس پر بہت سے جُہلا اپنی جہالت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ میرے پاس بھی اس پر اعتراضات کے بہت سے خطوط آئے، مگر یہاں بھی وہی بات ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آدمی کی صورت میں آئے تھے اس لئے مارنے کا اثر ظاہر ہوا۔ معلوم ہوا کہ اگر زیؔ (ہیئت) بدل جائے تو اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

شیخ المشائخ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں نسبت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں جو سمجھنے کے اعتبار سے اور ایک دوسرے کو ممیّز کرنے کے واسطے بہت مفید ہیں۔

حضرت اقدس قدّس سرّہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کی اصطلاح میں نسبت کی چار قسمیں ہیں:

نسبت انعکاسی: سب سے ابتدائی تو انعکاسی کہلاتی ہے، یعنی ذکر و شغل کی کثرت سے دل کا زنگ دُور ہونے کے بعد اس میں آئینہ کی طرح سے ایسی صفائی اور شفافی پیدا ہو جائے کہ اس میں ہر چیز کا عکس آئینہ کی طرح ظاہر ہو جاتا ہو۔ یہ شخص جب شیخ کی خدمت میں جاتا ہے تو شیخ کے قلبی انوار اور اثرات کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے اس کو

نسبت انعکاسی کہتے ہیں۔ اس کا اثر سالک کے قلب پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک شیخ کے پاس رہے یا اس ماحول میں رہے لیکن جب شیخ کی مجلس یا وہ ماحول ختم ہو جاتا ہے تو یہ اثر بھی ختم ہو جاتا ہے، البتہ اگر وہ ذکر و اذکار اور مجاہدہ جاری رکھے تو یہ کیفیت ہمیشہ باقی رہتی ہے جیسا کہ فوٹو میں ہر وہ چیز منعکس ہو جاتی ہے جو اس کے سامنے ہو۔ پھر اس کو مصالحہ لگا کر پختہ کرلیا جاتا ہے۔ پھر وہ صورت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اس نسبت پر بھی بعض مشائخ اجازت دیدیتے ہیں جس کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اُوپر گزر چکا ہے۔ اگر مجاہدہ اور ریاضت سے اس کو باقی رکھا جائے تو باقی رہتا ہے بلکہ مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

بندہ کے خیال میں یہی وہ درجہ ہے جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بایں مضمون لکھا ہے کہ "بعض مرتبہ غیر کامل کو بھی مجاز بنا دیا جاتا ہے، اس کو جو ناقص یا نااہل کہا گیا ہے وہ کمال کے اعتبار سے ہے۔ اس درجہ کی اجازت جس کو حاصل ہوتی ہے اس کو بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ باقی رہے بلکہ ترقی کر سکے"۔

نسبت القائیہ: دوسرا درجہ جس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے وہ نسبت القائیہ ہے جس کی مثال حضرت نے لکھی ہے کہ کوئی شخص چراغ لے کر اس میں تیل اور بتی ڈال کر شیخ کے پاس جائے اور اس کے عشق کی آگ میں سے لو لگائے۔ حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ درجہ پہلے سے زیادہ قوی ہے اور اس درجہ والے کے واسطے شیخ کی مجلس میں رہنے کی شرط نہیں بلکہ شیخ کی مجلس سے غائب بھی ہو جائے تو یہ نسبت باقی رہتی ہے اور جب تک تیل اور بتی رہے گی یعنی اوراد و اشغال کا اہتمام رہے گا، کہ یہی چیزیں اس مشعل ہدایت کی تیل اور بتیاں ہیں، اس وقت تک یہ نسبت باقی رہے گی۔ اس نسبت کے لئے تیل بتی تو اذکار و اشغال ہیں اور باد مخالف یعنی معاصی وغیرہ سے حفاظت بھی ضروری ہے کہ باد مخالف سے چراغ گُل ہو جایا کرتا ہے۔ یہاں ایک باریک نکتہ یہ ہے جس درجہ تیل بتی میں قوت ہوگی اتنے ہی درجہ کی مخالف ہوا کو برداشت کر سکے گی یعنی اگر معمولی سا چراغ ہے تو ہوا کے ذرا سے جھونکے سے بُجھ جائے گا گویا ذرا سی معصیت سے ختم ہو جائے گا، لیکن اگر چراغ قوی ہو تو معمولی ہوا اس کو گُل نہیں کر سکتی۔

بندہ (حضرت شیخ الحدیث) کے خیال میں اس جگہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ہر شخص کو اپنی حفاظت تو نہایت اہتمام سے کرنی چاہئے مبادا کہ کسی معصیت کے سرزد ہونے سے یہ بُجھ جائے لیکن اگر کسی دوسرے صاحب نسبت کے متعلق کسی واقعی یا غیر واقعی معصیت کی خبر سُنے تو ہرگز اس کی فکر میں نہ رہے، نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اعتراض کی فکر کرے، نہ معلوم اس کی مشعل کس قدر تیز ہو۔

بندہ کے خیال میں میرے اکابر کی اکثر اجازتیں اسی نسبت القائیہ پر ہیں۔ چنانچہ بہت سے اکابر اور ان کے مجازین کے حالات میں یہ دیکھنے اور سُننے میں آیا ہے کہ جب ان کو اجازت دی گئی تو ایک بجلی سی ان میں کوندگئی، جس کے اثرات مختلف ظاہر ہوئے۔ بندہ کے خیال میں یہ بجلی کی سی جو کیفیت کوندتی ہے یہ شیخ کی نسبت کا القاء ہوتا ہے جس کے بہت سے مظاہر دیکھے اور سُنے ہیں۔

یہ نسبت پہلی نسبت کے بالمقابل زیادہ قوی ہوتی ہے۔ لیکن دو چیزوں کی اس میں بہت ضرورت ہوتی ہے، ایک تیل بتی کا بقاء اور اس کے اہتمام کی یعنی اوراد واشغال کی، دوسرے بادِ صرصر سے حفاظت کی۔ اگرچہ معمولی سی ہوا اس کو ضائع نہیں کرتی لیکن معمولی ہوا بھی ایک دم تیز ہو جاتی ہے اور معمولی معصیت بھی ایک دم کبیرہ بن جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا: معاصی دو قسم کے ہیں۔ حیوانی و شیطانی۔ حیوانی کھانا، پینا، شہوت وغیرہ۔ شیطانی تکبّر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اپنے آپ کو اُونچا سمجھنا۔ اس کو ''رسالہ اسٹرائک'' میں میں نے لکھا ہے، مفتی محمود صاحب نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ اس سے پہلے قسم کے معاصی کی اہمیت ہلکی ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پہلے قسم کے معاصی رونے دھونے سے معاف ہو سکتے ہیں اور دوسرے قسم میں توبہ کی توفیق کم ملتی ہے۔ آدمی اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں اس کی معافی دیر سے ہوتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا مگر وہ غلطی سے گئے پھر توبہ کی اور وہ قبول ہوئی۔ ابلیس نے سجدہ سے تکبّر کی بنا پر انکار کیا تھا۔ پہلی قسم میں افتقار پیدا ہوتا ہے اور دوسری میں اللہ کی کبریائی سے مقابلہ۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے حالات قابلِ رشک تھے مگر دوسروں پر تنقید اور تحقیر

نے انہیں گرادیا۔ بہر حال اس نسبت سے اگر دوسری قسم کے معاصی مزاحم ہوئے تو معاملہ زیادہ سخت ہے۔

میں نے اپنے بڑوں اور معاصرین و چھوٹوں کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے لے کر مولوی انعام صاحب کا دور میرے سامنے ہے۔ ایک مصیبت ہر دور میں دیکھی کہ ہر دور میں لوگ یہ کہتے رہے کہ جو بات حضرت میں تھی وہ ان میں نہیں ہے۔ مثلاً کہتے تھے کہ جو بات مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ میں تھی وہ حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ) میں نہیں''۔ میں کہا کرتا تھا، جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں تھی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لوگوں میں بعض حضرات ایسے تھے جو بعد والوں کے لئے مشائخ کے درجے کے تھے، مگر بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء سے رجوع نہیں کیا، معاصرت حجاب بن گئی اس لئے گر گئے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''جب مجھ کو اجازت ملی تو میں تڑپ گیا''۔ اجازت پر ایک بجلی کوند جائے اور بے چین کردے یہ درحقیقت اجازت ہے، یہ نسبت پہلے سے قوی ہوتی ہے دیکھو عکس کو کوئی پکّا کرے گا تو پکّا رہے گا ورنہ مٹ جائے گا۔

نسبت اصلاحی: تیسرا درجہ جو حضرت شیخ المشائخ نے لکھا ہے وہ نسبت اصلاحی کا ہے۔ حضرت نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ نسبت دونوں سے بہت قوی ہے۔ حضرت نے مثال لکھی ہے کہ جیسے ایک شخص نہر کھودے اور اس کو خوب مضبوط بنائے اور اس کی ڈولیں درست کرے اور اس کو کھود کر اس کا دہانہ کسی دریا سے ملادے۔ اس دریا سے پانی کا دھارا زور وشور سے اس نہر میں آجائے کہ معمولی عارض بھی پتہ ٹہنیاں ، معمولی اینٹ روڑے اس کے پانی کے سیل کو نہیں روک سکتے بلکہ اس کے ساتھ بہے چلے جائیں گے، الّا یہ کہ کوئی نقب اس نہر میں لگ جائے یا کوئی چٹان اس نہر میں آکر حائل ہو جائے۔ بندہ کا خیال یہ ہے کہ قدماء کی اجازتیں زیادہ تر اسی پر ہوتی تھیں کہ وہ اولاً تزکیہ نفوس و اخلاق پر بہت زور لگاتے تھے اور جب نفس مزّکّی ہوجاتا تھا اس کے بعد اوراد و اذکار کی تلقین کے بعد اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ اکابر کے مجاہدات اور تزکیہ کے قصہ اگر لکھے جائیں تو بڑا دفتر چاہئے اور وہ آپ بیتی بھی نہیں ہیں۔ صرف مثال کے لئے

شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی قدّس سرّہ جو مشائخ چشتیہ کے مشاہیر مشائخ میں سے ہیں، شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدّس سرّہ کے پوتے ہیں جن کا مزار شریف گنگوہ شریف میں موجود ہے۔ ان کا واقعہ مختصر طور پر لکھواتا ہوں۔

حضرت ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضت کا واقعہ تو جیسا اکابر سے سنا اور کتب تواریخ میں پڑھا بھی، زیادہ طویل ہے۔ لیکن ارواح ثلثہ میں اس کو حضرت تھانوی قدّس سرّہ کی روایت سے مختصراً نقل کیا ہے۔ اس کو بعینہٖ نقل کراتا ہوں۔

ایک روز فرمایا کہ شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے۔ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آ کر استقبال کیا اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے کر بلخ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر صاحبزادہ صاحب کی خوب خوب خاطریں کیں۔ ہر روز نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکوا کر کھاتے، ان کو مسند پر بٹھاتے، خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔ اس وقت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیاوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کے لئے میں یہاں آیا، مجھے تو وہ دولت چاہئے جو آپ ہمارے یہاں سے لے کر آئے ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ آنکھ بدل گئے اور جھڑک کر فرمایا کہ جاؤ طویلہ میں جا کر بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب کی خبر رکھو۔

غرض یہ کہ طویلہ میں آئے۔ شکاری کتے ان کی تحویل میں دیئے گئے کہ روز نہلائیں، دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں۔ کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے۔ آدمی سے کہہ دیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کو دو روٹیاں جَو کی دونوں وقت گھر سے لا دیا کرو۔ اب شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی حاضرِ خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے تھے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے

جائے تو اس دیوانہ کے پاس سے گزریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ پاس سے گزری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا، تیوری چڑھا کر بولے "نہ ہوا گنگوہ، ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا۔ غیر ملک ہے، شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اس لئے کچھ نہیں کر سکتا"۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا۔ حضرت نے فرمایا ہاں ابھی بو ہے صاحبزادگی کی۔ پھر دو ماہ تک خبر نہ لی۔ اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ پر ڈال کر جواب سنے کہ کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی۔ اس مرتبہ شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ بھنگن نے آ کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں، تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا ابھی کچھ بو باقی ہے۔ پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ "اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ٹوکرا اس پر پھینک ہی دیجیو کہ پاؤں تک بھر جائیں"۔ چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا۔ اس لئے گھبرا گئے اور گڑ گڑا کر کہنے لگے "مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی، کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟"۔ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکرے میں ڈالنی شروع کی کہ لا میں بھر دوں۔

بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آ کر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی۔ شیخ نے فرمایا، "بس اب کام ہوگیا"۔ اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے، کتوں کو تیار کر کے ہمراہ چلنا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔ شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کتوں کی زنجیر تھامے پا بر کاب ہمراہ ہو لئے۔ کتے تھے زبردست شکاری، کھاتے پیتے، توانا اور ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بے چارے سوکھے بدن، کمزور، اس لئے کتے ان سے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ بہتیرا کھینچتے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوتے جاتے تھے۔ آخر انہوں نے زنجیر کمر سے باندھ لی۔ شکار جو نظر پڑا تو کتے اس پر لپکے۔ اب شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ بے چارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کو کھینچتے کھینچتے چلے جاتے تھے۔

کہیں اینٹ لگی، کہیں کنکر چبھی، بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انہوں نے اف نہ کی۔ جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہوں گے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہ کی۔ کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان مقصود تھا سو ہو لیا۔ اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ رنج کیساتھ فرماتے ہیں ''نظام الدین! میں نے تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی''۔ صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگایا اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لے کر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لئے جاتے ہو۔ مبارک ہو، وطن جاؤ۔ غرض مجاز حقیقت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔

ارشاد الملوک میں لکھا ہے کہ جب مرید توبہ کے مقام کو صحیح کر چکے اور ورع وتقویٰ کے مقام میں قدم مضبوط جما کر زہد کے مقام میں قدم رکھے اور اپنے نفس کو ریاضت و مجاہدات سے ادب دے چکے تو اس کو خرقہ پہننا جائز ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ حضرات اپنے خلفاء کو اجازت دینے کے بعد مختلف اقالیم میں منتقل کر دیا کرتے تھے اور وہاں کی اصلاح ان کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ ایسے درجہ کے لوگوں کو مشائخ کی خدمت میں کثرت سے حاضری کی ضرورت نہیں رہتی مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ کے ہوتے ہوئے اس سے استغناء بعد تکمیل بھی نہ چاہئے کیونکہ اگر مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلہ استفادہ جاری رکھنا درجہ ضرورت میں نہ رہے لیکن ترقیات کے لئے تو پھر بھی اس کی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ افادہ درجہ ضرورت میں بھی رہتا ہے۔ لہٰذا شیخ حق سے استغناء کسی حال میں بھی نہ چاہئے اور جنہوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت ہی متغیر ہو گئی۔

مطلب یہ ہے کہ ضرورتِ استفادہ دوسری چیز ہے اور استغناء دوسری چیز ہے۔ یعنی اپنے کو شیخ سے مستغنی اور اپنے کو مستقل سمجھے تو یہ یقیناً مضر ہے بلکہ بعض اوقات کمال کے بعد بھی کبھی کبھی احتیاج پیش آ جاتی ہے۔ اسی بناء پر میں نے اپنے حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کو بارہا کہتے ہوئے سنا اور بعض خطوط میں خود ہی اس ناکارہ سے لکھوایا کہ

میرے بعد اگر کہیں مشورہ کی نوبت آجائے تو فلاں فلاں سے کرتے رہیں۔ البتہ یہاں ایک نہایت اہم بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ شیخ سے یا جن لوگوں کا شیخ نے نام بتلا دیا ہو یا جو شیخ کے مسلک پر ہوں اور دلالتِ حال سے ان سے رجوع و مشورہ شیخ سے رجوع و مشورہ کے خلاف نہ ہو ایسے لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے اور مشورہ لیا جائے۔ اور جن کا مسلک شیخ کے مسلک کے خلاف ہو اور انداز سے یہ معلوم ہو جائے کہ شیخ ان سے رجوع و مشورہ کو پسند نہ کریں گے تو ان سے رجوع نہ کرنا چاہئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انفاس عیسیٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ کے ماسوا دوسرے شیخ کی خدمت میں دو شرط سے جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کا مذاق شیخ کے مذاق کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس سے تعلیم و تربیت میں سوال نہ کرے فقط۔

اور عوام کے لئے اس سے بھی زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ شیخ کی زندگی میں سلوک و احوال کے متعلق کسی دوسرے سے رجوع نہ کرے بجز اس کے کہ خود شیخ سے قولاً یا دلالتاً ان سے رجوع کرنے کی اجازت ہو۔ اور بعض جاہل جو اس فن سے بالکل ہی نابلد ہیں اور بالکل ہی احمق، ہیں وہ یہ ظلم کرتے ہیں جس کا آج کل بہت ہی زور ہو رہا ہے کہ بیک وقت کئی کئی مشائخ سے بیعت ہو جاتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں وہیں بیعت ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں مشائخ کو بھی اس پر تنبیہ کر دینی چاہئے کہ جو شخص اہلِ حق میں سے کسی ایسے شخص سے مرید ہو کہ وہ ابھی حیات ہے تو دوسرے سے بیعت نہ ہو۔

اس مرتبہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ معمولی عارض پتے، ٹہنیاں، معمولی اینٹ روڑے اس کے پانی کے سیل کو نہیں روک سکتے۔ بندہ کے خیال میں اس سے مراد حیوانی تقاصیر ہیں، شیطانی تقاصیر بہت سخت ہیں۔ وہ بمنزلہ چٹان کے ہیں جس کو میں اپنے رسالہ ''اسٹرائک'' میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ اور اسی درجہ میں شیخ کی ناراضی اور اس کا تکدّر بھی داخل ہے۔ میں رسالہ اسٹرائک میں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ہمارے سلسلہ کا مدار عقیدت اور محبت پر ہے۔ یعنی شیخ کی طرف سے محبت اور مرید کی طرف سے عقیدت ہو۔ مشائخ سلوک کا مشہور مقولہ ہے کہ شیخ کی معمولی ناراضی اتنی مضر نہیں جتنی مرید کی طرف سے عقیدت میں کوتاہی مضر ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی

قدس سرہ نے انفاس عیسیٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ طریق باطن میں اعتراض اس قدر برا ہے کہ بعض اوقات کبائر سے برکات منقطع نہیں ہوتے مگر اعتراض سے فوراً منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس طریق میں یا تو کامل اتباع اختیار کرے ورنہ علیحدگی اختیار کرے:

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب
بے ادب تنہا نہ خودرا دشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے والا برکاتِ باطنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے کیا وہ بھی قطع ہو جاتی ہے؟ فرمایا کہ ہاں! شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے وہ بھی قطع ہو جاتی ہے۔ گستاخی بڑی خطرناک چیز ہے گو معصیت نہیں مگر خاص اثر اس کا معصیت سے بھی زیادہ ہے۔ اس طریق میں سب کوتاہیوں کا تحمل ہو جاتا ہے مگر اعتراض اور گستاخی کا نہیں ہوتا۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق
گردو اندر وادی حسرت غریق
ہر کہ بیباکی کند در راہ دوست
رہزن مرداں شد و نامرد اوست

اس نسبت والے اکابرِ مشائخ سے اگر کوئی لغزش عوام کی نگاہ میں محسوس ہو تو اس پر اعتراض ہرگز نہ کریں۔ کیا بعید ہے کہ اس لغزش کو ان کی نسبت کا سیلاب بہائے لئے چلا جائے اور تم اس کی عیب جوئی اور لغزشوں پر نگاہ کر کے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے تو ایک اہم وصیت فرمائی ہے جو ابوداؤد شریف میں بہت تفصیل سے ہے۔ اس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حکیم سے بھی بعض باتیں گمراہی کی نکل جاتی ہیں اور منافق بھی بعض مرتبہ کلمۃ الحق کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا، اللہ آپ پر رحم کرے ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ یہ حکیم کی بات گمراہی کی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم کی ایسی باتوں سے اجتناب کرو جس کو لوگ (علماء حق) یوں کہیں کہ

فلاں نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ لیکن یہ بات تجھ کو اس حکیم سے دور نہ کردے۔ کیا بعید ہے کہ وہ حکیم تو عنقریب اپنی بات سے رجوع کرلے (یا اپنے فعل سے توبہ کرلے) اور تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ علماء حق کی غلط بات میں پیروی تو نہ کی جائے اور نہ ہی ان کے اس قسم کے قول و فعل کا اتباع کیا جائے لیکن ان پر سب و شتم نہ کی جائے۔ ان میں بڑے مضرات ہیں جن کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ اعتدال میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے۔

یہاں نہایت ہی اہم اور نہایت ہی ضروری امر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس نسبت والے اکابر کے کسی نامناسب فعل میں اتباع ہرگز نہ کیا جائے۔ اگرچہ یہ مضمون اوپر بھی آچکا ہے مگر اہتمام کی وجہ سے میں دوبارہ لکھتا ہوں۔ مثلاً نسبت القائی والے ان حضرات کی کسی لغزش میں یہ سمجھ کر اتباع کریں کہ یہ امر فلاں حضرت نے بھی کیا ہے یا کہا ہے تو ان کے لئے سخت مضر ہے۔ اس لئے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ نسبت القائی والوں کے لئے ذرا سا مانع بھی ان کی نسبت زوال کا سبب ہوتا ہے اور اس نسبت والے حضرات کی لغزشیں سیلاب میں بھی بہہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کاراتوں کا چپکے چپکے رونا نہ صرف کفارہ بلکہ بسا اوقات **فاولئك يبدل الله سياتهم حسنات** کا مصداق بن جاتا ہے اور نسبت القائی والا ان کی حرص کرکے اپنے کو نیچے گرا دے گا۔ اور جب نسبت القائی والے کا یہ حال ہے تو انعکاسی والے کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہ بہت ہی اہم اور قابلِ لحاظ بات ہے۔ میں بسا اوقات بعض مبتدیوں کو بعض منتہیوں کی لغزشوں میں حرص کرکے اپنی جگہ سے بہت دور گرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

نسبت اتحادی: حضرت شاہ صاحب نے نسبت کی چوتھی قسم اتحادی بتلائی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اپنی نسبت روحانیہ کو جو حاملِ کمالات عالیہ ہے مرید کی روح کے ساتھ قوت سے پیوست کردے اور اپنی نسبت کو قوت کے ساتھ دبوچ کر یا اور کسی طرح سے مرید کے قلب میں پیوست کردے اور گویا شیخ و مرید میں روحانی اعتبار سے کوئی فرق نہ رہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت شاہ صاحب نے اس چوتھی نسبت کی مثال میں ایک عجیب قصہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا، جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے اور جن کا مزار مقدس دہلی میں ہے، کے متعلق لکھا ہے۔ ان حضرات کو کوئی شخص ہدایا دے تو بعض اوقات بڑی گرانی سے محض ہدیہ دینے والے کی دلداری کی بناء پر قبول کرتے ہیں لیکن جو ہدیہ غایت احتیاج کے وقت آئے اس کو بہت ہی قدر سے قبول کرتے ہیں اور اس وقت کی دعا بہت دل سے نکلتی ہے۔ ایسے وقت کی دعاؤں میں معطی کے لئے یہ حضرات جو کچھ مانگتے ہیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرما دیتے ہیں۔ ایسے وقت کی دعائیں ہر وقت نہیں ہوتیں لیکن جب ہوتی ہیں تو تیر بہدف ہوتی ہیں اور بہت جلد پوری ہوتی ہیں۔ ایسی ہی دعاؤں کو دیکھ کر بعض لوگوں کو مشائخ کے متعلق یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ حضرت کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اہم وقت ان حضرات کے یہاں وہ ہوتا ہے جب ان کے یہاں کوئی اہم مہمان اللہ والا آ جائے اور پاس کچھ نہ ہو۔ اس وقت کا ہدیہ ان کے یہاں قیمتی ہوتا ہے۔

یہ میں پہلے اپنے اکابر کے حالات میں لکھوا چکا ہوں کہ جب میرے اکابر میں سے کوئی ایک دوسرے کے یہاں مہمان ہوتا تو میزبان کی یہ خواہش ہوتی کہ جو خاطر ہو سکے کر دوں۔ بہر حال اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں کچھ مہمان اہم آ گئے۔ ایک بھٹیارے کی دکان حضرت کی قیام گاہ کے قریب تھی۔ اس بھٹیارے نے دیکھا کہ کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں، اس نے بہت بڑا خوان لگا کر اور اس میں مختلف قسم کے کھانے رکھ کر حضرت خواجہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے ہیں، میں ان کے لئے کچھ کھانا لایا ہوں، قبول فرما لیں۔ حضرت کو بہت ہی مسرت ہوئی اور وہی بے اختیاری شان کے ساتھ فرمایا "مانگ کیا مانگتا ہے؟" اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا دو۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامّل کر کے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لے۔ طباخ نے کہا بس یہی چاہئے۔ چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھے کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اس لئے اس کے تین مرتبہ کے اصرار

پر اس کو حجرۂ مبارک میں لے گئے، اندر سے زنجیر لگالی۔ اس کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح سے کہ انہوں نے نزولِ وحی کے وقت نبی کریم ﷺ نے یہی فرمایا کہ میں قاری نہیں۔ اور تیسری دفعہ میں دبا کر جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا وہ پڑھنا شروع کر دیا، یا حضرت خواجہ صاحب نے کوئی اور توجہ فرمائی ہوگی۔ آدھ گھنٹے بعد جب حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک بھی ایک ہوگئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے لیکن وہ طباخ سکر (بے خودی) کی حالت میں تھا اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہوگیا، اللہ بلند درجے عطا فرمائے۔ موت تو آنی ہی تھی اور اس کا جو وقت مقرر تھا اس میں تقدّم و تاخر نہیں ہوسکتا تھا لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طباخی کی اور موت کے وقت خواجہ باقی باللہ بن کر آخرت کے بھی مزے لوٹے۔

اسی نوع کا ایک قصہ حضرت شاہ غلام بھیک نور اللہ مرقدہ کا مشہور ہے کہ وہ اپنے شیخ شاہ ابو المعالی قدّس سرّہ کے عاشق تھے اور جب حضرت شیخ سفر میں جاتے تو یہ بھی ہمرکاب ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ قدّس سرّہ سہارنپور خدام کے اصرار پر تشریف لائے اور شاہ غلام بھیک بھی ہم رکاب تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ شیخ کے یہاں آج کل فاقوں پر فاقے چل رہے ہیں اس لئے حضرت شیخ قدّس سرّہ کی جہاں دعوت ہوتی شاہ غلام بھیک دعوت کرنے والے سے یہ طے کر لیتے کہ دو آدمیوں کا مزید کھانا دینا پڑے گا۔ اور روزانہ عشاء کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھ کر، حضرت کو لٹا کر دو نفر کا کھانا لے کر پا پیادہ انبہٹہ جو سہارنپور سے ۱۶ میل ہے، تشریف لے جاتے اور اہلیہ کو کھانا دے کر فوراً واپس آتے اور تہجد کے وقت حضرت کی خدمت میں آجاتے۔ چند روز بعد جب حضرت انبہٹہ پہنچے تو اہلیہ سے پوچھا کہ کس طرح گزری تو ان کو اس سوال پر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ تو آپ روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے پھر گزر کا سوال کیسا۔ اور بیان کیا کہ دو گھڑی رات گزرنے پر شاہ بھیک روزانہ کھانا دے جایا کرتے تھے۔ شیخ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور باہر آکر شاہ بھیک سے پوچھا تو انہوں نے صورت حال عرض کر دی۔ اور کہا کہ اماں جی اور صاحبزادہ تو فاقہ کرتے اور بھیک اپنا پیٹ بھرتا، اس کی

غیرت نے گوارہ نہ کیا۔ شیخ کو اس جواب سے مسرت ہوئی اور یہ فرما کر کہ تو نے میرے توکل میں تو ضرور فرق ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا اور اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی وہ عطا فرما دی۔ شاہ بھیک نے اپنے قلب کو نورِ معرفت سے معمور دیکھا تو شیخ کے قدم چوم لئے اور مستانہ وار شوق میں یہ دوہا زبان سے نکلا:

بھیکا مالی پر واریاں پل میں سو سو بار

کا گا سے ہنس کیا اور کرت نہ لاگی بار

یعنی بھیک (اپنے مرشد) ابوالمعالی پر ہر آن سو سو دفعہ قربان ہو کہ انہوں نے اس کو زاغ سے ہنس (یعنی ناکارہ اور نا اہل سے اہل) بنا دیا۔ اور ایسی جلدی بنایا کہ دیر بھی نہ لگی (اِدھر سینہ سے سینہ لگا اُدھر ولایت و معرفت الٰہیہ نصیب ہو گئی)۔ اس قصہ میں دعوت میں شرط کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دعوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی شرط فرمائی۔

سینہ سے سینہ ملا کر سب کچھ ملنے کے واقعات مشائخ کے کثرت سے ہیں

حضرت شاہ قدس سرّہ کی رائے مبارک یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضور اقدس ﷺ کو ابتداء وحی کے وقت تین مرتبہ دبوچنا نسبت اتحادیہ پیدا کرنے کے لئے ہے اور یہ جس مقدس ہستی کی ابتدائی ترقی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اتحاد کے ساتھ شروع ہوئی ہو اس نے ۲۳ سالہ زندگی میں کہاں تک ترقی کی ہوگی اس کو تو اللہ ہی جانے یا وہ جانے جس نے یہ مراتب حاصل کئے، لیکن اتنا تو ہر عامی بھی جانتا ہے کہ جس نے ابتداء میں تین مرتبہ دبوچ کر ابتداء کرائی تھی تیرہ برس بعد شب معراج میں نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر پیچھے رہ گیا کہ:

اگر یک سر موئے برتر پرم

فروغ تجلّی بسوزد پرم

میری تو پرواز کی انتہا ہو چکی، اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں گا تو تجلّی باری سے جل جاؤں گا۔ اور پھر یہ سید الکونین ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چھوڑ کر قاب قوسین تک پہنچ گئے اور پھر اس کے بعد زندگی کے دس سال تک کیا کیا ترقیاں کی ہوں گی

اس کو تو وہی حضرات جانتے ہیں جن پر حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت منکشف ہوگئی ہو۔
حضرت شاہ صاحب کا تو ارشاد اتنا ہی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دبوچنے سے نسبت اتحادیہ حاصل ہوئی، لیکن اس سیاہ کار کا خیال یہ ہے کہ یہ سلوک تفصیلی تھا۔

غارِ حرا میں چھ ماہ تک انقطاع عن الدنیا و توجہ الی اللہ کے ساتھ قلب اطہر میں وہ صفائی اور نور تو پہلے ہی پہلے پیدا ہو چکا تھا جو نسبت انعکاسی کا محل ہوتا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت دیکھ کر صفات ملوکیت کا انعکاس تو شروع ہی میں ہوگیا تھا اور پہلی مرتبہ کے دبوچنے میں نسبت القائی اور دوسری مرتبہ میں نسبت اصلاحی اور تیسری مرتبہ نسبت اتحادی پیدا ہو کر وہ صفات ملوکیت جن کا انعقاد ابتدائے وہلہ میں حاصل ہوا تھا وہ تیسری مرتبہ کے دبوچنے میں طبیعت ثانیہ بن گیا اور جس کی ابتداء میں فرشتوں کے خصائل بلکہ سید الملائکہ جبرائیل علیہ السلام کے خصائل طبیعت ثانیہ بن گئے ہوں اس کے تئیس (۲۳) سالہ مجاہدات اور تعلق مع اللہ میں کتنی ترقیات ہوئی ہوں گی، اس کی اگر کوئی مثال کہی جاسکتی ہے تو بس یہی ہے کہ:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

میں نے اپنے اکابر کے بعض خدام میں بھی اس نسبت اتحادیہ کی جھلک پائی کہ گفتگو میں، طرز کلام میں، رفتار میں، کھانے پینے کی اداؤں میں اپنے شیخ کی بہت ہی مناسبت تھی۔ مگر خود نابلد نابالغ بلوغ کی لذتوں سے کب واقف ہوتا ہے۔ میری مثال اس شعر کی سی ہے:

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

کبھی شاگرد اُستاد سے بڑھ سکتا ہے

فرمایا: حدیث میں آیا ہے: "رب مبلغ اوعی من سامع" حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے اور علماء نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شاگرد اُستاد سے بڑھ جاتا ہے جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے

بہت سے شیوخ سے بڑھ گئے تھے۔ علماء نے مذکورہ بالا حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ علم کو اپنے ادون سے بھی لینا چاہئے، یہی حال سلوک کا ہے۔

ہر تنقید قابلِ قبول نہیں

ارشاد فرمایا: میرے اقوال و افعال قابلِ احتجاج نہیں جب تک کہ تحقیق نہ ہوجائے۔ البتہ تحریر قابل اعتماد ہے اس لئے کہ مولویوں اور مفتیوں کو میں بار بار دکھالیتا ہوں۔

فرمایا: آج مولانا ابرار صاحب (خلیفہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک تنقید کی اور محبت کی تنقید تھی، ایسی تنقید مجھے اچھی لگتی ہے۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ "یہاں کی تراویح بہت معیاری ہونی چاہئے"۔ حضرت نے فرمایا: یہاں کی ہر چیز معیاری ہونی چاہئے، مجھے اس سے انکار نہیں۔ البتہ ہر شخص کے مصالح ہوا کرتے ہیں جس کو وہی سمجھتا ہے۔

مقدمہ "اوجز" میں لکھا ہے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اخیر زندگی میں مدینہ منورہ کے قیام کے باوجود مسجد میں شرکت جماعت کے لئے نہیں جاتے تھے۔ جب ان سے لوگ دریافت کرتے تو فرماتے، مجھے عذر ہے بعض وجوہ سے میں اس کو بیان بھی نہیں کرسکتا۔

میں نے نظام الدین مرکز تبلیغ بار بار لکھا کہ تمہارے یہاں کئی مساجد میں تراویح ہوتی ہے مگر ایک مسجد ایسی بھی ہونی چاہئے کہ اس میں پانچ چھ دن میں ایک قرآن ختم ہوا کرے تاکہ وہاں آنے والوں کو بھی پورا قرآن سُننے کا موقع مل سکے۔

یہاں پر ہر عشرے میں ایک قرآن ختم کراتا ہوں تاکہ تبلیغ والوں کو اور مدارس کے چندہ وصول کرنے والوں کو بھی پورا قرآن سُننے کا موقع مل سکے۔ رات میں کچھ کرلیا کروتو بہت سی ترقیات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

تھانہ بھون حاضری اور وہاں قرآن سُننے کی فرمائش

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ یہ ناکارہ اور مولانا عبدالطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ ہم لوگ حضرت کے صحن میں کھانا کھانے بیٹھے۔ حضرت

مکان کے اندر سے بہت ہی ہنستے ہوئے تشریف لائے وہ منظر آج بھی آنکھوں و کانوں میں گونج رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''مولانا زکریا صاحب آج ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ آپ قاری بھی ہیں''۔ میں نے عرض کیا حضرت بالکل نہیں، میں تو فارسی میں قرآن پڑھا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ آپ قاری نہیں ہیں مگر یہ عورتیں مکان میں بہت ساری جمع ہیں اور متفق اللّسان ہیں کہ آپ قاری ہیں اور آپ سے قرآن سُننے کی میرے واسطے سے درخواست کر رہی ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ بھائی احمد علی صاحب مکی مع اپنی اہلیہ کے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت بھائی احمد علی کی اہلیہ تو ان میں نہیں ہیں؟

حضرت نے فرمایا: کیسے سمجھا، میں نے عرض کیا کہ یہ تو روایت صحیح ہے پھر میں نے تحفۃ الاخوان اور شرح جزری کا سارا قصہ سُنایا اور میں نے کہا کہ حضرت میں مدینہ میں قاری ہوں اور ہندوستان میں نہیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۳۴۵ھ میں جب مدینہ پاک ایک سال کے لئے میری حاضری ہوئی تھی تو وہاں کچھ تجوید پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور المقری الشہیر استاذ الاساتذہ القاری حسن شاعر جو اس زمانے میں معمّر تھے اور مکہ مدینہ کے قراء کے مشہور استاد تھے۔ بڑا ان کا شہرہ تھا۔ میں نے ان سے شاطبی شروع کی، لیکن پہلے ہی سبق میں لڑائی ہوگئی اس لئے کہ حضرت قاری صاحب نے یوں فرمایا کہ مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں اشعار حفظ کرلو۔ اس ناکارہ نے عرض کیا اشعار تو ضرور حفظ کر کے سُنایا کروں گا مگر اتنے مطلب نہ سمجھوں اتنے قرآن کے الفاظ کی طرح اس کے اشعار کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟

میرے حضرت قدّس سرّہ کو کئی ماہ بعد اس قصہ کی خبر ہوئی تو حضرت نے فرمایا: تو نے مجھ سے نہ کہا، شاطبی تو تجھے سمجھا کے میں پڑھاتا۔ قاری صاحب کی شاگردی تو اسی دن ختم ہوگئی تھی۔ لیکن ان کی شفقت و محبت اب تک بھی رہی۔ جب کبھی وہاں حاضری ہوئی تو وہ بہت فخر سے فرماتے کہ یہ میرے شاگرد رشید ہیں۔ ان کی عربی تالیف ''تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن'' کا ان کے حکم سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جو بار بار طبع ہوا اور انہیں کے حکم سے طلبہ کے لئے ''شرح عربی جزری'' کی لکھی تھی۔

ارشاد فرمایا: ایک زمانہ میں مدرسہ قدیم کی مسجد میں میں نائب امام تھا، قاری محمد حسین اجڑاڑوی نے ایک مرتبہ میرے حضرت سے فرمایا: ''مولوی زکریا کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے''؟ حضرت نے فرمایا: کہ میری تو ہوجاتی ہے تمہاری نہ ہوتی ہو تو اعادہ کرلو یعنی حضرت اقدس مدّ فیوضہم قرآن تیز پڑھتے تھے۔

خانقاہوں کی بربادی پر اظہارِ افسوس اور مدارس میں اسٹرائک کا سبب

ارشاد فرمایا: میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے کہ ہماری خانقاہیں برباد ہورہی ہیں۔ نہ رائپور رہا، نہ تھانہ بھون، نہ گنگوہ رہا۔ خاص طور سے میرے مخاطب مولانا علی میاں اور مولانا منظور صاحب ہیں جو اس مجلس میں حاضر تھے۔ بتاؤ ان کی آبادی کی کیا صورت ہو؟ ہم نے سُن رکھا ہے اور خوب سُنا ہے، یہ میں آخری وصیت کر کے جارہا ہوں اور اس کو اپنے سبقوں میں بھی بار بار کہا ہے کہ دین کے لئے ہماری جو کوشش ناکام ہو تو بھی کارآمد، کیونکہ ہم نے کلمہ خیر کہا۔

آج ہمارے مدارس میں ساری اسٹرائک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہوجائیں تو قیامت آجائے گی یہی حال مدرسوں کی بقاء کا ہے۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا، اللہ اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ، اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر حوادث وفتن میں سدّ سکندری ہے، پہلے زمانے میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی، ذکر کو رواج دو، ذکر خواہ ریا ہی سے کرو، نفلیں خواہ ریا ہی سے پڑھو مگر اس پر عمل ضرور کرو۔ میں نے ریا کو اُٹھا دیا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے **''تعلمنا الدین لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ''**۔ علم کو ہم نے غیر اللہ کے لئے سیکھا، مگر علم نے انکار کردیا۔ الّا یہ کہ اللہ کے لئے ہوگیا۔ میں نے اس کی طرف مولانا قاری طیب صاحب کو بار بار خطوط میں توجہ دلائی ہے اور نظام الدین والوں سے بھی کہتا رہا ہوں، اب نظام الدین میں ذاکرین کی جماعت منتخب

ہوئی ہے۔ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے عرض کیا، انشاء اللہ یہ سلسلہ چلے گا اس پر حضرت نے فرمایا، آدمی بناؤ۔

ارشاد فرمایا: مولوی منفعت علی صاحب جو میرے ابا جان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے بعد میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا تعلق ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک خط لکھا، کہ ''تیری لیگ و کانگریس کے بارے میں کیا رائے ہے''؟ میں نے جواب دیا کہ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں، البتہ اپنے دونوں بزرگوں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو آفتاب و ماہتاب سمجھتا ہوں ان دونوں میں جس کا اتباع کرو مفید ہوگا۔ ہمارے اکابر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دین قائم کیا تھا اس قیمتی موتی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اب قاسم رحمۃ اللہ علیہ و رشید رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہونے سے رہے بس ان کی اتباع میں لگ جاؤ، اللہ کا نام کثرت سے زبان پر رکھو، انشاء اللہ دل و دماغ میں آ جائے گا۔

ہمارے اکابر طالب علموں کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں سخت تھے کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں طالب علم واقعتاً طالب علم تھے۔ طلبہ پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔ بعد میں اس میں تساہلی برتی گئی۔ اس دور کے لحاظ سے یہی مناسب تھا۔ شاید اس کے ذریعے لائن پر لگ جائیں ورنہ اخبار بینی میں مشغول ہو کر اوقات ضائع کریں گے۔

امسال اور گزشتہ سال کے رمضان میں موازنہ

ارشاد فرمایا: نصف سے زائد رمضان گزر چکا ہے کچھ کر لو، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کو خاص طور سے مخاطب کر کے فرمایا: میرا ہر سال رمضان میں ایک سوال ہوا کرتا ہے، امسال پھر یہ سوال ہے کہ گزشتہ رمضان اور اس رمضان میں کیا فرق ہے؟ بھائی ہم نے تو اپنے میں تنزل ہی پایا۔ سوال پر طبیعت آمادہ نہیں تھی، مجھے اپنا تنہائی کا رمضان یاد آتا ہے۔

ارشاد فرمایا: مولویو! تم نے بڑوں کو دیکھا ہے۔ بھائی ان بڑوں اور اللہ والوں کو دیکھنے والوں میں بھی اثر ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن رئیس الاحرار کو بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے وصال کے قریب تعلق ہوا تھا پھر اس چیز نے ان کو بالآخر کھینچ لیا۔

مگر افسوس ان بزرگوں سے اب میدان خالی ہے، اب بھی ان بزرگوں کے دیکھنے والے موجود ہیں، اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالیں اور کام کو آگے بڑھائیں تو کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ ان اکابر کی صورتوں کو دیکھ کر دل میں ایک نور آتا ہے وہ حضرات ایسے بھولے بھالے چال ڈھال ایسی کہ ان کو دیکھ کر آدمی یہ سمجھتا کہ یہ کچھ ہیں۔ میں تمہیں ہر سال ٹوکتا ہوں، غنیمت سمجھو، پھر کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ملے گا۔

ارشاد فرمایا: اپنے اکابر کی صورتیں گلدستہ کی طرح میرے سامنے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جس وقت خوشبو لگا کر عمامہ باندھ کر منبر پر خطبہ کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔

تنہائی کا رونا

فرمایا: میں نے اپنے ابا جان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اخیر شب میں ہچکیاں مار کر روتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا شروع میں معمول تھا کہ رات میں تنہا آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آبے کا سفر ہوا۔ رات میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کی چارپائی میرے پاس رہے گی اور خدام دور رہیں گے۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا تو میں نے کہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میرے رہنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اُلجھن محسوس نہ ہوگی، ان اکابر کا یہ حال تھا۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

ارشاد فرمایا: میں نے اپنے اکابر کے ساتھ بے تکلفی بھی رکھی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اخیر شب میں ہچکیاں مار کر رو رہے تھے، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا، تین اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے اگر چوتھی کا ہو جائے گا تو پھر پانچویں آجائے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی چار پانچ سال میں مناسبت ہوتی ہے، پھر وہ چل بستی ہے۔

مردِ مؤمن موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے

ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنی صورتوں کو ایسی بناؤ کہ لوگ دیکھ کر محبت کریں۔

یادواری کہ وقت زادن تو
ہمہ خنداں بدند و تو گریاں
ہمچناں ذی وقت مردن تو
ہمہ گریاں شدند و تو خنداں

''اس وقت کو یاد کرو کہ تمہاری ولادت کے وقت سب ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا۔ اسی طرح تمہاری موت کے وقت یہ ہونا چاہئے کہ لوگ رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو''۔

ہنستا ہوا وہی جائے گا جس نے وہاں کے لئے کچھ تیاری کر رکھی ہو۔ ایک بزرگ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا اور جنت اور اس کے حوروں کے مناظر سامنے آئے تو انہوں نے ایک شعر پڑھا:

ان کان منزلتی فی الحب عندکم
ماقدرأیت فقد ضیّعت ایامی

''اگر محبت میں میرا مقام وہی ہے جو میں نے دیکھا تو میں نے اپنے ایامِ زندگی کو ضائع کیا''۔

کہتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں غائب ہوگئیں اور ایک اور چیز سامنے آئی اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسے اور چل دیئے۔

میں نے اپنی پھوپھی صاحبہ کو دیکھا کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو مجھ سے چلّا کر فرمایا کہ مجھے جلدی سے اُٹھا کر بٹھادو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے ہیں۔ اس کے بعد ان کی رُوح پرواز کرگئی۔ میرے دادا مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو نظام الدین سے دلّی تک ساڑھے تین میل کا ہجوم لگ گیا تھا۔ ایک صاحبِ کشف بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کرو میں بہت شرمندہ

ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے انتظار فرما رہے ہیں۔

نشان مردِ مؤمن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

کارکن کار بگذر از گفتار

ارشاد فرمایا: ریا کی تو قرآن وحدیث میں سخت مذمت وارد ہے۔ ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے تین اشخاص کو جہنم میں ڈالا جائے گا، ان میں ایک ریاکار عالم بھی ہوگا۔ جب وہ اپنے کارنامے بتلائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے مخلوق کے واسطے کیا تھا مگر اس کے ساتھ میرے ذہن میں ہے کہ حالتِ اضطرار میں شراب پینے کی سدرمق کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ نفلوں کا گھروں میں پڑھنا اولیٰ ہے مگر موجودہ دور میں مساجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ وہ زمانہ گیا جب حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے ان کی مسجد کے مینارہ پر منجنیق چلائی گئی وہ مینارہ گر گیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا، یہ مٹی کہاں سے آ گئی۔ اس لئے عمل کرو خواہ ریا ہی سے کرو۔ انشاء اللہ عمل کی برکت سے اخلاص پیدا ہو جائے گا۔

موجودہ دور میں اگر مقتدیٰ لوگ اپنے گھروں میں نوافل پڑھیں گے تو یہ مقتدی ایک بھی نہیں پڑھیں گے۔ ہم لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم مضطر ہیں۔

ایک صاحب نے عرض کیا اس طرح مبتدعین کا اعتراض بھی ختم ہو جائے گا کہ دیوبندی لوگ سنتیں نہیں پڑھتے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے محبت نہیں؟ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا، ان کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے یہ تو کسی طرح چین نہیں لینے دیں گے۔ ایک تبلیغی جماعت کہیں گئی وہاں لوگوں نے اعتراض کیا کہ ''یہ لوگ سلام نہیں پڑھتے''۔ جب جماعت والوں نے سلام پڑھ دیا تو کہنے لگے کہ دکھلاوے کے واسطے پڑھا ہے دل سے نہیں پڑھا۔ اس طرح کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

ایک بزرگ تھے ان کی بیوی ان کا کہنا نہیں مانتی تھی۔ بزرگوں کی بیویاں اکثر اسی طرح کی ہوتی ہیں، کیونکہ انہیں ہر وقت حقوق کی ادائیگی کی فکر رہتی ہے۔ انہوں نے اپنی

بیوی کو اپنی کرامت دکھانی چاہی، چنانچہ اپنے مکان کے اُوپر پرواز کی۔ ان کی بیوی نے بھی فضاء میں اُڑتے ہوئے دیکھا مگر جب گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ آج میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو چھت کے اُوپر اُڑ رہے تھے۔ تیرے میں کیا کمال ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو میں ہی تھا۔ بیوی نے کہا جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔ بھائی یہ بدعتی تو ایسے ہیں کہ کبھی مان کر نہیں دیں گے۔

ایک مشہور قصہ ہے۔ باپ بیٹا ایک ٹٹو لے کر جا رہے تھے، باپ سوار ہو گیا اور بیٹا پیدل چلنے لگا۔ کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ کیسا باپ ہے خود سوار ہے اور پھول سا بیٹا پیدل چل رہا ہے۔ باپ اُتر گیا اور بیٹے کو سوار کر دیا۔ کچھ دُور آگے پہنچے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے، انہوں نے کہا، یہ کیسا ظلم ہے؟ بیٹا سوار اور باپ پیدل۔ اس کے بعد دونوں سوار ہو گئے، آگے چلے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے کہا ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ یہ سُن کر دونوں پیدل چلنے لگے کچھ دُور آگے چلے تو وہاں ایک مجمع نے انہیں دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ حماقت کی انتہا ہو گئی کہ سواری ہوتے ہوئے دونوں پیدل چل رہے ہیں۔ اس پر باپ نے کہا کہ یہ دنیا ہے ہر صورت میں تنقید کرنے والے ملیں گے۔۔۔ بھائی کسی کے کہنے سُننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ کی رضا کے لئے کام کرتے رہنا چاہئے۔

طویل لباس کو مشیخت سے خاص مناسبت ہے

ارشاد فرمایا: غیروں کے لباس وضع قطع سے احتراز کرنا چاہئے۔ میں اپنے پڑھنے کے زمانے سے دیکھ رہا ہوں کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ مسلمان، ہندو، عیسائی ہر ایک کے پیشواؤں کا لباس لمبا ہی ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیخت کے لئے طویل لباس کو کوئی خاص تعلق ہے۔ البتہ ہم مسلمانوں کو اپنے مشائخ و بزرگوں کے طرز کا اسلامی لباس پہننا چاہئے۔ میں دس پندرہ برس پہلے جب تنگ و چست لباس والوں کو دیکھتا تھا تو میرا فتویٰ تھا کہ ایسے لوگوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

اپنے شیخ کے حکم سے سرتابی حرماں نصیبی کا سبب ہے

ارشاد فرمایا: بڑے حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک سال حج کے لئے جا رہے تھے تو اپنے خلفاء سے فرمایا، جب تصوف کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کرنا اور جب سیاست میں پوچھنا ہو تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اسی طرح میرے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک سفر حج کے موقع پر اپنے خلفاء کو اپنی عدم موجودگی میں بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب نے دوسرے شیخ کی طرف رجوع کیا۔ حضرت جب واپس تشریف لائے تو فرمایا: ''یہ کھو گئے''۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ارشاد

فرمایا: حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ و حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں بیٹھ جائیں تو خطرہ نہیں مگر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگتا ہے اس لئے کہ حضرت کا کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔

ذوق وشوق ہو تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے

ارشاد فرمایا: کہ جو چیز دل میں جم جاتی ہے اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ سینما والے دو ٹانگوں پر کھڑے رہ کر صبح کر دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے رات بھر تہجد پڑھتے تھے تو لوگ اس پر حیرت کرتے ہیں۔ اصل ذوق وشوق ہے اخیر عشرہ شروع ہو رہا ہے اگلے رمضان کی خبر نہیں، ملتا ہے یا نہیں۔ اس لئے پچھلے دو عشرے کی کوتاہی کو دُور کر لو۔

سماع وعرس وغیرہ کی حقیقت

ارشاد فرمایا: سماع وعرس وغیرہ کی ابتداء صحیح تھی مگر بعد میں اس میں بہت سی بدعات گھس آئیں اس لئے علماء و مفتیوں کو بدعت و ناجائز کہنا پڑا۔ عرس ابتداء میں نظام

الاوقات کی طرح ایک چیز تھی۔ جیسے دارالعلوم دیوبند و مدرسہ مظاہر علوم دونوں جگہوں پر بخاری شریف متعین گھنٹے میں پڑھائی جاتی ہے۔ سہولت کے پیشِ نظر نظام الاوقات بنایا گیا، یہ بدعت نہیں ہے۔ میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں دیکھا کہ وہاں روز عید تھی، کبھی حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد ہوتی، کبھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اور کبھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہوتی، خدام زیارت کرتے۔ عرس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلفاء وارادتمند سال میں ایک دن تعارف وملاقات و حلقہ اثر بڑھانے کے لئے جمع ہوتے تھے اور اپنے شیخ کی تاریخ وفات ہر ایک کو یاد رہتی ہے۔ میرے چچا جان کی وفات بروز چہار شنبہ صبح کی نماز کے پہلے ہوئی تھی ان کے سب مریدوں کو یہ یاد ہے۔ بہر حال ابتداء میں یہ چیز اچھی تھی مگر بالآخر رسومات نے ان کو بدعت بنا دیا۔

اسی طرح سماع بھی اکثر مشائخ چشتیہ کا سننا ثابت ہے۔ مگر اس کے کچھ شرائط ہیں جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء علوم الدین میں تحریر فرمایا ہے۔ اس میں بہت سی خرافات پیدا ہو گئیں، اس لئے حرام کہا گیا۔ دلّی کا ایک گویا تھا، وہ حج کو گیا۔ وہاں ایک بدوی نے حدی خوانی شروع کر دی اس کا اونٹ بھاگا اور یہ گر گیا۔ کہنے لگا، اللہ کے رسول پر قربان، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے گانے کو حرام قرار دیا۔ اگر ہمارے گانے سنتے تو منع نہ فرماتے۔ ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کہ کوئی اچھا قصیدہ سنتے تو جھوم اٹھتے۔ **"تذکرۃ الرشید"** میں ہے کہ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کو چکی کے پیسنے کی آواز پر وجد آ گیا۔

بڑوں پر نکیر کرنے میں جلدی نہ کرو، معتقد ہونا اور بات ہے لیکن نکیر و مخالفت نہ کرو کیونکہ اگر وہ اللہ کے مقرب ہیں تو ان کی مخالفت کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ **ومن عادیٰ لی ولیا فقد اذنته بالحرب الخ**۔ تنقید کا حق ان کے معاصر کو ہے بے تحقیق حکم نہ لگاؤ، باریک فرق ہے۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند
بآواز دولاب مستی کنند

یزداں پرست اچھی آواز کے محتاج نہیں ہوتے وہ ادا پر مست ہوجاتے ہیں۔ جونسی ادا پسند آجائے اور دل کو بھاجائے۔

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ بھی سماع کے قائل تھے۔ ان کے سماع کی کیفیت یہ تھی کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کچھ اشعار سناتے، اس پر سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر چند منٹ پر کیفیت پیدا ہوتی اور ختم ہوجاتی۔ کبھی امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر چند آدمی پڑھتے۔ قاضی ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانے میں دلّی کے مفتی اعظم تھے ان کو جب اس کا علم ہوا تو اس پر شدت سے نکیر کی۔ حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں معذور ہوں سماع بعض امراض کا علاج ہے۔ جب قاضی صاحب کی مخالفت بڑھی تو سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت دلوادوں کہ میں معذور ہوں تب تو مانیے گا۔ قاضی جی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پھر ہمیں کیا ضرورت؟ چنانچہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر فرمایا کہ یہ معذور ہیں۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خواب ہی میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر شریعت پر عمل کروں یا خواب پر۔ صبح ہوئی تو سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اب تو پیچھا چھوڑو گے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب نہیں ملا (سکوت کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کرنا چاہئے)۔ جب قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ عیادت کے لئے تشریف لائے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر آکر دستک دی.. خادم دروازہ پر آیا اور دریافت کی کہ کون؟ سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ نے نام بتایا۔ خادم نے جاکر خبر دی تو قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخر عمر میں کسی بدعتی کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا، یہ اخلاص کی بات تھی۔ سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایسا گستاخ بدعتی نہیں، بدعتی اپنی بدعت سے توبہ کرکے آیا ہے۔ یہ خبر جب قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو انہوں نے اپنا عمامہ بھیجا کہ اس پر قدم مبارک رکھ کر آئیں۔ سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ عمامہ سر پر رکھے ہوئے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ المشائخ سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(باضافہ حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ)

بے تحقیق حکم لگانا ناجائز ہے

ارشادفرمایا: کہ بے تحقیق کسی پر حکم لگانا ناجائز ہے۔اگر تمہیں کسی کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سارق ہے تو اس کو اپنے کمرے میں نہ جانے دو مگر بلا تحقیق حکم نہ لگاؤ اور نہ اسے سارق کہو۔اس کا خاص دھیان رکھنے کی ضرورت ہے۔

ذاکرین ومجاہدین کے لئے اکمال وارشاد کا مطالعہ ضروری ہے

ارشادفرمایا:"**ارشاد الملوک و امداد السلوک**" یہ دونوں کتابیں ذکر کرنے والوں کے لئے بالخصوص جن کو میں نے بیعت کی اجازت دی ہے، بہت غور سے پڑھنا چاہئے۔میں نے"اکمال" کے شروع میں لکھ بھی دیا ہے۔حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ بھی اپنے خاص لوگوں کو امداد السلوک کے مطالعہ کی تاکید کرتے تھے۔اس ناکارہ کے نزدیک بھی ان دونوں رسالوں کا مطالعہ ذاکرین کے لئے بہت مفید ہے۔حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ "**امداد السلوک**" اور "**الاعتدال**" کو سفر میں اپنے بکس میں رکھتے تھے جو باتیں تم مشائخ سے اور مجھ سے سننا چاہتے ہو وہ ان دونوں میں آگئی ہیں۔اس لئے اپنے سے بیعت کا تعلق رکھنے والے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کے فضائل کے رسالہ کو اہتمام سے مطالعہ میں رکھیں اور ذاکرین کو "**ارشاد الملوک و اکمال الشیم**" کو خاص طور سے مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔اور جن احباب کو اس ناکارہ نے بیعت کی اجازت دی ہے ان کے لئے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی"تربیت السالک"اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب جو "مکاتیب رشیدیہ" کے نام سے مطبوع ہیں، مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

یہاں بامقصد آنے سے خوشی ہوتی ہے

ارشادفرمایا: یونس سلیم صاحب (جو اس وقت نائب وزیر ریلوے تھے) کے یہاں آنے سے خوشی ہوئی۔اس وجہ سے نہیں کہ وہ وزیر ہیں بلکہ وہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر کچھ کرنے کے لئے یہاں آئے تھے۔ایک تجربہ کی بات ہے کہ اپنے ماحول میں آدمی سے

کام نہیں ہوتا یہاں رمضان میں کچھ کرنے کے لئے اگر کوئی آئے تو مجھے خوشی ہوتی ہے کیونکہ اپنے گھر میں کام نہیں ہوتا۔ اعتکاف بھی دشوار ہے، ضروریات لگی ہوئی ہیں۔ کئی دن ہوئے بھائی یونس سلیم صاحب کا پیام آیا تھا کہ وہ ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں، جو وقت ملے گا اس میں ملاقات کریں گے۔ میں نے سمجھا کہ دستور کے مطابق ۵، ۱۰ منٹ کے لئے آئیں گے مگر معلوم ہوا کہ اذان ظہر سے آدھ گھنٹہ پہلے آ گئے۔ ظہر کی سنتوں سے فراغت کے بعد میں نے ملاقات کے لئے انہیں بلایا۔ میں نے کہا کہ چمگادڑوں کی مہمانی ہے آؤ اور لٹک جاؤ۔ آپ چاہیں تو ظہر سے عصر تک ذاکرین کے مجمع میں بوریا پر بیٹھ کر اللہ اللہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

بوریا نشینی کو ترجیح

ارشاد فرمایا: کہ دلی میں ایک مرزا ثریا جاہ رہتے تھے، ہمارے اکابر سے ان کے تعلقات تھے۔ انہوں نے میرے دادا سے درخواست کی تھی ''میں اپنی لڑکی کا نکاح آپ کے صاحبزادے مولوی یحییٰ سے کرنا چاہتا ہوں''۔ میرے دادا صاحب نے کہا کہ ہم فقراء کو آپ سے کیا تعلق؟ انہوں نے کہا کہ ''مولوی یحییٰ کی پرورش میرے ذمے رہے گی''۔ مرزا صاحب کی صاحبزادی قیصر جہاں سے بھی والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ واقف تھے، بہت حسین و جمیل تھی۔ جب دادا صاحب سے مرزا صاحب نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ سے پوچھ لوں، حالانکہ دادا صاحب جانتے تھے کہ انکار کر دیں گے۔ جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ان سے نکاح کے بعد بوریئے پر بیٹھنا مشکل ہے، چنانچہ نکاح نہیں ہوا۔ مگر وہ بے چاری میرے بڑوں اور میری بہت محسن رہیں۔ چنانچہ بچپن میں جب میں نظام الدین جاتا تو مجھ سے غیر معمولی محبت کا اظہار کرتیں۔ انہوں نے میرے ابا جان سے کہلوادیا کہ آپ نے مجھ سے نکاح تو نہیں کیا اب میں مولوی زکریا سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتی ہوں اور یہ میری انتہائی آرزو ہے۔ والد صاحب ہنسے اور فرمایا کہ اس سے پوچھ لوں۔ جب مجھ سے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ میں ان کا پاندان کہاں کہاں اٹھاتا

پھروں گا۔ یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میں نے بچپن میں ان کے گھر کا ماحول دیکھا تھا ہمارے خاندان میں تو عورتیں گویا ڈیڑھ خصم ہوا کرتی ہیں۔ والد صاحب نے میرے اس جواب کو پسند فرمایا اور فرمایا میرے اور تمہارے جواب میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ تمہارے جواب میں تکبر کی بو ٹپکتی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی)

یکسوئی کا رمضان

ارشاد فرمایا: جب سے یہاں بازار لگنے لگا مجھے اپنا یکسوئی کا رمضان اور گزشتہ سال (یعنی ۸۹ ۱۳ھ کا) مدینہ منورہ کا رمضان بہت یاد آ رہا ہے۔ میں نے یہ یکسوئی رائپور سے لی ہے۔ بڑے حضرت رائپوریؒ ۲۹ شعبان کو سارے خدام سے مصافحہ کر لیتے اور بڑی معصوم ادا میں فرماتے گویا رو رہے ہیں کہ رمضان بعد ملاقات ہوگی۔ وہاں مجمع یہاں سے زیادہ ہوتا تھا۔ پنجاب کے لوگ کثرت سے آتے تھے، پانچسو، چھ سو کا مجمع ہوتا تھا۔ حضرت جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو خدام دور سے زیارت کر لیتے۔ میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمان زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مجمع ہوتا تھا مگر خانقاہ سے کھانے کا نظم صرف خواص کے لئے ہوا کرتا تھا اور لوگ اپنا اپنا نظم خود کرتے تھے۔ خانقاہ کا دستور چھپا ہوا تھا۔ اس میں ایک اصول یہ تھا کہ دو ذاکرین کو مل کر کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ کسی کو چائے وغیرہ کی دعوت کرنے کی اجازت نہیں تاآنکہ اجازت نہ مل جائے۔ مگر درخواست پر اجازت مل ہی جاتی تھی اس لئے کہ مل کر کھانے میں وقت ضائع ہوتا۔ ہمارے بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمانوں کے لئے افطاری کا دستور نہیں تھا اس کا نظم اپنے طور پر لوگ خود کرتے تھے البتہ کھانے کا اجتماعی نظم حضرت کی طرف سے ہوتا تھا۔ رائپور کی دال اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ چوتھائی پیٹ سے زیادہ نہیں کھایا جاسکتا تھا۔ وہاں حکیم اجمیری کی پھنکی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

فرمایا: اگر کسی کو یہاں کا کھانا پسند نہ ہو تو بازار سے منگوا کر کھائے مگر ''کسے را با کسے کارے نباشد'' پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ دیکھو پیارو! آدھا رمضان گزر گیا اب تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے، بات نہ کرو۔

میرا رمضان تیس برس تک ایسا گزرا ہے کہ صرف عشاء بعد تھوڑی دیر کے لئے ملاقات ہوسکتی تھی، اگرچہ ملاقات عام ہوتی تھی۔ اور بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مخصوص خدام کو عشاء بعد اتنی دیر چپکے بیٹھنے کی اجازت تھی جب تک کہ مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو ایک فنجان سادی چائے حضرت کو پلاتے تھے۔ حضرت ''سبحان اللہ، الحمد للہ'' کہہ کر پیتے تھے۔ بس مجلس ختم ہوجاتی اور سحری میں حضرت کا ایک خادم عبدالرحیم تھا وہ بہت اصرار کرتا تو ایک دو چمچہ فیرینی کھالیتے۔ لوگ کہتے ضعف ہو جائے گا۔ حضرت فرماتے بھائی ضعف نہیں ہوگا میرا ابھی یہی تجربہ ہے۔

دار جدید کی مسجد میں اعتکاف کا آغاز

ارشاد فرمایا: میرے دار جدید میں اعتکاف کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جس سال ۱۳۸۴ھ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ اسی سال نظام الدین سے ۲۰، ۲۵ آدمی یہاں آئے اور کہا کہ ہم یہاں اعتکاف کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سہارنپور میں کبھی اعتکاف نہیں کیا تھا البتہ نظام الدین میں اس سے پہلے اعتکاف کیا تھا۔ اعتکاف کے لئے وہاں سہولت تھی میں نے ان لوگوں سے کہا مدرسہ قدیم کی مسجد میں جگہ نہیں ہے تم لوگ مہمان خانہ میں رہو یا سہارنپور کے مرکز میں جا کر اعتکاف کرو مگر انہوں نے یہاں اعتکاف کرنے پر اصرار کیا اور یہ طے ہوا کہ باری باری سے اعتکاف کریں گے۔ اس کے بعد ہم نے دار جدید کی مسجد کو ۱۳۸۵ھ سے اعتکاف کے لئے طے کیا اس کے بعد سے یہاں اعتکاف کا سلسلہ چل رہا ہے۔ (حق تعالیٰ شانہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے)

میرے یہاں آج سے پچیس سال پہلے پہلوان اور مولوی عبداللہ کرسی والے نے رمضان میں آنا شروع کیا تھا۔ اور ان کے علاوہ اور کچھ لوگ آجاتے تھے، ۲۵، ۳۰ آدمیوں کا مجمع ہر سال رہتا تھا۔

شیطان کبھی اہم کام سے ہٹا کر غیر اہم کام میں مشغول کر دیتا ہے

ارشاد فرمایا: کبھی کبھی شیطان آدمی کو غیر اہم چیز میں مشغول کر دیتا ہے۔ مطالعہ وتعلیم

کے زمانے میں کثرت نوافل میں مشغول ہونا کوئی اچھی چیز نہیں۔ میرے چچا جان کے یہاں نفلوں کا غلبہ تھا اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تعلیم کا غلبہ تھا۔ والد صاحب گنگوہ میں میزان سے مشکوٰۃ تک تنہا مدرس تھے۔ طلبہ کی تعداد تقریباً اسّی (۸۰) تھی، بیسیوں سبق خود پڑھاتے تھے، اوپر کی جماعت کے طلبہ کو نیچے کے اسباق دے رکھے تھے۔ میرے بچپن کا قصہ ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی۔ ابا جان نے ایک زور سے تھپڑ مارا اور فرمایا کہ سبق نہیں یاد کیا جاتا۔ اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی دوسروں کو بھی پڑھنے نہیں دیتے۔ مگر جلدی ہی سمجھ میں آ گیا کہ بات صحیح تھی اور وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے لئے تھا۔

دعا کے درجات

ارشاد فرمایا: ''ارشاد الملوک'' آسان ہے اور ''اکمال الشیم'' ذرا اونچی ہے۔ اکمال میں عصر کے بعد دعا کا جو مضمون ہو رہا تھا کہ ''اپنے مولیٰ سے دعا و سوال کرنا کچھ عمدہ اور معتبر حال نہیں۔ پسندیدہ حال یہ ہے کہ تجھ کو حُسنِ ادب عطا ہو جائے''۔ اور اس کے بعد یہ عبارت ہے، ''بسا اوقات حسن ادب عارفین کو ترک سوال کی راہنمائی کرتا ہے اس لئے کہ قسمت ازلی پر بھروسہ ہوتا ہے اور ذکر کی مشغولی سوال کی مہلت نہیں دیتی'' الخ۔

ارشاد فرمایا: ''بات تو بالکل ٹھیک ہے مگر لوگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں، انہوں نے خود لکھ دیا ہے کہ افضل و اعلیٰ حالت یہی ہے کہ ہر امر میں دعا کرتا رہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی''۔ دعا کے تین درجات ہیں، ایک مبتدی کا مانگنا۔ مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ خوب خوب دعا کرتا رہے اور مانگا کرے، ایک متوسط کا درجہ ہے۔

ہم نے بچپن میں ایک قصہ سُنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے جب آگ میں ڈالا تو انہوں نے فرمایا: **"علمه بحالي حسبي بسوالي"**۔ حق تعالیٰ کا میری حالت کا علم میرے سوال کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے یہی مناسب تھا۔ سب سے اُونچا درجہ عاشق کے مانگنے کا ہے، یہ مانگنا معشوق کی

خوشامد کے لئے ہوتا ہے اس میں ایک لذت ولطف کی شان ہوتی ہے، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سب سے اُونچا ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے زمانے میں قحط پڑ گیا۔ صلوٰۃ الاستسقاء پڑھی گئی مگر بارش نہیں ہوئی۔ کسی نے جا کر کہا کہ خلقت مر رہی ہے آپ بارش کے لئے دعا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ''میری بلا سے''۔ ہر شخص کے مختلف حالات ہوتے ہیں، ناز کرنے کے لئے گلاب جیسا منہ چاہئے ہر ایک کے لئے مناسب نہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بعض دفعہ ایسی باتیں فرماتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے جو باتیں یہ کہتے ہیں اگر ہم کہنے لگیں تو گردن ناپ دی جائے۔ ہر شخص کا ایک منصب ہوتا ہے۔ ان بزرگ سے بارش کی دعا کے لئے جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ ''میری اللہ سے لڑائی ہو رہی ہے''۔ پھر خدام سے فرمایا میری لنگی دھوپ میں جا کر ڈال دو وہ اس کو سوکھنے نہیں دیں گے۔ چنانچہ خدام نے دھوپ میں ڈال دی، ابر آیا اور خوب بارش ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی میں نے کہا تھا کہ سوکھنے نہیں دیں گے۔ بھائی محبت میں ناز ونخرے سب برمحل ہیں اگر ہم کہیں تو مفتی کفر کا فتویٰ دیں گے۔

عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ
کما ان عین السخط تبدی المساویا

میرے دوستو! مالک سے مانگو اور اس طریقے سے مانگو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا، خوشامد میں لذت ہوتی ہے۔

علی گڑھ کے ڈاکٹروں کی آمد

ایک روز علی گڑھ سے وہ غیر مسلم ڈاکٹر جنہوں نے حضرت اقدس کی آنکھوں کا علاج کیا تھا، اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۱ بجے دن میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاجی نصیر الدین صاحب کے ہمراہ نیاز مندانہ حاضر ہوئے، دوسرے دن واپس چلے گئے۔ تراویح ونماز کا منظر دیکھنے کے لئے بیٹھے رہے۔ حضرت اقدس نے اپنے دستِ مبارک میں

قرآن مجید اُٹھا کر انہیں بتایا کہ یہ وہ کتاب ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے، صرف نمازِ تراویح میں ایک مہینہ کے اندر تین مرتبہ یہاں ختم کی جاتی ہے، اس سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔

ارشاد فرمایا: آج میں نے اپنے ڈاکٹر کو رمضان المبارک کا منظر دیکھنے کے لئے یہاں بلایا تھا۔ انہوں نے علی گڑھ میں ہماری بہت خاطریں کیں، ہم ان امیروں کو کھلا پلا کر کیا بدلہ ادا کر سکتے ہیں۔

ایک مینڈک کسی کنویں میں رہتا تھا، اتفاقاً اس میں ایک سمندر کی مچھلی آ گئی۔ اس نے کہا تیرا گھر بہت چھوٹا ہے؟ مینڈک نے چھلانگ لگائی اور کہا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہو؟ اس نے کہا کہ وہ تو بہت بڑا ہے۔ اس نے دوبارہ سہ بارہ چھلانگ لگائی اور ہر بار دو اُنگل اُوپر کو ہو جاتا اور کہتا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہے۔ مچھلی کہتی کہ وہ بہت بڑا ہے۔ ہم امیروں کی کھانے پینے سے مہمانی نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کے یہاں عمدہ سے عمدہ کھانا ہوتا ہے۔

میں نے حاجی نصیر الدین کا لکھا کہ تم اپنے ڈاکٹر کو یہاں لے آؤ میں انہیں ایک ایسی چیز کی سیر کراؤں جو انہیں کہیں اور کوئی مسلمان نہیں دکھائے گا۔ مگر یہ آمد بھائی یونس سلیم صاحب کی طرح ہو، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں کا منظر دیکھا، ذکر کا حلقہ دیکھا، بالآخر تراویح کا منظر دیکھا، اس کے بعد یہاں سے ہو کر واپس گئے۔

فرمایا: علی گڑھ میں ایک نوجوان ڈاکٹر تھا۔ اس سے ہماری دوستی ہو گئی تھی۔ وہ روزانہ میرا بلڈ پریشر دیکھا کرتا تھا اور دیر تک دیکھتا اور باتیں کرتا۔ اس نے بھی سہارنپور آنے کے لئے کہا تھا، مگر کسی وجہ سے نہیں آ سکا۔ بھائی میں علی گڑھ و مراد آباد والوں کا ممنون ہوں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ کے لئے سب سے بہتر کٹرے کا گوشت ہے۔ اس کے بعد مُرغ کا۔ حاجی عظیم اللہ اور نصیر وغیرہ نے مرغ کے بہت ہدایہ کئے۔ ہم تمہاری خاطریں کھانے سے نہیں کر سکتے، ہماری خاطر یہ ہے کہ یہاں قیام کا ایک دن اور بڑھاؤ۔ کام اپنے ماحول سے نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔

ایک تنبیہ: ارشاد فرمایا: دار العلوم و مظاہر علوم کے طلبہ ڈمڈم والوں کو سُن کر دوڑ پڑتے

ہیں۔ ایک بادشاہ تھا اس نے بلّیاں پال رکھی تھی اور ان کو خوب سدھار کھا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے بزم مشاعرہ قائم کیا تو ان بلیوں کو شمعیں دے دیں۔ جب کوئی شاعر کھڑا ہوتا تو یہ نہایت مؤدب شمعیں لے کر کھڑی رہتیں۔ ایک صاحب کو دلچسپی سوجھی۔ انہوں نے لاکر دو چوہے چھوڑ دیئے۔ چنانچہ وہ ساری بلّیاں دوڑ پڑیں اور ان کا مجمع منتشر ہوگیا۔ یہی حال ہمارا ہے، جب نفس وشیطان سے کشمکش کا معاملہ پیش آتا ہے تو ساری بزرگی ختم ہوجاتی ہے۔

کام انہماک سے ہوتا ہے

ارشاد فرمایا: ''بذل المجہود'' کا جب پروف دیکھنے تھانہ بھون جایا کرتا تھا تو وہاں ظہر سے عصر تک حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہوتی تھی اور صبح ۸ بجے تک ڈاک لکھایا کرتے تھے۔ ۸ بجے دن میں تخلیہ کا وقت ہوتا تھا وہاں ایک لیٹر بکس تھا، تخلیہ چاہنے والے اس میں پرچہ ڈال دیتے تھے اور سہ دری میں بیٹھ جاتے تھے۔ ترتیب سے انہیں بلایا جاتا تھا اور تخلیہ ہوتا۔ ان اوقات میں کسی کو سہ دری میں جانے کی اجازت نہیں تھی، جانے پر ڈانٹ پڑ جاتی۔

ایک دن موقع پاکر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بڑی شرمندگی ہوتی ہے کہ حضرت ظہر سے عصر تک پروف دیکھتا ہوں وہاں رہ کر بھی حضرت کی مجلس سے غائب رہتا ہوں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا تم یہاں نہیں رہتے مگر میں ظہر سے عصر تک تمہاری مجلس میں ہوتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام اسی طرح انہماک سے ہوتا ہے۔

فرمایا: ''بذل'' کی کتابت کے زمانے میں ایک داروغہ صاحب جو میرے حضرت کی اہلیہ کے عزیز تھے وہ حضرت کے پاس آئے، لحیم شحیم سوٹیڈ بوٹیڈ تھے۔ حضرت کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ میں نے موقع دیکھ کر شذرات لکھنا شروع کردیا ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ وہ صاحب اُٹھنے کے بعد مجھ پر بہت ناراض ہوئے باہر جاکر بھائی مظہر ناظم کتب خانہ سے جو ان کے قریب کے رشتہ دار تھے کہا بزرگوں کے پاس بیٹھنے والوں کے اخلاق ایسے خراب ہوا کرتے ہیں؟ بھائی مظہر نے میری طرف سے صفائی پیش کی کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بہت مشغول رہتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی صفحہ ۱۲۹ جلد ۱)

یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو

فرمایا: تم لوگ اللہ اللہ کرتے رہو۔ مگر یہاں سے جانے کے بعد اکثر لوگ شکایت لکھتے رہتے ہیں کہ وہاں سے آنے کے بعد اب وہ اثرات نہیں رہے لیکن اگر یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو تو وہ اثرات باقی رہیں گے۔ یہاں پر ماحول کا اثر ہے معمولات کی پابندی ترقیات کا زینہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ ملاقات وغیرہ کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے بیان القرآن لکھنے جارہا ہوں اس وقت میرا یہی معمول ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ میرا بھی صبح کا وقت ایسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور چچا جان کے علاوہ کسی اور کا آنا گوارا نہیں تھا۔

ایک مرتبہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور دیر تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اچانک سر میں درد ہونے لگا، میں مجلس سے اٹھا۔ حضرت کا کشف مشہور تھا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: کہاں جارہے ہو۔ میں نے عرض کیا ابھی تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں۔ میں اٹھ کر اوپر گیا اور چند سطریں لکھیں تو سر کا درد جاتا رہا۔ واپس آیا تو پھر دریافت فرمایا کہ کہاں گئے تھے، میں نے عرض کیا کہ سر میں درد ہورہا تھا، حضرت نے فرمایا ایسا سبھی کو ہوتا ہے۔ اپنا معمول پورا کر لیجئے میری آمد پر جب ایسا ہو تو مطلع کر دیجئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط تحریر فرمایا کہ کبھی اپنے مشائخ سے علیحدگی ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ مشغولیت کی بناء پر ایسا ہو جاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک آدمی میں تین اشخاص

ارشاد فرمایا: یہ قصے سنانے کے نہیں ہیں، لیکن اپنے قصے سنانے میں یہی خیال ہے کہ شاید اللہ کے کسی بندے کو نفع پہنچ جائے، صبح کا کام اب ہوتا نہیں۔ مگر اس وقت اب بھی کوئی آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ پھاڑ کھاؤں۔

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے ایک وکیل صاحب دوست تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک مرتبہ کاندھلہ آئے۔ واپسی پر مولانا احتشام نے کہا کہ سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے بھی ملاقات کرتے جایئے گا، چنانچہ وہ یہاں صبح کے وقت میں آئے۔ ملاقات ومصافحہ کے بعد میں نے کہا کہ کہاں سے آتے ہو انہوں نے کہا کہ کاندھلہ سے۔ میں نے کہا کہ اس وقت تو میں بات نہیں کرسکتا۔ ساڑھے گیارہ بجے ملاقات ہوگی۔ بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ منشی رحمت علی صاحب تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مولوی کا دماغ اس وقت خوب چلتا ہے جب دسترخوان ہوکسی اور کا اور انتظام ہو مولوی کا۔

میرا بھی یہی حال ہے دوپہر کے دسترخوان پر میری طبیعت خوب چلتی ہے۔ دوپہر کے کھانے میں میں نے وکیل صاحب کو بلایا وہ آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم وکیل ہو بتاؤ اگر تم مثلیں دیکھنے میں مشغول ہو اور کوئی تم سے آکر بات کرنا چاہے تو تم پسند کرو گے؟ بہرحال دسترخوان پر ان سے خوب بے تکلفی رہی۔ کھانے کے بعد میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب عصر پر ملاقات ہوگی۔ عصر بعد کا منظر بھی انہوں نے دیکھا وہ دوسرے دن واپس میرٹھ گئے۔ وہاں سے اسی دن انہوں نے مولوی احتشام کو خط لکھا کہ آپ نے مجھے ایک ایسے آدمی کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا۔ مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے۔ اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا۔ مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے۔ عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخ وقت معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایک آدمی میں تین آدمی دکھائے۔

اوقات کا تعین

ارشاد فرمایا: اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہئے۔ بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو

اخلاق برتنا چاہئے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضاء حاجت کی ضرورت پیش آ جائے تو کیا اس کا عذر نہ کرو گے؟

کیا گلۂ رقیب کہ کیا طعن اقرباء
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

پکا عہد کرلو کہ معمولات کو کبھی نہیں چھوڑیں گے یہ ترقیات کا زینہ ہے۔ ہمارے اکابر کا یہی معمول تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دیکھنا شروع کیا تھا کہ حضرت کا وقت پر کیواڑ بند ہوجایا کرتا تھا۔

پیر من خس است اعتقاد من بس است

اپنی جھنجھانہ کی جائیداد سے بے تعلقی کا اظہار

ارشاد فرمایا: ہماری ایک بڑی جائداد جھنجھانہ میں تھی۔ وہاں سے کچھ لوگ سہارنپور آئے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کی ہمارے یہاں ایک بڑی جائداد ہے جس پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس کی ملکیت تقریباً ایک لاکھ ہوگی۔ ہم لوگ آپ کو تیس ہزار روپے نقد دینا چاہتے ہیں۔ اس پر قبضہ کرنا ہمارا کام ہے۔ آپ ماسٹر محمود صاحب کے والد وغیرہ سے ہمارے حالات کی تحقیق کرلیں صرف ایک مرتبہ بیع نامہ پر دستخط کے لئے عدالت جانا ہوگا۔ مگر میں نے انکار کیا کہ میرے بس کا نہیں۔ عدالتوں کے قصے طویل ہوتے ہیں۔ مجھے اس چکر میں پڑنے کی فرصت نہیں وہ لوگ اصرار کر کے واپس چلے گئے۔

لالچ بقدر ضرورت و برمحل اچھی چیز ہے، ورنہ بُری

ارشاد فرمایا؛ میں نے ایک قصہ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔ ایک صاحب بڑے عالم و بزرگ تھے۔ انہوں نے اللہ جل شانہ سے درخواست کی۔ اے میرے مالک! اگر تو ایک لالچ کو اُٹھالے تو سارے جھگڑے ختم ہوجائیں۔ اسی کے سبب آدمی مارا مارا پھرتا ہے۔ مختلف شہروں میں تجارتیں کرتا ہے اور اس کے لئے دعائیں کراتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم خدائی میں کون دخل دینے والے؟ انہوں نے عرض کیا بیشک آپ مالک ہیں۔ مگر ایک لالچ ختم ہوجائے تو سارے جھگڑے ختم ہوسکتے ہیں۔

جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اُٹھالیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ پوری دنیا سے اُٹھالیا جائے۔ مجھے تو آپ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اُٹھالینا چاہتا ہوں۔ وہ بزرگ اُستاد تھے سبق پڑھا رہے تھے۔ گھر سے آدمی آیا کہ آج سقّا، پانی بھرنے نہیں آیا۔ انہوں نے ایک طالب علم کو سقّا کے گھر بھیجا مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوا۔ اس کے بعد وہ دوسرے سقّوں کی خوشامد کرتا رہا۔ مگر کوئی تیار نہ ہوا۔ اتنے میں گھر سے آدمی آیا کہ آج بھنگن بھی نہیں آئی۔ اتنے میں ایک آدمی اور گھر سے آیا کہ بازار میں کوئی دکاندار سامان دینے کے لئے تیار نہیں۔ اب بہت پریشان ہوئے اور دعا کی اے میرے مالک! ایک دن میں تو بول گیا تین دن تک بہت مشکل ہے۔ (کیونکہ کسی کو ان سے لالچ و احتیاج نہیں رہی)۔

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ اس لئے "**اکمال الشیم**" میں لالچ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ لالچ نہ ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت اور برمحل ہو اسی طرح غصہ بری چیز ہے مگر اپنے محل پر جائز ہے۔

اضافہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام "ازالہ" کے لئے نہیں آئے، بلکہ "امالہ" کے لئے تشریف لائے ہیں۔ قرآن مجید نے "**والکاظمین الغیظ**" فرمایا: اور یہ غصے کو پی جانے والے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "**والفاقدین الغیظ**" نہیں کہا گیا کہ ان میں غصہ نہیں ہوتا بلکہ مومنین کی شان یہ بتائی گئی کہ غصہ کی موجودگی کے باوجود وہ اس کو ضبط کرتے ہیں اور محل پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

موسمی پھل اپنے موسم میں نقصان دہ نہیں

فرمایا: حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ جو چیز جس موسم میں پیدا ہوتی ہے وہ اس میں نقصان دہ نہیں ہوتی۔ میری بھی یہی رائے ہے۔ کسی موسمی چیز پر تنقید کرنا گویا تخلیق پر تنقید ہے۔ مالک کے ہر کام میں حکمت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو۔ البتہ غلط استعمال سے وہ غلط شمار کی جائے گی۔

موت کا مراقبہ

میرے دوستو! دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے۔ ہر چیز میں اختلاف ہے مگر مرنے میں کوئی اختلاف نہیں اس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر جو زندگی دائمی ہے اس کے لئے کام کرنے کی ہمیں فرصت نہیں۔ روٹی کے لئے وقت نکل آتا ہے مگر ذکر کے لئے وقت نہیں نکلتا۔ ہندوستان و پاکستان کی تقسیم نے ہمیں سمجھا دیا کہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں۔ حج کے سلسلے میں مشائخ نے لکھا ہے کہ اس میں پورا نقشہ موت کا ہے۔ کپڑے اُتار کر ایک لنگی و چادر پہننی پڑتی ہے۔ حاجی کو کوئی اسٹیشن تک پہنچانے جاتا ہے کوئی بمبئی تک پہنچا کر واپس چلا آتا ہے۔ روپے پیسے جائیداد سب ساتھ چھوڑ دیں گی۔

ارشاد فرمایا: گھنٹہ کی آواز سن کر ایک ندا آئی ہے۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

ہمیں ہر وقت سوچتے رہنا چاہئے کہ عمر ختم ہو رہی ہے۔ بزرگوں سے ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ سوتے وقت ہمیں اس کا محاسبہ کر لینا چاہئے کہ کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ساتھ جانے والی ہیں اور کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کو یہاں چھوڑ کر جانا ہے۔ موت کو خوب یاد کرو۔ حدیث میں بھی آیا ہے "**اذکروا ھازم اللذات**"۔ ایک جنازہ جا رہا تھا، ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: "تیرا"۔ اس کو تعجب ہوا تو فرمایا تیرا نہیں تو میرا ہی ہے۔ بیماری، موت یہ ساری چیزیں عبرت کے لئے ہیں۔ ہم پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ دوسروں کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں

میں ''کتاب الرقاق'' ''کتاب الزھد'' پڑھتے وقت دھیان نہیں کرتے۔ فقہی بحث تو خوب ہوتی ہیں مگر ان کو یونہی اڑا دیتے ہیں۔ سوتے وقت آدمی کو تھوڑا سا موت کا مراقبہ بھی کر لینا چاہئے۔

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

ارشاد فرمایا: ایک صاحب تقسیم سے پہلے پٹیالہ میں ملازم تھے اور ہمارے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے انہیں تبلیغ سے بھی جوڑ تھا۔ ایک مرتبہ ایک شب کے لئے وہ میرے یہاں مہمان ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی ''فضائل صدقات'' دیکھ کر میں نے ملازمت چھوڑ دی۔ میں نے ان سے کہا کہ اس میں تو کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ ہمارے اکابر ملازمت تو چھڑواتے نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں ملازم تھے۔ ان کا خط حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نام آیا کہ میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں تو حضرت نے منع فرمایا۔ دوبارہ اس سلسلہ میں پھر خط آیا۔ تو اس مرتبہ بھی حضرت نے منع فرمایا۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ جب وہ چھوڑنا چاہتے ہیں تو کیوں منع فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم اپنی طرف سے لکھ دو، میری رائے منع ہی کی ہے۔ تیسری مرتبہ خط آیا کہ میں نے ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون آ گیا ہوں۔ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں۔

ہمارے اکابر کبھی یہ رائے نہیں دیتے کہ مسلمان بالقصد اپنے نفس کو توکلِ مستحب کے امتحان میں ڈالے۔ ہاں جن اصحاب کی طبائع قوی پاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ مشاق وصعوبات پر صبر کر سکتا ہے۔ اس کو اشارتاً ایماء فرمایا کرتے ہیں کہ اسباب معیشت سے مستغنی ہو کر متوکل بن کر بیٹھ جاؤ۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان نے اسباب کے طور پر بکریاں پال رکھی تھیں، اتفاقاً سب مر گئیں۔ فرمایا: ''مقدر کی بات اسباب اختیار کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ راس نہیں آتے''۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے '' **الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین**'' میں اپنے اور اپنے والد صاحب کے منامات کو لکھا ہے۔ بڑی اچھی کتاب ہے،

تصوف کے اعتبار سے بھی اور علم کے اعتبار سے بھی۔ اس میں چالیس منامات ذکر کئے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ "ایک مرتبہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے ترکِ اسباب کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے میری طرف ایک توجہ فرمائی جس سے میرا دل تمام اسباب سے سرد ہو گیا، نہ تجارت، نہ بیوی، نہ اولاد کسی سے کوئی علاقہ نہیں رہا۔ پھر دوبارہ توجہ ڈالی تو ظاہر اسباب کے ساتھ رہا اور باطن ان سے الگ ہو گیا۔

میرے پیارو! ملازمت وغیرہ ضرور کرو حکم ہے مگر دل اس میں نہ لگاؤ بلکہ تقدیر پر اعتماد کرو۔ اس صورت میں اگر تنخواہ کم ہوگی جب بھی پریشانی نہ ہوگی۔ مالک سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

ارشاد فرمایا: بڑوں کے زمانے میں یہ اخبارات ولغویات نہیں تھیں۔ اکابر کی سوانح و ملفوظات خوب پڑھو۔ میرے ملفوظات چھپوانے کے قابل نہیں جب تک کسی مفتی کو دکھا نہ لو۔ یہ کتابیں جو یہاں مجلس میں پڑھی جا رہی ہیں ان کو خوب غور سے سُنو۔ بھائی دنیا کمانے سے میں منع نہیں کرتا مگر موت کا مراقبہ کرتے رہو۔ ہمارے بڑوں نے یہی نسخہ بتایا ہے، غمِ امروز کے بجائے غمِ فردا کرو۔ بھائی اب دو دن اور باقی رہ گئے ہیں کچھ کر لو۔

کاروباری زندگی میں مشغول رہ کر بھی آدمی ولی بن سکتا ہے

ارشاد فرمایا: "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں ملّا علی قاری نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ حج کو گئے۔ وہاں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر زار و قطار رو رہا ہے۔ یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی اللہ سے واصل نہیں تھا۔ اس کے بعد منیٰ گیا۔ ایام منیٰ تاجروں کی شدید مشغولیت کے ہوتے ہیں۔ وہاں میں نے ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے ہزاروں کا کپڑا فروخت کیا۔ جب میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اپنی اس مشغولیت میں بھی ایک لمحے کے لئے بھی اللہ سے غافل نہیں تھا۔

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ میرے حضرت "بذل" لکھوا رہے تھے میرا ذہن کہیں اور تھا۔ فرمایا "من باتو مشغول وتو باعمرو زید" میں پانی پانی ہو گیا۔

فرمایا: تقسیم سے پہلے یہاں سہارنپور میں رات میں کثرت سے فقراء آتے تھے اور عجیب عجیب صدائیں لگاتے تھے۔ میں اس زمانے میں رمضان میں سویا نہیں کرتا تھا، اب تو معذور ہوں۔ معلوم نہیں وہ کہاں گئے ان کی صداؤں میں کبھی بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

ذکر اگر آداب سے کیا جائے تو رذائل دُور ہو جائیں گے

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ذکر بالجہر افضل ہے یا ذکر بالسّر؟ جواب میں ارشاد فرمایا: میرے نزدیک وہی افضل ہے جو میں کراتا ہوں۔ میری بات یاد رکھو! اندر سے جوڑ لگا لو اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں۔

از دروں شو آشنا داز بیروں بیگانہ شو

ہمارے اکابر کے یہاں تو یہی ہے کہ ذکر اگر پورے آداب سے کیا جائے تو سارے رذائل خود بخود نکل جائیں گے۔ پہلے زمانے میں ایک مدت دراز تک رذائل کو زائل کرنے میں وقت صرف ہوتا تھا۔ اس کے بعد ذکر بتایا جاتا تھا مگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اکابر نے دیکھا کہ اتنی طویل مدت کا صرف کرنا موجودہ دور میں مشکل ہے۔ اس لئے پہلے ذکر ہی تجویز کرتے تھے بشرطیکہ ذکر ذکر ہو۔ ذکر کے مختلف درجات ہیں اسی اعتبار سے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

سہارنپور کی دینداری

ارشاد فرمایا: میری نوجوانی میں ایک سیاح کلکتہ سے چلے، تقریباً ساٹھ سال ہوئے ہوں گے۔ ان کا سہارنپور بھی اُترنا ہوا۔ انہوں نے اُتر کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو انہوں نے کہا کہ یہ نام تو میں نے نہیں سُنا تھا مگر اسٹیشن پر چاروں طرف داڑھیاں ہی داڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ مکہ ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ اس کے چاروں طرف اکابر کی خانقاہیں ہیں، گنگوہ، تھانہ بھون، دیوبند وغیرہ وغیرہ۔ اس پر یہاں سے جا کر اس نے ایک مضمون لکھا تھا کہ "میں نے ہندوستان میں بھی ایک مکہ دیکھا ہے"۔

میرے بچپن میں غیر مسلموں کو بھی رمضان المبارک میں راستے میں کھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ کچہری کے حکام لنچ وغیرہ پردے میں کیا کرتے تھے، اس قدر رمضان کا احترام تھا۔

مولوی منفعت علی صاحب وکیل تھے اور میرے ابا جان کے شاگرد تھے۔ اخیر میں مفتی محمود صاحب سے ہدایہ پڑھی تھی۔ مجھ سے بہت اچھے تعلقات تھے انہوں نے مجھے ایک روز خط لکھا کہ آپ کا گھر سہارنپور میں سارے باغیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے (حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ سب یہیں ٹھہرتے تھے)۔ وہ زمانہ انگریزوں سے سخت مخالفت کا چل رہا تھا، انہوں نے اپنے خط میں سیاست کے بارے میں میری رائے معلوم کی تھی۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ سیاست تو میں جانتا نہیں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جس شہر کو لوگ مکہ سمجھتے تھے وہاں طاقت کے زور سے دین مٹایا جارہا ہے اور جہاں اپنی حکومت ہے وہاں اپنے ہاتھوں سے مٹایا جارہا ہے۔

ایک صاحب بنارس سے پیدل حج کے لئے روانہ ہوئے اور یہ طے کیا کہ ہر چند قدم پر دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ ان کا کراچی تک جانا تو معلوم ہے اس کے بعد کی خبر نہیں۔ وہ جہاں قیام کرتے وہاں ان کے اعزّہ ملاقات کے لئے آتے رہتے۔ وہ سہارنپور آ کر ٹھہرے تو ان کے عزیز جو ماسٹر تھے وہ آگرے سے ملاقات کے لئے آئے۔ انہوں نے سہارنپور کے کسی حجام سے داڑھی مونڈنے کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ آج تک تو میں نے کسی کی داڑھی نہیں مونڈی۔

فرمایا: مجھ سے کئی حجام بیعت تھے جنہوں نے داڑھیاں مونڈنا چھوڑ دیا۔ دین اگر پکا ہو جائے تو سب آسان ہے۔ یہ سکھ اپنی داڑھیاں چھوڑتے ہیں اور اسلام میں تو یہ شعائر میں داخل ہے۔ سکھوں کے بارے میں ہم نے تو یہ نہیں سنا کہ ان کے کسی افسر نے داڑھی مونڈی ہو۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نماز عید کے لئے تشریف لے جانا

ارشاد فرمایا: میں نے حضرت گنگوہی کے پیچھے عید کی نماز پڑھی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

عیدگاہ پالکی پر تشریف لے جاتے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی پالکی اُٹھانے والوں میں شامل ہوتے۔ حضرت مجھے بھی اپنی پالکی پر بٹھا کے لے جاتے تھے۔ حضرت کا سفید عمامہ اور چوغا بڑا ہی عجیب معلوم ہوتا، بعضوں پر لباس سجے اور بعضوں پر نہیں۔ مشائخ پر خوب سجتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت چھوٹے رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ جمال اندر کی چیز ہے جو صباحت سے چمکتا ہے۔ صابن پوڈر ملنے سے جمال نہیں آتا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اکثر میں نے جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ جب وہ خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تو بہت بھلا معلوم ہوتا۔ متنبی کا شعر ہے:

حسن الحضارۃ مجلوب بتجلیۃ

وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

شہر کا حُسن بناوٹ کا اور دیہاتی حُسن قدرتی ہوتا ہے۔ اللہ کا مجھ پر بہت کرم ہے کہ بزرگوں کو اور ان کے آپس کے تعلقات کو خوب دیکھا۔

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ بھوپالی کی سہارنپور تشریف آوری

ارشاد فرمایا: مولانا عمران خان صاحب کا بھوپال سے مفصل خط آیا کہ حضرت شاہ صاحب اپنی ضرورت سے سہارنپور آنا چاہتے ہیں۔ حضرت کے وہاں عزیز واقارب بھی ہیں اور معتقدین بھی ہیں، لیکن حضرت اپنی بعض مصالح کی بناء پر وہاں قیام کا ارادہ نہیں رکھتے اور مدرسے میں قیام چاہتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کھانے کا انتظام حضرت خود فرمائیں گے، آدمی اپنا ہوگا، اپنی مرضی سے جو چاہے جب چاہے کھائیں گے۔ انہوں نے لکھا کہ ''میں آپ کی جانب سے نیابتاً وو کالتاً پیش کش کر چکا ہوں مگر حضرت نے بغیر اس شرط کے قیام منظور نہیں فرمایا، اگر آپ کو یہ شرط منظور نہ ہو تو قیام کا کہیں اور انتظام کیا جائے''۔

میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ سر آنکھوں پر ضرور تشریف لائیں، لیکن میری

طرف سے درخواست ہے کہ اس شرط پر نظر ثانی کی گنجائش ہو تو ضرور فرمالیں۔ ان کا جواب آیا کہ اس پر نظر ثانی کی بالکل گنجائش نہیں۔ میں نے لکھا کہ ضرور تشریف لائیں اور جو شرطیں حضرت منظور فرمائیں۔

اس زمانے میں مدرسہ کا مہمان خانہ یہ بڑا کمرہ نہیں تھا بلکہ اس کے بالمقابل کے کتب خانہ کا چھوٹا کمرہ مہمان خانہ تھا جو اب کتب خانہ کا جزو بن گیا ہے اس میں حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا۔ مولانا عمران خان صاحب کا تار آیا کہ کل حضرت شاہ صاحب پہنچ رہے ہیں۔ ان کے اس تار پر مجھے سناٹا سا آ گیا اس لئے کہ مہمان خانہ کا وہی ایک کمرہ اور اس میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا قیام۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہنا کہ تشریف لے جائیں ایک بہت اہم مہمان آ رہے ہیں بہت مشکل اور حضرت شاہ صاحب کی آمد پر ان سے یہ عرض کرنا کہ آج تو مہمان خانہ خالی نہیں مدرسہ کی سہ دری میں قیام کریں کل شام تک خالی ہو جائے گا اس سے زائد دشوار، لیکن یہ ناکارہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و کرامات کو بارہا دیکھ چکا تھا۔

حضرت نے اگلے دن صبح کو از خود کہا کہ اجازت ہو تو آج واپسی کا خیال ہے حالانکہ وہ دن حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کا تھا۔ تین دن کے ارادے سے تشریف لائے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر غیرت کے ساتھ ہنسی آ گئی اور میں نے کہا کہ حضرت ضرور تشریف لے جائیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو میں نے سارا قصہ سُنا دیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑے سے تکدّر نما چہرے سے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے سے کیوں تکلف کیا، مجھ سے بے تکلف کہہ دینا چاہئے تھا۔ چونکہ تار میں کسی ٹرین کا تعین نہیں تھا اس لئے اسٹیشن پر کوئی نہ جا سکا کہ وقت معلوم نہ تھا۔ لیکن کھانا مرچ اور بے مرچ دونوں طرح کا دو آدمیوں کے بقدر تیار کرالیا، ظہر تک انتظار رہا۔ جب میں ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوا، اس زمانے میں جلدی سے مسجد سے آنا ہوتا تھا، تو مولانا یحییٰ صاحب کھنجاروی مسجد کے در میں ملے۔ ان سے پہلے کی واقفیت تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا قیام بھوپال میں ہے۔ ان سے مصافحہ پر میں نے حضرت شاہ صاحب کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ تشریف لے آئے مسجد میں ہیں، میں صف پر بیٹھ گیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نماز سے فراغت کے بعد اُٹھ کر مصافحہ کیا۔ مصافحہ کے بعد میں نے عرض کیا کہ کھانا تو نہیں کھایا، یہ بات میں پہلے مولانا یحییٰ سے معلوم کر چکا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''کھایا تو نہیں ہے مگر ابھی کچھ رغبت بھی نہیں''۔ میں نے عرض کیا کہ ظہر تک اگر رغبت نہیں ہے تو پھر کب ہوگی؟ جناب کی شرط کے خلاف تو ذرا اصرار نہیں لیکن ہم طالب علموں کو تکلف تو آتا نہیں بے تکلف عرض ہے کہ کھانا پرہیزی وبے پرہیزی یعنی مرچ و بے مرچ کا تیار ہے جو میں نے احتیاطاً تیار کرا لیا تھا۔

حضرت نے کچھ سکوت فرمایا۔ میں نے مولوی یحییٰ سے کہا کہ تمہاری تو کوئی شرط نہیں تم تو کھالو اور حضرتکو رغبت ہوگی تو ایک آدھ لقمہ نوش فرمالیں گے۔ مجھے اس وقت کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تبسم سے زائد ضحک آمیز فقرہ خوب یاد ہے کہ ''بہت اچھا''۔ تو معاً میں نے دوسرا فقرہ وہیں بیٹھے بیٹھے کہا کہ حضرت دوسری درخواست اور ہے کہ میرے پاس تو اس وقت حدیث پاک کا سبق ہے یہ مولوی شفیق گنگوہی ثم بھوپالی ان سے آپ بھی واقف ہوں گے، اس وقت ان کا قیام سہارنپور میں مستقل تھا اور حضرت شاہ صاحب کے معتقد تھے، یہاں موجود ہیں حضرت تو مہمان خانہ تشریف لے چلیں۔ یہ مولوی شفیق صاحب وہیں کھانا لا کر حضرت کو کھلا دیں گے۔ انشاء اللہ عصر بعد ملوں گا۔ اس پر حضرت نے بہت اظہار مسرت فرما کر ''بہت اچھا بہت اچھا'' فرمایا اور یہ بھی فرمایا ''ایسی بے تکلفی بہت اچھی''۔ میں مولوی شفیق کو ساتھ لا کر ان کے ہمراہ دونوں طرح کے کھانے روانہ کر کے اپنے کام میں لگ گیا۔ حضرت نے کھانا کھا کر آرام فرمایا، عصر میں ملاقات ہوئی۔

میں نے تحقیق کی حضرت نے کچھ پکوایا یا نہیں، معلوم ہوا کہ چونکہ ظہر کے بعد کھانا ہوا تھا اس لئے اس وقت رغبت نہیں ہے اس وجہ سے اس وقت کوئی انتظام نہیں فرمایا۔ عصر کے بعد چائے کی مجلس میں شرکت ہوئی۔ کچھ میرے گستاخانہ فقرے کچھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شفقت آمیز فقرے ہوتے رہے۔

مغرب کے قریب میں نے عرض کیا حضرت میرا معمول سالہا سال سے صرف ایک وقت کھانے کا ہے، شام کو تو ہے نہیں اس لئے صبح کا انشاء اللہ آپ کی معیت میں کھاؤں گا

اور اس وقت مجھے تو مشغولی ہے اور آپ کو بھی اپنے اوراد و وظائف میں مشغولی ہوگی اس لئے اُوپر تشریف لے جائیں۔ میں تھوڑا سا کھانا بھائی یحییٰ کی نیت سے بھیج دوں گا، آپ کی خواہش ہو تو آپ بھی نوش فرمالیں۔ اس پر پھر تبسم فرمایا اور اُوپر تشریف لے گئے۔ میں نے حسبِ معمول مولوی شفیق کے ہاتھ کھانا بھیج دیا، معلوم نہیں نوش فرمایا یا نہیں نوش فرمایا، میں نے پھر دریافت نہیں کیا۔

صبح کی چائے میں میں نے حضرت کے لئے دو انڈے بنوائے۔ حضرت نے انڈوں کے خلاف بڑا زوردار وعظ فرمایا۔ میں نے وہ رکابی اُٹھا کر اور چمچے سے اسے ہٹاتے ہوئے عرض کیا کہ یہ قول شاذ ہے (اطبائے یونان ڈاکٹر ہومیو پیتھک والے اجماعاً اس کے کھانے پر متفق ہیں)۔ چائے سے فراغ کے بعد میں نے کہا کہ حدیث کا ارشاد ہے "**الضیافۃ ثلاث**" لہٰذا تین دن تو آپ بمقتضائے حدیث آپ میرے مہمان ہیں اس کے بعد آپ آزاد ہوں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہنسے اور فرمایا "میں نے پہلے ہی سُن رکھا تھا، تصدیق ہوگئی"۔

ایک ہفتہ سے زائد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہا اور میرے مہمان رہے۔ دوسرے دن سے میرے سبق کے اندر بھی بہت اہتمام سے تشریف لے جانے لگے۔ یہاں پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ایسی لگی کہ جانے کے وقت فرمانے لگے "آپ کے پاس سے جانے کا جی نہیں چاہتا"۔ اسباق میں بھی بہت دعائیں دیتے اور مسرت کا اظہار فرماتے۔ یہاں سے تشریف بری کے بعد ابتداءً بہت سے خطوط بلانے کے آتے رہے مگر مقدر کی حاضری نہ ہوسکی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی سے ملاقات

ارشاد فرمایا: مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سُنتا رہا اور ان کی علمی و تالیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے۔ وہ دار العلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میرے پاس آدمی پہنچا کہ مولانا مناظر احسن حیدر آبادی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ تجھ سے ملنا

چاہتے ہیں۔ میں ان کا نام سُن کر بہت مرعوب ہوا۔ ملاقات کا بالکل جی نہیں چاہتا تھا اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا لیکن چونکہ پیام یہ تھا کہ وہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا۔

مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اُٹھ کر مصافحہ اور معانقہ کیا اور فرمایا کہ "تجھ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ کہ نہیں ہوئی مگر رُوحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے والے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں، اور بلفظ جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ کے بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے وہ آئے تھے اور ۶ بجے واپس دیوبند تشریف لے گئے۔

یہاں کے اثرات کو باقی رکھنے کی صورت

ارشاد فرمایا: ایک بات خصوصیت سے رمضان میں کہتا ہوں اور بار بار کہتا رہا ہوں اور اہتمام سے کہوں۔ بھائی دیکھو جہاں میں نے نسبت کی چار قسمیں بتائی تھیں ان میں ایک نسبت انعکاسی ہے جو بہت جلد غائب ہو جاتی ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد دو تین مہینے تک کثرت سے خطوط آتے رہتے ہیں اور ان میں قدر مشترک کے طور پر یہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنے کی جو برکت تھی وہ اب معلوم نہیں ہوتی، یہ ماحول کا اثر ہے۔ میرے پیارو! میرے معمولات بہت محدود و مختصر ہیں، زیادہ نہیں۔ وہ اگر پابندی سے کرتے رہو گے تو اثر وہاں بھی معلوم ہوگا۔ میں بار بار کہتا رہا ہوں کہ بے ضرورت بات نہ کرو تواضعاً ارشاد فرمایا اپنی حالت مجھے معلوم ہے۔

بھائی افضل رائپور گئے تھے معلوم ہوا کہ وہاں حافظ عبدالعزیز صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی کیونکہ وہ رمضان میں انتہائی مشغول رہتے ہیں، اس سے خوشی ہوئی۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ رمضان پوری یکسوئی سے گزار کرو اگر پورے مہینے کا اعتکاف کرنا چاہو تو میں نے اجازت دے رکھی ہے۔

ایک صاحب نے اس پر اعتراض کیا کہ ''پورے مہینے کا اعتکاف کہاں سے ثابت ہے''؟ میں نے جواب دیا کہ بخاری کی حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس دن کے اعتکاف کی نیت شب قدر کی تلاش میں کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو دس دن کی نیت کرلیا کرو۔

میں خواہش مند کو اجازت نہیں دیتا

ارشاد فرمایا: ابتدائی نسبت انعکاسی تو بہت جلد حاصل ہوجاتی ہے، مگر اجازت کے بارے میں ایک اصول ہے جو اپنے واردات بتاتا ہے اور اس کا خواہش مند ہوتا ہے اس کو میں اجازت نہیں دیتا خواہ اس کے حالات کتنے ہی اچھے ہوں۔ حدیث میں آیا بھی ہے:

''انا لا نولی من طلب منکم الامارۃ''

جو امارت کا طالب ہو میں اس کو امیر نہیں بناتا۔

میں نے اپنے اکابر کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اب تک کے حضرات کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا جن صاحب کی اجازت میں خواہش کا شائبہ بھی شامل رہا ان کی بات نہیں چلی اور جن پر یہ اجازت تھوپی گئی ان سے خوب کام ہوا۔

''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' کا مطلب

ارشاد فرمایا: بڑوں کی چیزوں پر اعتراض نہ کرو۔ اگر تمہاری عقل مانے تو مان لو ورنہ ان کو اللہ کے حوالے کرو۔ جن کو اجازت دی گئی اور جس بزرگ نے اجازت دی وہ دونوں ذمہ دار ہوں گے۔ اس طرح کے بیجا سوالات سے نہ دنیا کا فائدہ اور نہ آخرت کا۔

ایک بزرگ تھے وہ مخلوق سے بھاگتے تھے یہاں تک کہ بالآخر وہ عاجز آگئے اور ان کے اردگرد کافی ہجوم جمع ہوگیا اور روزانہ بڑھتا رہا۔ ایک دن انہوں نے اعلان کیا کہ میرے حجرے کے قریب کوئی نہ آئے۔ چاروں طرف اس کی اطلاع کردی، خدام کو منع کرنے سے اور تحقیقات کی دلچسپی ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۲ بجے شب میں ایک عورت نہایت حسین وجمیل آئی تو ان کے حجرے کے کیواڑ خود بخود کھل گئے، وہ اندر داخل ہوئی اور کیواڑ بند ہوگئے۔ باہر ایک شور وہنگامہ برپا ہوگیا۔

ہم نے لیگ و کانگریس کے دور میں دیکھا ہے کہ ایک ہی آدمی کے بارے میں زندہ باد و مردہ باد کے نعرے بدلتے رہے۔ بہر حال ان بزرگ نے صبح کے وقت کیواڑ کھولے تو سارا مجمع منتشر ہو گیا تھا۔ صرف ایک آدمی رہ گیا تھا، اس نے کہا حضرت میں نے آپ کے لئے پانی گرم کر رکھا ہے، ان بزرگ نے دریافت کیا کہ "تم کیوں نہیں گئے"؟ اس نے کہا کہ "میں نے آپ کو پیر بنا رکھا ہے نبی نہیں بنایا"۔ اس کے جواب سے وہ بہت خوش ہوئے اور اس کو اپنے سینے سے لگالیا اور اس کو اجازت دے دی۔ اجازت میں تعلقات کو بھی دخل ہوتا ہے۔

ان بزرگ نے کہا کہ ہجوم بہت تھا میں نے دنیا سے کہا کہ تم اس صورت میں میرے پاس آجاؤ وہ آگئی تھی۔ دنیا کے عورت کی صورت میں بہت سے قصے ہیں۔ مفتی صاحب کے ڈر سے بعض قصے نہیں سناتا۔

جو دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اس کے پاس یہ ذلیل ہو کر آتی ہے

ارشاد فرمایا: ایک سیاح تھا، وہ سیاحت کرتا ہوا ایک جنگل بیابان میں پہنچا۔ وہاں ایک مسجد تھی اس کے تینوں کونے پر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ جا کر چوتھے کونے پر بیٹھ گیا اور لوگوں کی فراغت کا انتظار کرتا رہا۔ دوپہر ہو چکی تھی اور خوب بھوک لگی تھی۔ اتنے میں ایک خوبصورت عورت (دنیا جو عورت کی صورت میں) کھانے کا خوان سر پر لئے ہوئے آئی۔ اس عورت نے آکر تین خوان مسجد کے تینوں کونوں پر لا کر رکھے۔ کھانے کی خوشبو پوری مسجد میں پھیل گئی۔ اس نے ہر ایک کے سامنے پلیٹ و پیالے وغیرہ لگائے اور ہر ایک سے خوشامد کرتی رہی کہ حضرت کھانا کھالیں مگر کوئی متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ اس آدمی کو تعجب ہو رہا تھا کہ کیا بات ہے۔

بہت خوشامد کے بعد ہر ایک کا ہاتھ دھلایا۔ پس ان لوگوں نے کھانا شروع کیا اور ہڈی نکال نکال کر اس عورت کے منہ پر مارتے جاتے تھے۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے مگر اجنبی ہونے کی وجہ سے خاموش رہا۔ چنانچہ ان تینوں نے کھانے سے فراغت حاصل کی تو اس عورت نے ان کے ہاتھ دھلوائے اور نہایت عمدہ

رومال سے ان کے ہاتھ صاف کئے۔اس کے بعد وہ اس آدمی کے پاس آئی اور کہا کہ کھانا کھالو اور جلدی کرو۔اس نے بھی ہڈی اس عورت کو مارنا شروع کیا تو اس نے طمانچہ کھینچ کر اس کو لگایا تو سیاح نے کہا کہ یہاں کا یہ دستور نہیں ہے۔

اس عورت نے کہا کہ "میں ہوں دنیا، یہ لوگ مجھ سے بے تعلق تھے اس لئے مجھے ان کی خوشامد کرنی پڑی اور تم شروع سے گھور رہے تھے۔اس لئے تمہارے لئے یہی ہے۔ (حدیث میں دنیا کے عورت کی صورت میں آنے کا ذکر ہے)۔اس نے کہا کہ چونکہ ان بزرگوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہو اس لئے ان کی برکت سے یہ بھی اس طرح مل گیا ورنہ تجھے کوئی نہ پوچھتا۔ "**هم القوم لا يشقٰى بهم جليسهم**"۔

مے خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

حدیث میں آیا ہے کہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال عطر فروشوں کی طرح ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو خوشبو محسوس ہوتی رہتی ہے اور بُرے ہم نشیں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھٹی جلانے والے کے پاس بیٹھے یا تو وہ تمہارے کپڑے جلائے گی یا تم اس کا دھواں پاؤ گے۔

عید کی نماز کا اعلان

۲۹ رمضان المبارک کو رویت ہلال کا ثبوت مل گیا اس لئے اعلان کیا گیا کہ یہاں مسجد میں عید کی نماز ساڑھے سات بجے ہوگی اور عیدگاہ میں گیارہ بجے ہوگی۔

ارشاد فرمایا: ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ میری عمر ۷، ۸ سال کی تھی۔عید کی خوشی دو تین دن پہلے سے شروع ہو جاتی تھی اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ یہ تمنا رہتی ہے کہ کاش ۲۹ کے بجائے ۳۰ کا چاند ہو جائے۔ حج سے فراغت کے بعد لوگوں کو گھر بہت یاد آتا ہے۔ وہاں میں نے بہت سمجھایا کہ یہاں کے ایام کو غنیمت سمجھو مگر منیٰ سے واپسی کے بعد واپس جانے کے تقاضے شروع ہو جاتے ہیں وہی منظر آج یہاں ہے۔

مربی حقیقی حق تعالیٰ ہے شیخ صرف وسیلہ ہے

ارشاد فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون میں قیام فرمایا،

اس وقت وہاں سہ دری نہ تھی۔ حضرت میاں جیونور محمد جھنجھانوی قدس سرّہ العزیز بھی وہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ وہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہوگئی تھی اور وہ لوگ کوشش کررہے تھے۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وہ لوگ دعا کے لئے آئے تو میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے۔ یہاں ان کے لئے سہ دری بنوادو میں دعا کروں گا۔ انہوں نے اس کا وعدہ کرلیا۔ وہ مقدمہ الٰہ آباد میں جاکر موافق ہوگیا جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی۔ انہوں نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے۔ انہوں نے کہا، حضرت سہ دری بنوانے کی قوت نہیں، آدھی بنوادیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بہت اچھا آدھی سہی۔ پھر الٰہ آباد سے باضابطہ حکم آیا ''تاحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط''۔ پھر انہوں نے آکر حضرت سے عرض کیا، حضرت نے فرمایا ''تمہیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں''۔

فرمایا: انا عند ظن عبدی بی کے مطابق اللہ جل شانہ معاملہ فرماتے ہیں، پیر بھی کچھ نہیں تربیت کرنے والا اللہ ہے۔

دیر وحرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
ہم کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

بیعت کے تعلق کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب میں تربیت کا سبب بنایا ہے۔ حق تعالیٰ ہر ایک کی تربیت کرنا چاہیں، وہ دین اور دنیا دونوں دینا چاہتے ہیں، خوب مانگو اس کریم کے ہاں کمی نہیں۔

اکابر کے طریقہ کو لازم پکڑو

ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں کی ایک ایک ادا دانتوں سے پکڑنے کے قابل ہے جب سے میں نے سُنا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرّہ تیس تاریخ کو ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھتے تھے، اگر آج چاند نہ ہوا ہوتا تو میرا بھی ارادہ تھا کہ عبدالرحیم سے کہوں کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھاوے۔

فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعدولاتحصیٰ احسانات ہیں اس لئے کثرت سے درود پڑھتے رہو اور کلمہ سوم کا ورد رکھو۔

عید کی صبح کو نماز سے پہلے حضرت اقدس مدفیوضہم نے حدیث مسلسل بالاولیۃ کو پڑھ کر ہر سال کے دستور کے مطابق اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔عید کی نماز حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ نے پڑھائی۔حق تعالیٰ اس رشد وہدایت کے سرچشمہ حضرت اقدس مدفیوضہم کے سائے کو ہمارے سروں پر باقی رکھے۔تادیر قائم ودائم رکھے۔آمین

تبلیغی جماعت اور مدارس

تبلیغی جماعت سے حضرت اقدس مدفیوضہم کا جو سرپرستی کا تعلق ہے اس کو حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ نے سوانح یوسفی رحمۃ اللہ علیہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی سرپرستی، فکرمندی و دل سوزی صاحب سوانح اور دعوت تحریک کے جسم و جان و رگ و ریشہ میں اس طرح پیوست ہوگئی ہے

''شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم''

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا: نظام الدین کی تبلیغ کا بہت معتقد ہوگیا ہوں۔چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کم اور مولوی یوسف مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس کا بہت معتقد ہوگیا ہوں، اس لئے اپنے تمام متلقین کو ہدایت کرتا ہوں کہ جہاں تک ہوسکے اس میں تعاون کیا جائے۔

صحیح بخاری میں شب قدر کے سلسلے میں آیا ہے **''قدتواطات''** خوابوں کا اتفاق ہوگیا ہے، اسی طرح تبلیغ کے سلسلے میں بھی بہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشرات ہیں۔تبلیغ کے سلسلے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ تبلیغ والے مدارس کے مخالف ہیں مگر یہ بات صحیح نہیں۔مجھ سے کلکتہ و بمبئی کے سینکڑوں آدمیوں نے بیان کیا کہ ہمارا علماء و مدارس سے کوئی تعلق نہیں تھا مگر اس کام کے ذریعہ تعلق پیدا ہوا۔اس کام کی برکت سے ہزاروں آدمیوں نے بلکہ لاکھوں آدمیوں نے شراب چھوڑ دی اور تائب ہوئے۔چونکہ اس کام میں بہت سے شرابی وغیرہ تائب ہوکر لگتے ہیں، اس لئے ان کی طرف سے بے اعتدالیاں ہوجاتی ہیں ان کو مناسب انداز میں ٹوکنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اگر تم یہ نہ کرسکو تو ہم کو لکھو، ہم تو بڑے بڑوں کو ٹوکتے ہیں۔

مجھے اپنے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ سے تبلیغ کے بارے میں کئی چیزوں میں اختلاف تھا۔ مگر وہ فرماتے تھے کہ جتنا تبلیغ کا یہ مخالف ہے اور کوئی نہیں، مگر اس کے باوجود جتنا نفع اس سے پہنچا اور کسی سے نہیں۔ ایک مرتبہ چچا جان رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ آگے آگے چچا جان اور ان کے پیچھے میں ہوں اور میرے پیچھے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ اس خواب کو چچا جان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائپوری سے بیان کیا۔ حضرت نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ آپ کی تقویت حضرت شیخ سے ہے اور ان کی پشت پر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ارشاد فرمایا: ہمارے یہاں سکوت ہے اور نظام الدین کے حضرت کے یہاں حرکت۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ نے ایک خواب سُنایا کہ کسی بزرگ نے خواب میں فرمایا کہ تبلیغ صرف زبان و دماغ و کاغذ سے نہیں چلے گی بلکہ مجاہدے اور جان و مال کو نچھاور کرنے اور دعاؤں سے چلے گی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ انہوں نے صحیح کہا۔

مشاجراتِ صحابہ کرام تکوینی طور پر تکمیل دین کے لئے پیش آئے

ارشاد فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضرورت نبی کی ہوتی ہے کہ اُمت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ اُن کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائے تاکہ بعد والوں کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شانِ نبوت کے منافی نہیں، ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ **"لیلۃ التعریس"** میں صبح کی نماز کے آنکھ نہیں کھل سکی۔ یہ واقعہ ایک مرتبہ تو قطعاً پیش آیا اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو تین مرتبہ پیش آیا۔ چونکہ یہ فعل شانِ نبوت کے منافی نہ تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے صادر ہوا۔

اسی طرح نماز میں سہو ہوجانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار پیش آیا جس کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **"انی لا انسی ولکن انسی الخ"** (موطا مالک) میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت (طریقہ) جاری کر جاؤں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو خرید کر آزاد کرنا

چاہتی تھیں مگر بریرہ رضی اللہ عنہا کے آقا اپنے لئے ولائ کی شرط لگاتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اشتری واشترطی۔ بعض علماء نے اس روایت میں اشترطی پر کلام کیا ہے کیونکہ بیع میں اس طرح کی شرط لگانا ناجائز ہے جبکہ دوسری روایت میں "الولاء لمن أعتق" آ گیا ہے مگر میری رائے ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ ایک بیع باطل ہے اور ایک بیع فاسد، حنفیہ کے نزدیک شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے مگر مفید ملک ہے۔ اس حدیث سے بیع فاسد کا جواز بتایا گیا ہے۔ اس طرح کہ افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیانِ جواز کے لئے تعلیماً صادر ہوئے۔ اس پر عمل کرنے سے آپ کو پورا ثواب ملتا تھا۔

اسی طرح جو افعال شان نبوت کے منافی تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کرائے گئے۔ انہوں نے خود اس کے لئے اپنے کو پیش کیا کہ ہمارے ذریعے اپنے دین کی تکمیل کرلیں، ہم سنگسار ہونے کو تیار ہیں، ہاتھ کٹوانے کے لئے تیار ہیں۔ ان افعال کی قباحت میں کمی نہیں۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ وحضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کو سنگسار کیا گیا اور ان لوگوں کے ذریعہ دین کی عملی تکمیل کی گئی۔

تو مشق ناز دو عالم کہ میری گردن پر

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات، جنگ جمل وصفین وغیرہ سب تکوینی طور پر پیش آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حکومت پر لڑائی کرنا کفر تھا کیونکہ جس جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہوتا وہ قطعی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس کا موقع دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صدمے کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تحمل ہوجائے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فقہی لحاظ سے دین کی تکمیل کی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختلافات شروع ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لڑائیاں ہوئیں تاکہ دونوں طرف کے اصول وضوابط معرض وجود میں آجائیں اور اس طرح دین کی تکمیل ہوسکے۔ ہم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں سمجھا۔ وہ ہم کو حکومت وسیاست کے اصول وغیرہ ہر چیز کرکے دکھلا گئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاعتدال صفحہ نمبر ۲۲۹۔

علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے اور مخالفت بُری

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے۔ میں نے ۱۳۴۴ھ سے حدیث کی کتاب پڑھانی شروع کی تھی اور آج تک ہر سبق میں اس کو بیان کرتا ہوں۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سُنایا کرتے تھے۔ ایک صاحب بڑے عالم بلکہ علامہ تھے۔ سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں مرید تھے۔ ان کا ایک لڑکا تھا لیکن اس نے کوئی علمی کمال نہیں پیدا کیا۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اس کو بلا کر کہا کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے بلکہ جماع کے وقت تک کی دعا تک میں اختلاف ہے کہ ازار بند کھولنے سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد میں۔ مدتِ حمل، نماز جنازہ کی تکبیرات تک میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس لئے ضابطہ تو انہوں نے صحیح بتایا، اختلافِ ائمہ مجھے پسند ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ گزر چکا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی مسئلہ میں اتفاق سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی اختلاف سے، کیونکہ اختلاف کی وجہ سے گنجائش رہتی ہے۔ یہ اختلاف بڑی مبارک چیز ہے البتہ مخالفت بُری چیز ہے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے جو تعلق تھا وہ سب کو معلوم ہے، مگر بعض مسائل میں ان حضرات سے اختلاف بھی تھا۔ میرے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بعض لوگوں سے خود فرماتے ہیں کہ فلاں چیز میرے نزدیک جائز نہیں لیکن مولوی یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، تیرا دل چاہے اُوپر جا کر ان سے پوچھ لو اور اس کے موافق عمل کرو۔ خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخیر رمضان المبارک میں شعبان کے گڑبڑ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی، اس لئے روزہ ہے اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ حجت شرعی سے صحیح تھی اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے۔ دن بھر بحث رہی شام کو چاند نظر نہ آیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے طے فرمادیا کہ میں روزہ رکھوں گا۔ میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ میرے اتباع کی ضرورت نہیں۔ سمجھ میں آ گیا ہوتو روزہ رکھوورنہ نہیں، بال آخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا روزہ تھا اور میرا افطار۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا، گو مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رائے مقابلہ میں کیوں قابلِ اعتناء سمجھا۔ مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا بھی اشارۃً کنایۃً کچھ بھی نہیں فرمایا بلکہ تصویب ہی فرمائی۔

چار رکعت نماز میں اختلافِ ائمہ کو مشکوٰۃ شریف کے تدریس کے زمانے میں شمار کیا تو ان کی تعداد سوا دوسو (۲۲۵) تک پہنچ گئی تھی۔ بخاری کی تدریس کے زمانے میں ان کی تعداد پونے تین سو پہنچ گئی۔ جزو اسباب اختلافِ ائمہ حضرت کا مستقل رسالہ ہے جو اب طبع ہو چکا ہے، الاعتدال میں بھی اس پر گفتگو فرمائی ہے۔

فرمایا: علامہ شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں ائمہ رابعہ کے مذاہب کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہر امام نے اپنے اپنے دور کے لحاظ سے کہا ہے جس کو لوگ اختلاف سمجھ رہے ہیں۔ مگر نقل مذاہب میں ان سے تسامح بھی ہوا ہے۔

فرمایا: رام پور میں ایک دعوت تھی اور وہاں ختنہ بھی تھا۔ سب اکابر نے شرکت فرمائی مگر عین وقت پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا، لوگوں کو تعجب ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان اکابر کو اپنے علوشان کے باوجود ان مفاسد کا علم نہیں جو مجھے معلوم ہے۔ اس لئے سد اللباب میں حاضر نہیں ہوا۔

نوٹ: ایک طالب علم نے دو قرآن ختم کر کے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو ایصالِ ثواب کیا تھا۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار مسرت فرمایا۔ مولانا عبد المنان دہلوی نے عرض کیا کہ میں نے اسی طرح ایک طواف حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کیا تھا۔ حضرت سے ذکر کیا تو فرمایا اس کا ذکر نہ کرنا چاہئے، اس میں اظہار احسان ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصویب فرمائی۔

آپس کے اختلافات میں راہِ اعتدال

ارشاد فرمایا: آج جمعیت و مشاورت وغیرہ ہے اخلاص سے جس راستہ کو چاہو اختیار کرو آپس میں ایک دوسرے پر تنقید نہ کیا کرو، گاندھی و مالویہ کے حالات سے سبق لو، دونوں میں تضاد تھا مگر ایک دوسرے کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ ہمارے اکابر میں تضاد تھا مگر ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ دلّی جانے کی حکومت برطانیہ کی طرف سے ممانعت تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں جانے پر اصرار تھا۔ فرمایا دلّی جاؤں گا، قانون توڑوں گا، شور ہوا۔ چنانچہ دلّی کے لئے روانہ ہوئے۔ مظفر نگر پہنچے تھے کہ راستے میں اُتار لئے گئے اور سیدھے جیل خانہ پہنچا دیئے گئے۔

اس واقعہ کا علم جب حضرت مولانا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو ظہر کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری پر نہایت ہی رنج و غم اور قلق کا اظہار فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم نہیں تھا کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے اس قدر محبت ہے۔ اس پر ایک شخص نے حاضرین مجلس میں سے عرض کیا کہ ''حضرت وہ تو از خود گئے تھے''۔ حضرت تھانوی قدّس سرّہ نے فرمایا، آپ مجھے اس فقرے سے تسلی دینا چاہتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی تو یزید کے مقابلے کے لئے از خود تشریف لے گئے تھے یزید نے ان کو جبراً تو قتل نہیں کیا تھا لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا غم ساری دنیا آج تک نہیں بھولی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہر ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اچانک تشریف لائے اور فرمایا: ''تمہارا درشن کرنے آیا ہوں''۔ میں نے کہا کہ مجھے ان مبارک ہونٹوں سے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے۔ فرمایا: کہ تھانہ بھون جا رہا ہوں اور تمہارے ساتھ۔ میں نے عرض کیا کہ میرے سر میں بال نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ''الاعتدال'' لکھی گئی تھی، زمانہ ع غ (اختلاف) کا تھا۔ ہمارے اکابر میں تو وہی رہ گئے ہیں، چنانچہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے، رات کا وقت تھا، خانقاہ بند تھی، مسجد میں

آرام تھا۔ صبح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آپ کی آمد کی اطلاع پہلے سے ہوتی تو میں کسی کو اسٹیشن بھیج دیتا۔ یہ ہمارے اکابر کے حالات تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب بخاری فرمایا کرتے تھے کہ یہ مکان مشترک پلیٹ فارم ہے، مولانا عطاء اللہ صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی احراری تھے یہ سب میرے ہی یہاں مہمان ہوتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی علالت سے پہلے میرے یہاں مہمان ہوتے تھے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے تھے اسی وجہ سے میرے ساتھ تعلق تھا اور میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے تکلفی کے تعلقات تھے۔ جب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تو میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خط آیا کہ ہر ماہ ایک مرتبہ تم مجھ کو زیارت کرایا کرو۔

ایک مرتبہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو سہارنپور آنے کی دعوت دی۔ حضرت کے ہاں قانون وضابطہ بہت تھا، جواب آیا کہ میں ادھر سفر پر آرہا ہوں سہارنپور سے تھانہ بھون تک میرا اور میرے خادم کا کرایہ دینا پڑے گا اور ایک ہانڈی اُرد کی دال دینی پڑے گی۔ حضرت کو اُرد کی دال بہت پسند تھی اور میری والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا بہت اچھی پکاتی تھیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد میں نے حضرت کو خط لکھا کہ حضرت کو جو دستور تھا اس میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ تو جواب اپنی شفقت سے دیا کہ ضرور جاری ہوگی۔ اس کے بعد سے مستقل قانون ہوگیا کہ سہارنپور میں میرے ہی مہمان ہوتے تھے۔ میری وجہ سے یہاں کی آمد تو یاد نہیں البتہ کسی ضرورت سے سہارنپور آمد ہوتی تو میرے ہی مہمان ہوتے۔

ارشاد فرمایا: جمعیت و مشاورت کی لڑائیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ ایک صاحب نے اپنا خواب لکھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ غصے میں ہیں اور فرمارہے ہیں کہ علی میاں بھی میرے ہیں اور اسعد میاں بھی میرے ہیں، آنکھ کھل گئی۔ میں نے کہا کہ تعبیر واضح ہے دونوں مخلص ہیں، تم لوگ آپس میں لڑائیں کر کے اپنی عاقبتیں خراب نہ کرو، یہ اختلاف ویسا ہی ہے جیسے لیگ و کانگریس کا تھا۔ اگر کوئی ان میں سے کسی راستے کو اخلاص سے اختیار کرنا چاہے تو کرلے ورنہ میری طرح الگ تھلگ ہو کر تسبیح پڑھتا رہے۔

ارشاد فرمایا: علماء کا اختلاف اگر کسی مسئلے میں ہوتا ہے تو گنجائش نکل آتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ جس مسئلے میں صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف نہیں ہوتا تو اس میں مجھے تنگی نظر آتی ہے۔

ہمارے اکابر کا طبائع میں تضاد تھا مگر اس کے باوجود ایک تھے

ارشاد فرمایا: میں نے اپنے اکابر کو خوب دیکھا۔ ان کی طبائع میں تضاد تھا مگر سب ایک تھے، ہر ایک دوسرے کی چیزوں کو سراہتا تھا۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قوانین کا زور تھا۔ خانقاہ میں ایک بڑی تختی قواعد کی لٹکی رہتی تھی۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تواضع کا غلبہ تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ رائپور تشریف لے گئے تو فرمایا: ''اللہ اکبر یہاں کے پتے پتے سے تواضع ٹپکتی ہے''۔ بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھتا تھا۔ بڑے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ منشی رحمت علی صاحب وغیرہ چمکے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی چیز ہیں۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دلداری و نرمی تھی۔

اللہ والوں سے ڈرتے رہنا چاہئے

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر اللہ نے مجھے بہت صبر دیا تھا، چنانچہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ باپ کے انتقال پر پابندیاں ختم ہوگئیں ہیں شاید اسی لئے خوشی ہوئی ہے۔ انتقال کے بعد کثرت سے مہمان آئے، میں نے کوئی ایک ڈیڑھ سو روپے کی پوڑیاں منگوا کر لوگوں کو کھلائیں۔

ایک بزرگ جو میرے والد کے دوست اور مخلص خدام میں سے تھے، وہ بڑے صاحبِ کشف تھے۔ کشف قبور میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ وہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے دوسرے دن ان کی قبر پر حاضر ہوئے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے تین باتیں فرمائیں:

۱۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین بہت تھے فرمایا کہ مولوی زکریا سے کہہ دیجئے کہ ان کی فکر نہ کرو یہ خود اپنا نقصان اُٹھائیں گے۔

۲۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر قرض بہت تھا، اس کے مانگنے والے بہت تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی فکر نہ کرو۔ مجھ سے قرض کے بارے میں کوئی مطالبہ نہیں ہوا۔

۳۔ اللہ والوں سے ڈرتے رہنا، ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ مخالفت تو ہر ایک کی ہوتی ہے، کوئی ایسا آدمی نہیں کہ سب اس کی تعریف کریں یا سب اس کی مذمت کریں۔ دنیا جو چاہے سمجھے مگر اللہ سے معاملہ صاف رکھو۔ لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں یہ نہ دیکھو، بلکہ اللہ سے مانگو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

میرے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ۱۳۴۴ھ کے سفر حج کے موقع پر مولانا عبدالطیف صاحب کو مدرسہ کا ناظم تجویز کیا تھا۔ حضرت اقدس کے ساتھ سفر میں میں بھی تھا۔ حضرت کے مدینہ منورہ قیام کے زمانے میں کچھ لوگ حضرت ناظم صاحب کی شکایت لکھتے رہتے تھے۔ میں ان کو غلط سمجھتا تھا اس لئے وقتاً فوقتاً تردید کرتا رہتا تھا۔ حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سفر میں حج کے لئے تشریف لائے تھے۔ جب واپس ہونے لگے تو حضرت نے ان کے ذریعہ ناظم صاحب کو یہ پیغام بھیجا کہ فلاں فلاں سے معاملہ اچھا رکھنا۔

جب مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ناظم صاحب کو یہ پیغام پہنچایا تو انہوں نے تردید کی کہ یہ شکایت بالکل جھوٹ ہیں۔ جن لوگوں کی ناظم صاحب مدارات کرتے تھے ان لوگوں نے بھی شکایات لکھی تھیں کہ ہم لوگوں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔

عین الرضا عنکل عیب کلیلۃ
کما ان عین السخط تبدی المساویا

بہر حال حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب حقیقتِ حال کا علم ہوا تو انہیں عجیب تاثر ہوا۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تو اس موقع پر اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آ گئی کہ اللہ والوں کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔

حضرت نے یوں فرمایا: ان اللہ والوں کو اگر کسی بات سے تکدّر پیدا ہو جائے تو آدمی کو مصیبت میں پھانس دے۔ بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء کی صحبت اکسیر ہے بشرطیکہ دل میں کوئی خرخشہ نہ آئے۔ اس کی تفسیر میرے نزدیک یہ ہے کہ دل میں تنقید کا جذبہ نہ پیدا ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہر شخص کے معتقد ہو جاؤ یا مرید ہو جاؤ۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ایک صاحب کی شکایت کی تو حضرت نے فرمایا: ''بھائی تقصیر سے اس زمانے میں کون خالی ہے''۔ یہ چودھویں صدی ہے اکابر بھی اسی صدی کے ہیں۔ ہر بزرگ سے اعتقاد ضروری نہیں مگر ان کی مخالفت نہ کرو۔ **"من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب"**۔ اگر تمہارا کسی بزرگ سے میل نہیں ہے تو ان کے پاس نہ جاؤ، مگر مخالفت نہ کرو۔ **"واللہ یعلم المفسد من المصلح"**۔

آج کل خطوط کی کثرت ہے کہ فلاں فلاں میں آپ اتحاد کیوں نہیں کرا دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے یہ دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ ہر ایک کے لئے کلمۂ خیر کہتا ہوں، پارٹی سے الگ رہو۔

اکابر کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق

ارشاد فرمایا: میرا ہمیشہ کا یہ دستور رہا ہے کہ بزرگوں کے معمولات معلوم کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ فضائل رمضان میں میں نے اپنے اکابر بالخصوص حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات لکھے ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات سُنانے کا میرا بہت جی چاہتا ہے۔ کتابوں میں ان کے حالات پھول کے گلدستہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ الاعتدال میں ان کے حالات لوگ توجہ سے نہیں سُنتے، حالانکہ یہ بہت اہم ہیں۔ ان بزرگوں کی طبائع میں اختلاف تھا، مگر اس میں مجھے بڑا مزہ

آتا ہے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ان اکابر کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ اعلیٰ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عظمت اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بے تکلفی کا۔

بڑوں سے انتساب اس وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جب آدمی میں کوئی ذاتی کمال ہو

ارشاد فرمایا: ہم نے بچپن میں یہ سُنا تھا کہ مشہور ہے کہ گیدڑوں کا سردار کہا کرتا ہے ''پدرمن سلطان بود''، تو دوسرے گیدڑ کہتے ہیں ''تُراچہ، تُراچہ مراچہ''۔ ہماری مثال بھی ایسی ہی ہے کچھ کرنے سے ہوتا ہے اگر آدمی میں کوئی کمال نہ ہو تو والد صاحب کیسے تھے، ہوتے رہیں۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں اللہ میاں نے کہہ دیا ''**انه لیس من اهلک**''۔ بڑوں سے انتساب اسی وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جب آدمی کچھ ہو۔

مشک آنست کہ خود ببوید

فرمایا: میرے پیارو! خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ آج کل مجلس میں میں نے الاعتدال شروع کرا رکھی ہے۔ آج کل زبانوں پر گالیاں اور بدگمانیوں کے سبب لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ آدمی کو خدا کی طرف سے ڈھیل ملتی رہتی ہے، جب آدمی توبہ نہیں کرتا تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ یہ کوئی جرم تو نہیں کہ مصیبت آئے ہم سوچتے نہیں۔

اکثر مصائب کا سبب زبان درازیاں ہیں

فرمایا: اکثر زبانوں کی بے احتیاطیوں کے سبب مصیبتیں آتی ہیں۔ حدیث میں بھی آیا ہے:

''**هل یکب الناس فی النار الا حصائد السنتهم**''

زبان درازیوں کے سبب اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حضور ﷺ کے ارشادات بہت اہم ہیں۔ ہم مولوی پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ ایک حدیث ہے کہ

"احبب حبیبک ھونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما ما الخ"

اگر تمہاری کسی سے دوستی ہو تو ہلکی ہلکی، ممکن ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے۔ اسی طرح اگر کسی سے عداوت ہو تو اس سے بھی۔

اس کا خیال رہے کہ شاید کسی دن اس سے دوستی ہو جائے۔ آج کل لوگوں نے راہِ اعتدال چھوڑ دی ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایمان پیدا

حضرت اقدس بہت کثرت سے اپنے سبق میں بیان فرماتے تھے کہ یہی قرآن و حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تھا اور یہی ہمارے زمانے میں بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ان پر ایمان قلبی و حقیقی تھا اور ہمارا زبانی۔ ان حضرات کو حضور ﷺ کے ارشادات و قرآن پر اتنا زیادہ قطعی یقین ہوتا تھا کہ اس میں کسی قسم کے تردد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے اور ہم لوگوں کی زبان پر سب کچھ ہے اور دل میں کچھ بھی نہیں۔ اس قسم کے مختلف واقعات سناتے رہتے تھے۔ سبق کے علاوہ یہ مضمون اور اس کے نظائر حضرت کی مجالس میں بہت کثرت سے آتے ہیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: حافظ زندہ حسین مرحوم تھے۔ ان کا تکیہ کلام "اللہ کے فضل سے" تھا۔ درحقیقت انہوں نے اپنے والد حافظ فضل حق صاحب سے اس کو لیا تھا۔ حافظ زندہ حسین صاحب کو دیکھنے والے تو اب بھی بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اسی لئے میں بھی ان کا نام لیا کرتا ہوں۔ حافظ فضل حق صاحب حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے جانثاروں میں تھے اور انہیں کی کوشش سے مدرسہ مظاہر علوم قاضی کے محلہ سے یہاں آیا تھا۔

ایک روز حافظ صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اللہ کے فضل سے آج رات اللہ کا غضب ہو گیا۔ حضرت مولانا ہنس پڑے اور پوچھا، حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہوا؟ کہنے لگے حضرت جی! آج رات

تین چار چور میرے مکان میں داخل ہوئے میں ان کو دیکھ کر بیٹھ گیا اور میں نے ان سے پوچھا ارے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں۔ میں نے کہا سنو! میرے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ سہارنپور کے روسا میں میرا شمار ہے اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے ہی پاس ہے اور یہ سارا اس کوٹھری میں ہے جس پر تم بیٹھے ہو۔ وہ مدرسہ کے خزانچی بھی تھے۔ اس میں صرف چھ پیسے کا معمولی تالا لگا ہوا ہے مگر یہ تالا تم سے کیا تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا، صبح تک ٹھوکتے رہو۔ حضرت جی! میں تو جا کر سو گیا اور وہ صبح تک ٹھوکتے رہے۔ میں نے ان سے کہا کہ مولوی جی (حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی) سے سنا ہے کہ جس مال کی زکوۃ دے دی جائے وہ مال اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ اور میں نے اس مال کی پوری زکوۃ دے رکھی ہے بلکہ اس سے کچھ زائد۔ پس اللہ کے فضل سے وہ صبح تک ٹھوکتے رہے۔ حافظ جی نے فرمایا کہ میں تو سو گیا۔ یہ بھی حافظ صاحب کے یقین و اعتقاد کی بات تھی ورنہ گھر میں چوروں کی موجودگی میں کون سو سکتا ہے۔ حافظ جی نے کہا کہ جب سحر کے وقت میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ ٹھوک رہے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ تم لوگوں سے کہ تمہارے باپ سے بھی نہیں کھلے گا۔ چنانچہ وہ چور بھاگ گئے۔

ٹائم ٹیبل کا قصہ

ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے مجھ پر اور ہر شخص پر بہت سے احسانات ہیں۔

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها

اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے۔

اللہ کا شکر ہے کہ ع غ (آپس کے اختلافات) کے باوجود لوگوں کو مجھ پر اعتماد رہا ہے۔ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ نور اللہ مرقدہ) کے انتقال کے بعد لکھنؤ ندوۃ العلماء میں ایک تبلیغی اجتماع رکھا گیا، مولانا علی میاں اور مولانا منظور نعمانی کی آمد چچا جان کے زمانے سے تھی۔ یہ حضرات دل و جان سے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد تھے اور مولانا یوسف سے بھی ایسے ہی رہے۔ ان لوگوں کی کوشش سے ندوۃ میں تبلیغ آئی۔ آج کل مظاہر و دیوبند سے زیادہ وہاں تبلیغی کام ہوتا ہے البتہ علی گڑھ سے کم ہے۔

جو واقعہ میں سنانا چاہتا ہوں وہ اُس زمانے کا ہے کہ جب مشاورت وغیرہ شروع نہیں ہوئی تھی اور سیاست کے میدان میں ان دونوں حضرات نے قدم نہیں رکھا تھا۔ جب ان دونوں نے اس میدان میں قدم رکھا تو میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارے بس کا یہ کام نہیں ہے۔ مگر ملکی حالات سے یہ مجبور تھے۔ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان سارے واقعات کے باوجود بعض چیزوں میں ان حضرات کو اختلاف بھی تھا وہ یہ کہ مولانا یوسف صاحب کے یہاں کوئی نظام نہیں تھا اور یہ حضرات نظام وقواعد سے کام کرنا چاہتے تھے، میں بھی ان دونوں کے ساتھ تھا۔ لکھنؤ کے اجتماع سے پہلے علی میاں یہاں بڑی عقیدت سے تشریف لائے اور کہا کہ ہم لوگ اجتماع کر رہے ہیں اور یہ طے کیا گیا ہے کہ جماعتیں پہلے آ جائیں اور مولانا یوسف صاحب تیسرے دن اجتماع میں شریک ہوں تا کہ اس سے پہلے ہم لوگ وہاں کی فضا کو ہموار کر دیں۔ میں نے مولانا یوسف سے کہہ دیا کہ جلسہ میں تیسرے دن شریک ہونا۔ میں نے قصداً علی میاں کا نام نہیں بتایا مگر شاید وہ سمجھ گئے۔ وہ ہمیشہ میری باتوں کا لحاظ کرتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی یوسف تیسرے دن شریک ہوئے اور ان کی پہلی ہی تقریر میں سونام آئے۔ سب کو تعجب ہوا۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ کام قواعد سے ہونا چاہئے مگر اکثر بے قاعدہ ہی ہوتا ہے۔ علی میاں جب مصر تبلیغ کے لئے گئے تو ان کا خط آیا کہ یہاں آکر سب قواعد غائب ہو گئے۔

انسان کے مقدر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے

ارشاد فرمایا: میں نے ۴۰ھ کے آس پاس ایک رسالہ ''التقدیر'' لکھا تھا کہ جو آدمی کے مقدر میں ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے۔ اس میں میں نے بہت سی مثالیں لکھی تھیں۔ میرے مکان کے سامنے جو نیا مکان ہے وہاں پر ایک پرانا مکان تھا۔ شہر میں جو ڈپٹی کلکٹر آتا تھا اس میں رہتا تھا۔ ایک خانسامہ تھا وہ نہیں بدلتا تھا، اس سے میرے تعلقات ہو گئے تھے۔ اس سے میں پوچھتا تھا کہ کیا پکتا ہے؟ وہ بتاتا تھا کہ میں یہ چیزیں کھاتا ہوں۔ اگر اللہ نے کرم فرمایا اور کوئی دینی تفوق عطا فرمایا تو پیر بن کر کھائے گا یا ڈپٹی کلکٹر بن کر ورنہ

خانسامہ بن کر کھائے گا۔ تعویذوں کی بدولت ہر آنے والے کے گھر کے حالات پوچھ لیتا تھا کہ کیا آمد ہے اور کیا کھاتے ہو؟ وہ یہ سمجھ کر کہ تعویذ میں اس کی ضرورت ہے سب بتلا دیتا تھا۔ اس زمانے میں ایک جج یہاں آیا۔ اس کی والدہ بیمار رہا کرتی تھیں وہ میرے یہاں تعویذ لینے آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گھر میں کیا پکتا ہے؟ اس نے کہا کہ ارہر کی دال اور روٹی۔ والدہ صاحبہ بیمار ہیں ایسی صورت میں اور کیا پکے گا۔

اس زمانے میں کلکتہ سے ایک اخبار نکلتا تھا اس میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ایک انگریز جو ایک بڑی کمپنی کا مالک تھا ایک گھنٹہ میں ہزاروں کی آمدنی کرتا تھا لیکن اس کی صحت خراب تھی۔ ڈاکٹروں نے اس کے لئے ارہر کی دال کا پانی بے نمک کے تجویز کر رکھا تھا۔ اس رسالہ میں میں نے لکھا تھا کہ کار پر چڑھنا اگر مقدر میں ہے تو حضرت جی بن کر بیٹھے گا یا لیڈر بن کر۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے حضرت رائے پوری دلّی تشریف لے گئے تو ۱۲، ۱۳ کاریں ساتھ رہتی تھیں۔ اگر یہ نہ ہوگا تو کم از کم ڈرائیور بن کر بیٹھے گا۔

جیل خانہ اگر مقدر میں ہے تو حضرت مدنی بن کر جائے گا یا چور بن کر جائے گا۔ بہر حال جانا پڑے گا۔ اس رسالہ میں میں نے کچھ آدمیوں کے اندازے لکھے تھے:

۱۔ بعض آدمیوں کی غذا ۴، ۵ آنے تک ہوتی ہے۔

۲۔ بعض آدمیوں کی غذا ۸، ۱۰ آنے تک ہے۔

۳۔ اور بعض لوگوں کی ایک روپیہ دو روپیہ ہوتی ہے۔

جب آدمی معمولی آمدنی پاتا ہے تو اپنا کام خود کر لیتا ہے، کپڑے خود دھو لیتا ہے۔ اگر اس کی آمدنی ۵۰، ۶۰ روپے سے زائد ہوئی تو دھوبی کے ہاں کپڑے بھجوائے گا اور اگر سو ڈیڑھ سو روپے آمدنی ہوئی تو اسی اعتبار سے ضروریاتِ زندگی بڑھاتا جائے گا۔

ایک رئیس کا لڑکا تھا۔ باپ کا انتقال ہو گیا تھا، ماں کے قابو میں نہیں تھا۔ وہ لڑکا منچلا تھا اور اس کو اپنی ریاست کا بھی گھمنڈ تھا۔ گلستان کا ایک شعر آیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ مقدر میں ہوگا وہ مل کر رہے گا۔

اس لڑکے نے اپنے استاد سے کہا مولوی صاحب! اگر میں کھانا نہ کھانا چاہوں تو کون مجھے کھلائے گا؟ غرور گھمنڈ تو تھا ہی ماں کے پاس آیا اور کہا کہ کتاب جھوٹی ہے۔ اس میں

لکھا ہے کہ اگر مقدر میں ہے تو جوتا کھا کر کھانا ملے گا۔ اب میں نہیں کھاتا مجھے کون کھلائے گا۔ ماں نے اپنی محبت سے اس کی خوشامد کی مگر وہ خفا ہو کر گھر سے باہر قبرستان میں شام کو چلا گیا۔ ماں کو فکر ہوئی کہ کہاں ہے، تلاش کرایا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہاں قبرستان میں ایک درخت کے نیچے ہے۔ چنانچہ ماں نے شام کو نہایت خوشبودار پلاؤ پکایا اور رات میں اس کے قریب لے کر گئی اس کی بہت خوشامد کی مگر کسی طرح کھانے کے لئے تیار نہ ہوا، نہ وہاں سے واپس گھر آیا۔ بالآخر ماں وہاں سے واپس آ گئی۔ خوشبو اس کے آس پاس آ رہی تھی۔ آدھی رات کو ڈاکوؤں کی ایک جماعت آ رہی تھی وہ آپس میں کہنے لگے اجی یہاں پلاؤ کی خوشبو آ رہی ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو وہاں ایک لڑکا ہے اور اس کے قریب پلاؤ ایک برتن میں رکھا ہوا تھا۔ ان سبھوں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ یہ پلاؤ کیسا ہے؟ اس نے کہا بہت اچھا، آپ لوگ کھالیں۔ مگر ان ڈاکوؤں کو اس جواب سے شبہ ہوا کہ کہیں اس میں زہر نہ ملا ہو۔ اس لئے اس لڑکے کو پہلے اس میں کھالینا چاہئے۔ جب اس سے کھانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کیا۔ ان کو اس سے اور بھی شبہ بڑھا۔ ایک نے جوتا نکالا اور ایک گال پر ایک جوتا لگایا کہ کھاؤ، اس نے کھایا۔ پھر دوسرے گال پر لگایا کہ ادھر سے کھاؤ۔ پھر تیسرا لگایا کہ نیچے سے بھی کھاؤ۔ غرض جوتا لگا لگا کر چاروں طرف سے اور اندر کا پلاؤ بھی اس کو کھلایا اس کے بعد ان سبھوں نے کھایا۔ وہ لڑکا خالی برتن لے کر ماں کے پاس آیا اور کہا کہ ماں پلاؤ بھی کھایا اور جوتے بھی کھائے۔ کتاب سمجھ میں آ گئی، اب پڑھنے جاؤں گا۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! یہ ہنسنے کی چیزیں نہیں۔ کیوں مالداروں اور مدرسہ کے مہتمموں کی خوشامد کرتے ہو؟ ہر دانہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ کس کے منہ میں جائے گا۔

کابل سے ایک صاحب نے انگور کی ایک ٹوکری پشاور کے ایک صاحب کے یہاں ہدیہ بھیجی۔ انہوں نے لاہور اپنے ایک دوست کو بھیج دی، وہ صاحب میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ انہوں نے مستقل ایک آدمی کے ذریعے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نظام الدین بھیجی اور چچا جان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو میرے پاس بھجوا دیا۔ میں نے مولوی نصیر کی پہلی بیوی کے پاس اس میں سے چند دانے بھیج دیئے۔ پھر میں نے غور کیا کہ اللہ

نے اس اجنبی گمنام کے اس بھیجنے کا کس طرح انتظام فرمایا اور اس کے مقدر کا حصہ کس طرح پہنچایا۔

ارشاد فرمایا: ہم نے یہ سنا ہے کہ روزی کے ہر ہر دانہ پر مہر لگی ہوئی ہے۔ جس کے جو مقدر میں ہوگا وہ آ کر رہے گا۔ کاش یہ باتیں ہمارے دل میں اُتر جائیں۔

ایک صاحب ایک مسجد میں گئے اور ملّا سے کہا کہ رات میں تمہاری مسجد میں گزارنا چاہتا ہوں۔ ملّا کو نئے آدمی کی فکر ہوتی ہے۔ ملّا کے پاس محلہ سے کھانا آیا تھا اس نے ان صاحب کو کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں مرغ پلاؤ کھایا کرتا ہوں تم اپنا کھانا کھاؤ۔ ملّا کو بہت غصہ آیا اس نے کہا کہ مرغ پلاؤ کے انتظار میں رات بھر بھوکے رہو، دیکھو کہاں سے تمہیں مرغ پلاؤ ملتا ہے۔ نصف رات کو ایک آنے والے نے آ کر مسجد کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا ایک صاحب طباق میں مرغ پلاؤ لئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کوئی منت مانی تھی جس کو پورا کرنے کے لئے اس وقت لائے تھے۔ چنانچہ ملّا حیران۔ ان صاحب کو جگایا انہوں نے کھانا کھایا اور اس میں ملّا بھی شریک رہا۔ صبح کو بچے ہوئے حصہ کو ملّا نے کہا کہ ساتھ لیتے جائیو راستے میں ضرورت پڑے گی۔ انہوں نے کہا کہ جو میری روزی ہے وہ مل کر رہے گی جیسے یہاں ملی ہے۔

نوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب عارف باللہ اور متوکل تھے۔ ایسے لوگوں کے اس طرح کے بکثرت واقعات ہیں۔

ارشاد فرمایا: ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک مسجد میں آ کر ملّا سے کہا کہ میں مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتا ہوں۔ ملّا نے کہا کہ اعتکاف تو کرو گے مگر کھاؤ گے کیا؟ انہوں نے فرمایا روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ملّا سے مناظرہ ہوتا رہا۔ اتنے میں امام صاحب بھی آ گئے جو کچھ پڑھے لکھے تھے، وہ بھی اس مناظرے میں ملّا کے ساتھ ہو گئے۔ بالآخر بزرگ مسجد سے باہر آئے مسجد کے نزدیک ایک ہوٹل والے کے یہاں جتنے دن کا اعتکاف کرنا چاہتے تھے ان کے کھانے کا انتظام ہو گیا۔ چنانچہ وہ مسجد میں واپس آئے اور امام و ملّا سے کہا کہ میرا نظم ہو گیا ہے۔ امام صاحب خوش ہوئے انہوں نے کہا اچھا آپ میری مسجد

میں اعتکاف ضرور کریں۔ اس پران بزرگ کو غصہ آیا اور امام کے منہ پر تھوک کر چلے آئے کہ ایسی مسجد کے امام کے پیچھے میں نماز نہیں پڑھوں گا اور نہ یہاں اعتکاف کروں گا جس امام کو اللہ جل شانہ کی ذات عالی پر اعتماد نہ ہو اور ہوٹل والے پر اعتماد ہو۔

بے شک دنیا دارالاسباب ہے مگر توکل کی یہ باتیں دل میں اتارنے کی ہیں۔ ہمارے اکابر ترکِ اسباب کا حکم نہیں دیتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ دینے والا مالک کو سمجھا جائے اور تھوڑا بہت ہاتھ مار لیا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "الدر الثمین" میں تحریر فرمایا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روحانی سوال کیا کہ توکل و اسباب میں کیا افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روحانی توجہ مجھ پر ڈالی، اس کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کے اسباب میں سے کسی چیز سے تعلق نہ رہا۔ حتیٰ کہ اہل و عیال کی طرف بھی التفات نہ رہا طبیعت ہٹ گئی۔ گویا توکل تام کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد دوسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ ڈالی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ باطن تو وہیں رہا البتہ ظاہر میں اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ مضمون حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے اس لئے میرے دوستو! بہت غور سے اس کو دل میں اتارو۔ تم حضرات اسی مقصد کے لئے یہاں آئے ہو، خاص طور سے علماء کرام کو خطاب فرمایا۔ اس کے بعد کیمیا گر کا قصہ سنایا جو اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

تقدیر و تدبیر کی لڑائی

ارشاد فرمایا: ایک کہانی میں نے اپنے والد صاحب سے سنی تھی۔ ایک مرتبہ تقدیر و تدبیر کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ تدبیر کہنے لگی لوگ بدتمیزی و بدسلیقی سے کام کرتے ہیں، اگر کوئی انتظام سے کھائے تو کیوں بیمار ہو اور اس کے فوائد بتائے۔ تقدیر سنتی رہی۔ آخر میں اس نے چپکے سے کہا بشرطیکہ میں بھی ساتھ ہوں۔ درمیان میں ایک کہانی اور سن لو۔ ایک صاحب گھوڑا خریدنے گئے تھے وہاں ان کے ایک دوست مل گئے۔ ان سے کہا کہ کل ہم گھوڑا خریدیں گے۔ انہوں نے کہا انشاء اللہ، تو وہ کہنے لگے کہ انشاء اللہ کیا کرے گا کل تو میں گھوڑا خریدوں گا۔ رات میں سوئے، کسی نے جیب کاٹ لی۔ دوسرے دن بازار لگا تو یہ افسوس کرتے ہوئے وہاں سے واپس آئے۔ کسی نے پوچھا کہ کہاں سے

آرہے ہو؟ کہنے لگے انشاء اللہ گھوڑا خرید نے گیا تھا۔ انشاء اللہ جیب کٹ گئی، انشاء اللہ گھر افسوس کرتے ہوئے واپس جارہا ہوں۔ بہر حال تقدیر نے کہا کہ بشرطیکہ میں بھی ساتھ ہوں۔ دونوں میں مناظرہ ہوا اور تین دن کی شرط قرار پائی کہ دیکھا جائے کہ کون غالب آتی ہے۔

ایک آدمی مچھلی فروش تھا۔ تدبیر آدمی کی صورت میں اس کے پاس آئی اور کہا کہ تم کیوں مارے مارے پھرتے ہو میں تمہیں ایک ہیرا دیتا ہوں اس کی قیمت کوئی بادشاہ دے سکتا ہے یا کوئی بہت بڑا جوہری اور اس سے تم کو لاکھوں مل جائیں گے۔ اس نے سوچا کہ پہلے نہالوں اور کپڑے بدل لوں جب بادشاہ یا جوہری کے پاس جاؤں گا۔ دریا کے کنارے اس موتی اور کپڑے کو رکھ کر نہا رہا تھا کہ دریا میں جوش آیا وہ موتی اور کپڑے سب پانی میں چلے گئے۔ اس نے رونا چلانا شروع کیا۔ چنانچہ دوسرے دن تدبیر پھر آدمی کی صورت میں آئی اور اس کو سونے کا ہار دیا اور اس کو بہت تاکید کی کہ کل کی طرح حماقت نہ کرنا، دیکھو نہانا نہیں۔ یہ بڑا قیمتی ہار ہے چیل لال چیز کو گوشت سمجھتی ہے۔

میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے جس سال چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، اس سال میں رمضان کا اعتکاف کرنے نظام الدین گیا۔ ۲۹ رمضان کو مغرب کی پہلی رکعت میں میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اٹھارہ دن تک خوب بخار آتا رہا۔ اس سے پہلے میں دور کی عینک بھی لگاتا تھا اور سر پر عمامہ بھی رہتا تھا۔ حضرت مدنی کی اقتداء میں سردی میں کھدر کا اور گرمی میں ململ کا کرتا ہوتا تھا۔ پھولوں کا شوق تھا احباب کثرت سے لایا کرتے تھے۔ میں اپنے کالے دوپٹے میں پھول ڈال کر سر پر عمامہ باندھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح عمامہ باندھ کر ابوداؤد شریف پڑھانے چلا۔ چیل آئی اور اُچک لے گئی۔ پھول بھی گر گئے اور دور جا کر دوپٹہ بھی چھوڑا۔ بخاری شریف پڑھانے والے ایک بچی کے ہار کا قصہ جانتے ہوں گے۔

بہر حال چیل آئی اور ایک جھپٹ مار کر ہار لے اُڑی۔ تیسرے دن تدبیر پھر آئی اور اس سے کہا کہ تم بڑے نالائق ہو اور اس کو خوب زجر و تنبیہ کی اور نصیحت کر کے سو روپے دیئے کہ اس سے تجارت کرو۔ چنانچہ وہ اپنے کپڑے میں باندھ کر گھر آیا۔ معلوم ہوا کہ

اہلیہ محترمہ کسی اور کے گھر گئی ہیں اس نے جلدی سے چولہے کے درمیان سے آگ ہٹا کر اس میں روپے رکھ کر بیوی کی تلاش میں چلا گیا۔ اس زمانے میں روپے چاندی کے ہوا کرتے تھے۔ اتنے میں پڑوس کی ایک عورت آگ لینے آئی اور سب کچھ اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی۔ یہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ روپے غائب ہیں، پریشان ہوا۔

اب تدبیر کی ناکامی ظاہر ہوگئی۔ بیوی نے کہا کہ یہ سب کچھ چھوڑو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ مچھلی مار کر لایا اور جلانے کے لئے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا۔ وہاں ایک گھونسلہ ملا اس میں وہ چیل والا ہار مل گیا۔ مارے خوشی کے شور کرتے ہوئے گھر آیا۔ پڑوسن نے سمجھا شاید میری چوری کا حال معلوم ہوگیا اس نے لاکر سو روپے واپس کئے اور کہا کہ کہیں اس طرح رکھا کرتے ہیں۔ جب مچھلی کا پیٹ پھاڑا تو اس میں موتی بھی مل گیا۔ اس پر تقدیر نے کہا ہمارا کام تو چٹکیوں میں ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اسباب بضرورت اختیار کرو مگر مالک پر نظر رکھو، دینے والا وہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسباب اختیار نہ کیا جائے مگر اس کو مقصود واصل نہ سمجھو۔

منجانب اللہ سفرِ حج کے انتظامات اور مدرسہ کی تنخواہ نہ لینے کا واقعہ

ارشاد فرمایا: مقدر میں جو ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے۔ میں نے اتنی مرغی کھائی ہے شاید ہی کسی بزرگ یا رئیس کو نصیب ہوئی ہو گی۔ ۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفرِ حج میں جانا ہوا۔ پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا عین وقت پر اللہ نے انتظام فرما دیا۔ میرا ہر سفر ایسا ہی ہوا ہے کہ جا رہا ہوں یا نہیں۔ پندرہ شعبان کو وہاں قرعہ میں نام لکھ دیا جاتا ہے جس کا نام لکھ دیا جاتا ہے وہ جا کر رہتا ہے۔

۱۳۴۴ھ میں میرا سفرِ حج کا ارادہ بالکل نہیں تھا۔ چونکہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سال کے لئے حجاز مقدس میں قیام کا ارادہ تھا۔ شعبان ۴۴ھ میں حضرت قدس سرہ نے اپنی غیبت کے لئے جو انتظامات لکھوائے اس میں اس سیہ کار کو صدر مدرس بنایا اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم کو ناظم مدرسہ۔

مجھے اتفاقاً اس تحریر کو دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بناوٹ سے نہیں کہہ رہا ہوں، اس کو دیکھ کر میں چکرا گیا۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ یہ میرے بس کا نہیں ہے۔ صدرِ مدرس کے

فرائض بہت سخت تھے۔ حضرت کے سفر میں چار پانچ دن باقی رہ گئے تھے۔ میں نے موقع پاکر حضرت کی خدمت میں عرض کیا، حضرت "بذل" کا کیا ہوگا؟ فرمایا تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ میں نے صدر مدرسی سے بچنے کے لئے عرض کیا کہ میں بھی قرض لے کر چلوں گا۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت کا چہرہ اس وقت خوشی سے کھل گیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہاری مدرسہ میں تنخواہ بھی کچھ جمع ہے اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا تھا تو اس وقت میری تنخواہ ۱۵ روپے تھی، یہ میرے ساتھ خصوصیت برتی گئی تھی۔ مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تنخواہ چار روپے تھی، اس وقت بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ نے میرے لئے سفارش کی کہ یہ تنخواہ کم ہے کم از کم پچیس روپے ہونی چاہئے اور مجھ سے یہ فرمایا کہ جب اللہ توفیق دے تو تنخواہ چھوڑ دیجیو۔

حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر میرا جی چاہتا تھا کہ تنخواہ لینا چھوڑ دوں مگر میرے ذمہ قرض تھا اور میرے حضرت بھی تنخواہ لیتے تھے۔ میرے والد صاحب نے کبھی نہیں لی، اس لئے اس کے چھوڑنے میں ایک طرح کی بے ادبی معلوم ہوتی تھی، اس لئے کسی مہینہ میں لیتا تھا اور کسی مہینہ میں ترک کر دیتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہاری تنخواہ رُکی ہوئی ہے، میری تنخواہ کے نوسو پینتالیس (۹۴۵) روپے جمع تھے، اس زمانے میں حج کے اخراجات زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ جس مہینے میں میں نے تنخواہ نہیں لی ہے اس میں اسی نیت سے میں نے پڑھایا ہے۔ حضرت نے فرمایا تم اجیر تھے اور مدرسہ مستاجر، تمہیں یک طرفہ فسخِ اجارہ کا کیا حق تھا۔ حضرت ناظم صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان کو سمجھا دوں گا۔ حضرت بہت خوش ہوئے، حضرت سے مجھے بات کرنے میں تکلف تھا مگر حضرت ناظم صاحب سے خوب مناظرہ ہوا۔

میں نے کہا کہ آپ اپنی طرف سے دینا چاہیں تو دے دیجئے آپ مدرسہ کے امین ہیں، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے سرپرستوں میں سے تھے اور مولانا ظفر احمد

صاحب تھانہ بھون کے مفتی اعظم، میری ان سے بے تکلفی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ جب حضرت کے یہاں مدرسہ کے کاغذات آئیں تو میری تنخواہ منظور کرا دیجئے مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ان کو تنخواہ ضرور ملنی چاہئے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی سرپرستوں میں سے تھے انہوں نے بھی اس کی تائید کی۔

حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تمہاری جمع شدہ تنخواہ مدرسہ سے لے لی ہے، چنانچہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب آیا تھا کہ میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں تنخواہ کا تو کوئی ذکر نہیں تھا البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ مجھ سے اس رقم کا جمع ہونا ناممکن ہے اس طرح بالفعل میری طرف سے صرف ایک ہزار روپے کا وعدہ اس طرح تحریر فرمالیں کہ اس ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیر الدین سے اور بعد واپسی کے خود مجھ سے وصول فرماتے رہیں۔ اگر اس کے پورا ہو جانے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے۔

(الخ محررہ از مدینہ منورہ، ۵/ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ)

اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہو گئی تو مجھے رائپوری جذبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں وہ بھی واپس کردی جائیں، اللہ نے وہ بھی واپس کرادیں۔ **فللہ الحمد والمنہ۔** تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی جلد ۲۔

۸۴ھ سے پہلے مولوی یوسف مرحوم کے اصرار پر سفرِ حج ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کا جانا ضروری ہے۔ میں نے کہا کہ تم تو خود مستقل ہو، میری کیا ضرورت؟ مگر ان کے اصرار پر جانا ہوا۔ ۱۳۸۶ھ کا سفر حج اس طرح ہوا تھا کہ میں نظام الدین مولوی انعام کو پہنچانے کے لئے آیا اور ان کی روانگی کی رات میں سفر طے ہوا، ٹکٹ مولوی سلیم نے رمضان ہی میں بھیج دیا تھا۔ میں نے انکار کیا، پاسپورٹ بھی کھو گیا مگر اسی دن کچھ نظم ہو گیا۔

قصہ یہ ہوا کہ بھائی سلیم نے خواب دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ گیا اور جبل ابی القبیس پر

ٹھہر گیا۔انہوں نے خود ہی یہ تعبیر نکالی کہ مولوی انعام وہارون آرہے ہیں ان کا ٹکٹ نہیں بھیجا گیا اس لئے خفا ہو کر الگ ہیں فوراً ٹکٹ بھیج دیا۔

میں یہ بیان کر رہا تھا مقدرات پورے ہو کر رہیں گے۔جس کے مقدر میں مرغ کھانا ہے وہ مرغ کھا کر رہے گا۔

۱۳۴۵ھ کے سفر میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خدام کے ساتھ تھے اور میں اپنے قافلہ کے ساتھ ایک جگہ پڑاؤ ہوا۔میں حاضر ہوا تو کچھ کھانے کا تذکرہ ہوا۔میں نے عرض کیا کہ ہمارے قافلہ میں کھچڑی پکی تھی۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، میں نے مرغ کھایا تھا۔میں نے اس کا گلہ کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم اس کا کفارہ ادا کریں گے۔میں نے عرض کیا کہ حرم کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔یہاں کے مرغ کا کفارہ ایک مرغ سے نہیں ادا ہو سکتا۔فرمایا اچھا ہم ادا کریں گے۔چنانچہ واپسی کے سفر میں ان خدام سے جو ملنے آتے رہے مزاحاً فرماتے رہے کہ شیخ کے ایک لاکھ کے مرغ میرے ذمے ہیں مجھے کفارہ ادا کرنا ہے۔چنانچہ ہر جگہ کثرت سے مرغ پک پک کر آتے تھے۔یہاں سے میرے مرغ کھانے کی ابتداء ہوئی اور خوب کھایا۔اب تو ہم کھانے کے قابل نہ رہے۔

روزی انسان کو تلاش کرتی ہے

ارشاد فرمایا: ہم نے خوب سنا ہے کہ دنیا سے جس قدر کوئی بھاگے گا اسی قدر وہ آتی ہے اور جس قدر قریب جائے گا اسی قدر وہ بھاگتی ہے، یہ میرا اشکال ہے۔حضرت مفتی محمود صاحب نے عرض کیا ''حضرت دنیا کو دین بنا کر حاصل کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے''؟

اس کے بعد ایک قصہ سنایا کہ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کئی خادم رہتے تھے، اب تو طلباء کرام ذرا اونچے ہو گئے۔بھائی سعید صاحب گنگوہی کے یہاں بھی خادم رہا کرتے تھے۔ایک مرتبہ میرا دیوبند جانا ہوا، تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔میں نے کہا کہ خادم کہاں گئے؟ تو انہوں نے کہا ''اب نہیں ہیں، پہلے زمانے میں طلباء اساتذہ کی خدمت کو کارِ ثواب سمجھتے تھے تو دوڑے دوڑے پھرتے تھے''۔

میں نے جو کچھ کہا کہ دنیا سے جو جس قدر بھاگے گا اسی قدر وہ پیچھے آئے گی۔اس پر

طالب عالمانہ اشکال وجواب نہیں آتا ہے۔ میں نے مقدر والا قصہ سُنایا تھا، آدمی کے مقدر میں جو کچھ ہوگا وہ مل کر رہے گا اور دانے دانے پر مہر لگی ہوئی ہے، پھر ہم دنیا کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بھیک مانگیں گے تو ملے گا ورنہ نہیں ملے گا۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے۔ حضرت دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب میرٹھ سے آئے اور حضرت کی خدمت میں اس زمانے کے دوسو روپے پیش کرنے چاہے حضرت نے انکار کردیا۔ وہ خوشامد کرتے رہے اور یہ عرض کیا کہ حضرت طلباء میں بانٹ دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم خود کیوں نہیں بانٹ دیتے، مجھے یہ کام نہیں آتا۔ وہ خوشامد کرتے رہے۔ جب مجلس سے اُٹھے تو وہ روپے حضرت کی جوتوں میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت نے اسے چھٹکار دیا۔ بھائی دنیا سے جو بھاگتا ہے وہ جوتوں میں آکر گرتی ہے۔ ہمارے اکابر مولوی یوسف میں یہ بات تھی۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے استغناء کا ایک قصہ

چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ان کی اور ان کے انتقال کے بعد میں نظام الدین میں ماہ رمضان میں اعتکاف کیا کرتا تھا اور پورے مہینے کا اعتکاف کیا کرتا تھا۔ ایک رمضان میں غربی جانب میرا معتکف تھا اور شرقی جانب مولوی یوسف صاحب کا۔ حاجی وجیہ الدین صاحب میرٹھ کے ایک بڑے تاجر تھے۔ دلّی میں بھی ان کا ایک مکان تھا۔ ان سے ہم لوگوں کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہ مسجد میں آئے اور مولوی یوسف کو کچھ پیش کیا عزیز موصوف نے پھینک دیا اور کہا کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہے روپے نہیں چاہئیں۔ وہ خوشامد کررہے تھے مگر عزیز موصوف نے قبول نہیں کیا۔

میں یہ سب کچھ سُن رہا تھا اور غصہ بھی آرہا تھا کہ جا کر ڈانٹ دوں۔ بہرحال وہ مولوی یوسف کے معتکف سے باہر نکلے تو میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر آیا اور حاجی صاحب کی خوشامد کی کہ وہ روپے مجھے آپ عنایت فرمادیں آپ جس طرح چاہیں گے میں خرچ کردوں گا، مگر وہ خفا ہو کر چلے گئے۔ میں نے مولوی یوسف صاحب سے کہا کہ ہر شخص سے ایسا برتاؤ نہ کیا کرو، یہ خواص میں سے ہیں۔ میرے حضرت ان کے لئے اپنے

گھر سے کھانا لایا کرتے تھے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کا اعزاز و اکرام کیا کرتے تھے اور مجھ سے بھی ان کے ایسے ہی تعلقات ہیں۔

دوبارہ میں دلّی گیا۔ چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اور مولوی یوسف کے زمانے میں بھی جب میں دلّی جاتا تو رشید الدین کو فون کر دیا جاتا۔ چنانچہ وہ اور مولوی یوسف بھی اسٹیشن پر آتے۔ میں نے کہا کہ آج پہلے حاجی وجیہ الدین صاحب کے مکان پر چلنا ہے، ہم لوگ وہاں گئے۔ میں نے کہا آج مولوی یوسف آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں ان کو ہمارے اور آپ کے تعلقات کا علم نہیں تھا۔ حاجی صاحب نے فرمایا اس وقت تو واقعی رنج ہوا تھا مگر اس کے بعد آپ کی معذرت کا مجھ پر اتنا اثر نہیں جتنا مولوی یوسف کے واپس کرنے کا ہے۔ اس وقت سے آج تک کوئی تبلیغی اجتماع ایسا نہیں ہوا کہ میں نے شرکت نہ کی۔ ارشاد فرمایا بھائی مگر یہ استغناء دل سے ہو۔

کرنل اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

بھوپال کے کرنل اقبال صاحب ایک وجیہ وخوبصورت فوجی آدمی تھے۔ میرا صبح کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کسی کا آنا گوارا نہیں ہوا سوائے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، چچا جان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے (اس سلسلہ میں میرٹھ کے وکیل صاحب کا قصہ سُنایا جو اس سے پہلے نقل ہو چکا ہے)۔

فرقان بھاگا ہوا اُوپر آیا کہ ایک بہت بڑے آدمی آئے ہیں وہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بھاگ یہاں سے، ساڑھے گیارہ بجے ملاقات ہوگی۔ انہوں نے کہلوایا کہ مجھے ابھی رائپور جانا ہے صرف ملاقات مقصود ہے۔ چنانچہ اُوپر سے نیچے اُتر کر مہمان خانہ میں آیا، میں اپنے سادہ لباس میں تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھی کو لوگ شیخ الحدیث کہتے ہیں۔ وہ جلدی سے اُٹھے اور ملاقات کی، میں نے کہا کہ دوپہر کا کھانا کھا کر رائے پور جایئے گا۔ بہر حال وہ کھانا کھا کر رائے پور گئے، دوسرے دن واپس۔ اللہ کی شان اس دن دستر خوان پر کھانا خوب آیا تھا کہیں ولیمہ تھا، وہاں سے پلاؤ وغیرہ بھی آ گیا تھا۔ میں نے

کہا کہ کھانا کھائیے۔ کھانا کھا چکے تو کہنے لگے کہ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر ایک بات عرض کرنی ہے کسی نے میری جیب کتر لی، کرایہ کے لئے تیس روپے کی ضرورت ہے۔ میں نے ان کو روپے دیدیئے، انہوں نے جا کر تیس روپے اور تین سو روپے مزید ھدیتاً بھیجے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اتنا سود نہیں ہوتا، بہر حال اصرار کے بعد میں نے قبول کرلیا اس کے بعد مجھ سے تعلقات ہو گئے۔

انہوں نے ایک وقف سوا لاکھ کا دیوبند، مظاہر علوم تبلیغ اور جمیعت علماء کے لئے کیا تھا۔ مدرسہ والوں نے ان کا خوب شکریہ ادا کیا اور مولوی یوسف نے ٹھوکر ماردی اور کہا کہ ہمیں آپ کا وقت چاہئے۔ انہوں نے میرے ذریعہ مولوی یوسف سے سفارش کرانی چاہی، میں نے کہا کہ میں حکم نہیں دے سکتا مشورہ دے دوں گا کہ قبول کرلیں۔ چنانچہ جب میں نے مولوی یوسف سے کہا تو انہوں نے کہا کہ طبیعت نہیں چلتی ویسے آپ کا حکم۔ میں نے کہا کہ تمہاری طبیعت کے خلاف میں حکم نہیں دے سکتا۔ ان کے واپس کرنے کے بعد تینوں اداروں نے کوشش کی کہ یہ رقم ہم کو مل جائے۔

اتفاقاً میرا دلّی جانا ہوا، وہاں ان سے ملاقات ہوگئی وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے کہا مجھے بھی خوشی ہوئی۔ ہمارے یہاں کی شوریٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک وفد آپ کی خدمت میں شکریہ کے لئے جائے۔ اس میں میں بھی شرکت کروں مگر اچھا ہوا کہ آپ سے یہیں ملاقات ہوگئی۔

داد اور قابلیت شرط نیست

ارشاد فرمایا: کہ مالک جس کو نوازنا چاہیں راستہ چلتے نواز دیتے ہیں۔ ''فضائل صدقات'' میں ایک قصہ لکھ چکا ہوں۔ ڈاکوؤں کی ایک جماعت کہیں جا رہی تھی۔ راستہ میں دیکھا کہ دو درخت ہیں، ایک انگور کا سرسبز درخت ہے اور دوسرا کیکر کا خشک۔ ایک بلبل بار بار انگور کے درخت سے اس کا دانہ چونچ میں لے کر درخت پر جا رہا تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار کو اس پر بڑا تعجب ہوا، دیکھا تو کیکر کے درخت پر ایک اندھا سانپ منہ کھولے ہوئے ہے۔ وہ بلبل دانہ لا کر اس کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ اس نے غور کیا کہ ایک اندھے سانپ کی روزی کا اللہ جل شانہ نے یہ انتظام فرما رکھا ہے تو کیا وہ ہمارے لئے نہ کرے گا۔

یہ واقعہ اس کی ہدایت کا بہانہ بن گیا۔ اس سردار نے اور اس کے ساتھیوں نے توبہ کی اور لوگوں کے سامان وغیرہ سب واپس کردیئے یا مالک کے نہ ملنے پر خیرات کردیئے۔ وہاں سے یہ عہد کیا کہ مکہ مکرمہ چل کر توبہ کریں گے اور چل دیئے۔

راستہ میں ایک عورت ملی۔ وہ اس جماعت کو تلاش کررہی تھی جس میں ابراہیم ہو۔ اس سردار کا نام ابراہیم ہی تھا۔ اس بڑھیا نے کہا کہ میں ابراہیم ہی کو تلاش کررہی ہوں۔ اس نے کہا کہ یہ نام تو میرا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ دو روز سے میں تمہارے لئے کھانا پکارہی ہوں اور آج بھی یہ عمدہ مرغن کھانا پکایا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ پرسوں میرے لڑکے ابراہیم کا انتقال ہوگیا، مجھے بہت صدمہ ہورہا تھا۔ میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ بڑا صدمہ تمہیں ہورہا ہے ایک میرا ابراہیم بھی آرہا ہے۔ اس لئے میں نے یہ کھانا تیار کیا ہے اور اپنے لڑکے کے کپڑے وغیرہ سب اس کے حوالے کئے۔

ماثورہ دعاؤں کی تاثیر

ارشاد فرمایا: ہمارے دادا کے زمانے میں اتفاقاً نظام الدین کا گھنٹہ بند ہوگیا۔ شور ہوا تو حضرت نے فرمایا: کسی چیز کی ضرورت نہیں، بسم اللہ سمیت الحمد شریف، آیۃ الکرسی، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس تین تین بار پڑھ کر دم کردیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ چلنے لگا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ یرموک کی جنگ میں ایک راہب کے شرط لگانے پر **بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ الخ** پڑھ کر زہر پی لیا اور کوئی اثر نہ ہوا۔ اس راہب نے عیسائیوں سے کہا کہ اس قوم سے مقابلہ ممکن نہیں۔

آج کا قصہ یہ ہوا کہ پانی گرم کرنے کو چولہا گرم نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے متعدد آدمی دوڑائے۔ ایک صاحب نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ کسی بنگالی نے کچھ کردیا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ ادھر جائیں بسم اللہ سمیت الحمد شریف، آیۃ الکرسی معوذ تین تین مرتبہ دم کریں چنانچہ اس کے بعد وہ جلنے لگا۔

ایک خصوصی سوال

ارشاد فرمایا: میرے مخاطب خاص طور سے علی میاں اور مولانا منظور صاحب (یہ حضرات بھی مجلس میں حاضر تھے) ہیں۔ میں نے ایک سوال خاص خاص لوگوں سے گزشتہ سال تحریراً بھی کیا تھا اور اس سال بھی کہ مجمع جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی کیفیت میں کمی محسوس ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے یہ جواب دیا کہ مجمع کی کثرت جتنی حج میں ہوتی ہے کیفیات میں کمی ہوجاتی ہے۔ یہی رائے مولانا منظور صاحب کی بھی تھی۔ حضرت نے فرمایا: ماحول کے اثرات ہیں ورنہ مجمع کی کثرت کیا اثر ڈالتی۔ جب میں پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو ایک صاحب نے طواف کے لئے کہا تو میں تھرتھرا گیا۔ میں نے کہا کہ میں حضرت کے ساتھ کروں گا، چنانچہ حضرت کے ساتھ کیا۔ اس وقت کیا کیفیات تھیں بیان نہیں کرسکتا۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اپنے تدریس حدیث کے زمانے میں ہر رمضان کے بعد شوال میں جو جماعت دورۂ حدیث میں آتی ہے اس میں اور پہلی جماعت میں زمین آسمان کا فرق ہوجاتا ہے، پچاس سال سے میں بھی اس کو دیکھ رہا ہوں۔

سند سے زیادہ استعداد مطلوب ہے

ارشاد فرمایا: ہمارے مدرسہ مظاہر علوم میں مولانا عنایت الٰہی کے دور اہتمام میں مدرسہ کی سند نہایت معمولی تھی۔ اس کے بعد اس میں ترقی ہوئی اور آج کل زرق برق تعزیہ کی طرح ہوگئی ہے۔ اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔

پہلے یہ دستور تھا کہ بہت سے لوگ لیتے نہیں تھے چنانچہ مولانا ظفر احمد تھانوی رنگون ملازمت پر گئے۔ حالانکہ مشہور تھے لیکن ان کا وہاں سے سند کے لئے خط آیا۔ اتفاقاً حضرت ناظم صاحب کے علاوہ سب ان کے شاگرد تھے۔ میں نے ناظم صاحب سے کہا کہ آپ بھی اپنی سند بنوالیں، شاید آئندہ شاگرد در شاگردوں کو دستخط کرنے کی ضرورت پڑے۔ ہمارے نوجوانوں میں سے شاید کسی نے لی ہو، ہم لوگوں نے بالکل نہیں لی تھی۔

اصل تو یہ ہے کہ

عنبر آنست خود بوید نہ کہ عطار بگوید

ایک شب میں ختم قرآن

ارشاد فرمایا: ہم نے سُنا ہے کہ رات رات نفلوں وتراویح میں حافظ زبیر نے چھتیس (۳۶) پارے پڑھے ہیں؟ میرے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ بہت نحیف وضعیف تھے، سہارنپور سے کاندھلہ تراویح سنانے جاتے تو دو رکعت میں ایک قرآن ختم کر دیتے۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ ایک گھنٹہ میں آٹھ پارہ پڑھ ڈالتے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہم نے سُن رکھا ہے، روزانہ دو قرآن ایک رات میں اور دوسرا دن میں ختم کر ڈالتے۔ ایک حافظ کے لئے ایک گھنٹہ میں چھ پارے پڑھنا آسان ہے۔ ایک رمضان میں میں نے اپنے بعض دوستوں کو ۶۱ قرآن ختم کرنے کے لئے لکھا۔ میرے دوستوں نے کوشش کی۔ مولوی انعام نے ۶۱ قرآن سُنائے۔ ایک ۵۶ اور بعض لوگوں نے ساٹھ ساٹھ ختم کئے۔ اب ہم قویٰ کے کمزور ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ باقی جہاں تک ہو سکے کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

میری دادی جان رحمۃ اللہ علیہ کا روزانہ اپنے وظائف کے ساتھ رمضان المبارک میں چالیس پارہ ختم کرنے کا معمول تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ان کے حالات مذکور ہیں حالانکہ ہمارے خاندان میں اس زمانے میں خادمہ کھانے پکانے کے لئے نہیں ہوتی تھیں۔ اگر فکر لگ جائے اور موت کا استحضار ہو تو سب آسان ہے۔

حفظِ قرآن

دستور کے مطابق ماہ مبارک میں کئی آدمیوں نے حضرت کے سامنے حفظ قرآن کی نیت سے قرآن مجید کا آغاز کیا اور دعا کی درخواست کی۔ دعا کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ نہ صرف محنت سے ہوتا ہے اور نہ کوشش سے، بلکہ دعا مانگنے سے یہ دولت ملتی ہے۔ فضائل قرآن میں ایک مجرب عمل اس کا بتایا گیا ہے جس کو خصوصیت سے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا تھا کہ اس پر عمل کرنے والوں کے کثرت سے خطوط آئے کہ اس کی برکت سے قرآن حفظ ہو گیا۔

مولانا امیر احمد صاحب نے اپنا قصہ خود سنایا کہ وہ یہاں شاخ میں مدرس تھے، آٹھ دس روپے تنخواہ پاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ تجربہ کرنے کے لئے میں نے اس پر عمل کیا، صبح کو آدھا پون گھنٹہ مدرسہ جاتے ہوئے راستے میں یاد کرتے تھے اور اسی طرح دوبارہ عصر کے بعد تفریح میں یاد کرتے تھے، بقیہ اوقات میں گنجائش نہیں تھی۔ اس طرح مدرسی کرتے ہوئے سات مہینے میں پورا قرآن حفظ ہو گیا۔ ان کے چھوٹے بھائی دورۂ حدیث میں تھے میں نے ان کو غیرت دلائی، چنانچہ اس نے دورہ پڑھتے پڑھتے یاد کر لیا۔

ہمارے ہاں کاندھلہ میں میرے بچپن میں مؤذن کے سوا سب حافظ تھے، لوگ کہا کرتے تھے او ملّا تو نے روک رکھا ہے اگر تو نہ ہوتا تو ساری مسجد کے لوگ حافظ ہوتے۔

اپنے مشائخ کے لئے ایصالِ ثواب کی خصوصی تاکید

ارشاد فرمایا: اکابر کے لئے ایصال ثواب ضرور کیا کرو، اس سے ان کی ارواح متوجہ ہوتی ہیں اور ان کے فیوض و برکات ملتے ہیں۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب نومسلم میرے تایا ابّا کے زمانے میں اسلام لائے تھے ان کی بہت سی خصوصیات ہیں (جو سوانح محمد الیاس میں مذکور ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص بات عطا فرمائی تھی کہ ان کے ذریعہ بہت سے آدمی اسلام لائے۔

ایک مرتبہ دلّی میں ایک تانگہ والے کے پاس گئے اس نے کہا کہ میری گاڑی میں جگہ نہیں ہے۔ بہر حال بہت جھگڑے کے بعد تانگہ والے نے بٹھالیا۔ اللہ کی شان دلّی سے نظام الدین پہنچے کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ انہوں نے میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ایک معمول یہ بنایا تھا کہ سورۃ یٰسین پڑھ کر اور دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ چچا جان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے اکابر کو چھوڑ دیتے ہو مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ بہر حال اکابر کے لئے ایصال ثواب کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ان کے سامنے سرخروئی ہو سکے۔

ہمارے اکابر کے یہاں اخفا ہے

ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں میں امیر خان صاحب امیر الروایات ہیں، وہ حج پر گئے۔ وہاں ایک نقشبندی بزرگ سے بہت متاثر ہوئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ جب امیر خان واپس آئے تو گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بدن دبا رہے تھے، حضرت کو یہ قصہ سُنایا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی توجہ نہیں کی تو انہوں نے دوبارہ دریافت کیا۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سُنو، دس سال پہلے تک تو میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (جو مکہ معظّمہ میں تھے) دریافت کیا کرتا تھا اور اس کے بعد براہِ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہوں، یہ جو تم نے سُنایا وہ اکابر نقشبندیہ کے دل بہلانے کے لئے ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: شیخ سے محبت و تعلق کی برکت سے یہ سب ہوسکتا ہے ہمارے اکابر ذرا کھل کر کہنے سے احتیاط برتتے ہیں۔

اکابر کی دعا کے ساتھ حرکت کی ضرورت ہے

ارشاد فرمایا: اللہ والوں کے مُنہ سے کوئی بات نکل جاتی ہے وہ اکثر اثر کرتی ہے مگر ہر وقت نہیں۔ اس کے خاص خاص مواقع ہوتے ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی رکھا اس پر آپ خوش ہوئے اور دعا دی اور فرمایا: "**اعنی علیٰ ذٰلک بکثرۃ السجود**" حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص اولاد کے لئے تعویز مانگنے آیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تعویز تو ہے مگر کچھ کمر کا زور لگانے کی ضرورت ہے، نری دعا بغیر عمل کے کام نہیں کرسکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کرامت کے لئے اور کون مانگنے والا ہوسکتا ہے البتہ اگر ذرا سی حرکت آدمی اللہ کے لئے کرے گا تو ادھر سے بہت کچھ ملے گا۔

ارشاد فرمایا: آہ بھی کیا کرو۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

ایک تاجر کا کارنامہ

ارشاد فرمایا: دلی میں ایک بزرگ حافظ محمد اسمٰعیل تھے وہ بڑے تاجر تھے۔ ان کی کئی دکانیں تھیں، کئی کارخانے تھے۔ اللہ کی دین جس کو چاہے دیں۔ ان کا ہم پر بھی احسان ہے۔ ایک میل سوا لاکھ روپے میں خریدا اور ازراہِ شفقت ومحبت ہمارے مدرسے میں خط لکھا کہ یہ میل غرباء کے لئے خریدا ہے ان کے لئے سو روپے کا حصہ رکھا ہے تاکہ ان کی تنخواہ کی کمی پوری ہوجائے، چنانچہ ہمارے مدرسہ میں مدرسین نے دو تین، پانچ تک کے حصے خریدے۔ ان تاجروں کا جس طرف رُخ ہوجائے طبیعت خوب چلتی ہے۔ اس میل میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا، یہاں تک کہ ملّا نے بھی حصہ لیا۔ چھ مہینے کے بعد اس میل کو توڑ دیا۔ جس کے سو تھے اس کے دو سو ہوگئے۔

ان کے چار لڑکے تھے۔ انہوں نے آخر زندگی میں اپنی ملکیت ان چاروں میں تقسیم کردی تھی اور کچھ حصہ اپنے پاس رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے مکان کے سامنے ایک مکتب قائم کیا تھا۔ میرا بھی، چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اور تنہا بھی ان کے یہاں کثرت سے جانا ہوا۔ مجھے خوب یاد ہے چند برس میں اس مکتب سے تقریباً سو حفاظ نکلے۔ وہ خود بھی قرآن سنا کرتے تھے، اپنی لڑکیوں تک کو حافظ کردیا تھا۔ اللہ جل شانہ جس کو دینا چاہے دیتا ہے۔

اصل علاج رُوح کا ہے

ارشاد فرمایا: اس وقت ڈاکٹر غلام کریم صاحب علاج کے بہت شوقین ہیں۔ اس وقت میں ان سے کہہ رہا تھا کہ نہ میری نبض دیکھنا اور نہ دوا دینا۔ آپ ڈاکٹروں کی بات ہی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، خفا نہ ہونا۔ اگر کوئی روٹی نہ کھائے تو کہتے ہیں کہ ضعف آ گیا ہے۔ ہم لوگوں کو فکر ہوتی ہے خمیرہ چاہئے، دوا چاہئے۔ اوراد ووظائف رُوح کی غذا ہیں مگر ان کے چھوٹنے پر افسوس نہیں ہوتا، حالانکہ اصل رُوح ہے۔ رُوح کے ضعف کی فکر نہیں ہوتی اور جسم کی فکر ہوتی ہے۔ رُوح اصل ہے اسی سے جسم کا قوام ہے، رُوح میں اگر قوت ہے تو سب کچھ ہے۔

میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کو دلّی کے مشہور ڈاکٹر نے دیکھا اور بہت سے آلات لگا کر دیکھا اور کہا کہ یہ زندہ کس طرح ہیں؟ جسم میں قوت نہیں ہے صرف رُوح کی قوت سے زندہ ہیں۔

ہمارے شہر کے مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر برکت مرحوم حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے جاتے تھے، ان کے ساتھ میں بھی جاتا تھا۔ انہوں نے کئی دفعہ مجھ سے کہا کہ ''میں نے بہت سے آلات کے ذریعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اچھی طرح معائنہ کیا، طبی اصول سے ان کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ ان کے معدے اور جگر وغیرہ نے جواب دے دیا ہے البتہ دل بہت قوی ہے اس میں ضعف نہیں''۔ اس لئے رُوح کو غذا ملتی رہتی ہے چنانچہ انتقال سوتے سوتے ہو گیا۔

حضرت کو دل کی بیماری بتائی گئی تھی اس لئے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تیمم کریں اور بیٹھ کر نماز پڑھیں مگر ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی، کبھی تیمم کر لیتے اور کبھی وضو۔ میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ نے تو اخیر تک وضو سے نماز پڑھی۔ میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کے وقت آخر رات میں فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ خوب غسل کروں، اچھے کپڑے پہنوں اور خوشبو لگاؤں، یہ بھی فرمایا تھا کہ آج میری آخری رات ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اچھی طرح رہوں۔

ارشاد فرمایا: ایک بزرگ تھے، ان کی فجر کی جماعت فوت ہو گئی۔ صبح سے رنج و غم میں دوپہر تک بیٹھے رہے، فرمانے لگے کہ ''بے حسی کی کوئی حد ہے اگر میرے لڑکے کا انتقال ہو جاتا تو بہت لوگ میرے یہاں تعزیت کے لئے آتے اور نماز کی جماعت چھوٹ جانے پر کوئی تعزیت کے لئے نہیں آتا''۔

میرے دوستو! خوب کر لو، دنیا و آخرت دونوں جگہ کام آئے گا۔ رُوح میں اگر قوت آ جائے تو بیماری وغیرہ سب لڑھکتی رہیں گی اور اگر اس میں ضعف ہے تو مشکل ہے۔ اگر اللہ جل شانہ کی ذات پر اعتماد اور توکل پیدا ہو جائے، یہ صرف زبان پر نہیں بلکہ دل میں اُتر جائے، تو ڈاکٹر وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تبوک کے موقع پر اپنا سارا اثاثہ لے کر حاضر ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھا لائے، دونوں کا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ ایک اور صاحب سونے کا ایک ڈلا لے کر آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخ مبارک پھیرلیا۔ دوسری طرف آئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخ مبارک پھیرلیا، پھر تیسری طرف آئے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ڈھیلا کھینچ کر پھینک دیا اگر لگ جاتا تو زخمی کر دیتا۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کامل توکل کے مقام پر تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور یہ صاحب اس درجہ پر نہیں تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس فرمادیا۔

دنیا مسافر خانہ ہے

حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت ناساز تھی۔ ڈاکٹر غلام کریم صاحب بازار سے دوا خرید کر لائے تھے، فرمایا رکھ دو رمضان کے بعد دیکھیں گے۔ ہمارے حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مُردہ کے بدن پر مکھن مل دینے سے قوت نہیں آتی، اس کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ "میرا مال، میرا مال" اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا۔ ارشاد فرمایا: ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے، کسی غیر ملک میں باہر جانے والے کے لئے دشواری ہے، وہ پیسے نہیں لے جاسکتا۔ یہی حال عالمِ آخرت کا ہے البتہ عالمِ آخرت کے لئے پیشگی بھیجنا آسان ہے، وہاں جو عمل کر کے بھیجے گا اس کے لاکھوں اور اس سے زائد ملیں گے۔

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، نہ بھائی، نہ بیوی اور نہ کوئی اور، شاید ہی کوئی تمہارے لئے ایصال ثواب کرے۔ اس لئے زندگی کو غنیمت سمجھو اور بھیجتے رہو۔

ایک غیبی مدد

۲۶ / رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو ڈاکٹر عبدالمنان صاحب مرحوم جن کو تین مرتبہ قلبی

دورہ پڑھ چکا تھا انہیں ان کے وطن پٹنہ بھیجنا تھا۔ اسٹیشن بھیجنے کے لئے کار کی ضرورت تھی۔ حضرت مولوی نصیر صاحب سے کار کے لئے کہا تھا۔ انہوں نے شہر میں تین چار جگہ آدمی بھیجے تھے اتنے میں مراد آباد کے کچھ لوگ کار سے آ گئے۔ حضرت نے مولوی نصیر سے کار کے لئے منع فرمادیا اور مراد آباد والوں کی کار سے ڈاکٹر صاحب کو اسٹیشن بھیجا گیا۔

ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ کسی کو بھیجنے کی ضرورت تھی۔ بڑودہ سے دو ریلوے کے ملازم عید کرنے سہارنپور حاضر ہوئے ان دونوں کے پاس فرسٹ کلاس کا پاس تھا چنانچہ وہ دونوں پٹنہ تک ڈاکٹر صاحب کو پہنچانے گئے، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں وہی مربی حقیقی ہے، افسوس کہ یہ ڈاکٹر صاحب کا اپنے وطن پہنچ کر چند دنوں کے بعد قابلِ رشک حالت میں انتقال ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

ارشاد فرمایا: ڈاکٹر صاحب میرے لئے دوائیں تجویز کرتے ہیں مگر رمضان تو میرے لئے دوا کا ہوتا نہیں۔

عادت کو عبادت کا درجہ نہ دیا جائے

چائے کی عادت شام کو ساری زندگی رہی اور رمضان میں تراویح کے بعد چائے پیتا تھا مگر دو تین دن سے اس کی طرف بھی رغبت نہیں رہی۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ چائے کے مخالف تھے اور مولانا یوسف و انعام چائے کے عادی تھے۔ دونوں پر خفا ہوتے تھے کہ تبلیغی آدمی کو ہر جگہ چائے کہاں ملے گی۔ ایک دن تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں نے چائے چھوڑ دی، بہت خوش ہوئے۔ بعد میں بتایا گیا کہ چائے کی پڑیا جو ۳ آنے میں ملتی تھی اب ۶ آنے کی ہوگئی ہے اس لئے چائے ان دونوں نے چھوڑ دی۔ فرمایا لاحول ولا قوۃ اس لئے چھوڑ دی، جو مالک ۳ آنے میں دیتا تھا وہ ۶ آنے میں بھی دے گا۔

حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا جس زمانے میں قیام بہٹ ہاؤس سہارنپور میں تھا، میں شام کو سبق پڑھا کر عصر کی نماز پڑھ کر سیدھے بہٹ ہاؤس جاتا تھا۔ وہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ عصر کے بعد کی چائے میں نے چھوڑ دی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نے خدام کو حکم دیا کہ شیخ کے لئے چائے بنائی جائے۔میں نے عرض کیا کہ تھوڑا سا وقت آپ کی خدمت میں حاضری کا ملتا ہے، عادت کو عبادت کا درجہ کیوں دیا جائے، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت لطف آیا۔

نماز کے اوقات کے اسرار

ارشاد فرمایا: اللہ جل جلالہ کی حکمتوں اور احکام کے اسرار تک کس کی رسائی ہوسکتی ہے۔ ہر کام میں جتنی حکمتیں پنہاں ہیں وہاں تک ہمارے ذہن نہیں پہنچ سکتے، لیکن بعض احکام کی حکمتیں آشکارا ہوتی جارہی ہیں۔جن احکام کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں ان کو فقہاء تعبدی کہتے ہیں۔

نماز کے اوقات میں ایک خلجان ہے کہ صبح کی اور ظہر کی نماز میں ایک طویل فاصلہ ہے اس کے بعد مسلسل چار نمازوں کے اوقات ہیں۔ یہ عدم تناسب ظاہر کے اعتبار سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ ہمارے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "**المصالح العقلیه فی المسائل الشرعیه**" لکھا ہے اس میں اس کی دو توجیہیں لکھی ہیں۔اس کی ایک توجیہ مجھے پسند آئی۔حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کو بھی بہت پسند تھی۔

حضرت نے فرمایا: اس میں انسانی زندگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔صبح کی نماز اس دنیا میں انسان کی پیدائش کا نمونہ ہے۔حدیث میں بھی آیا ہے کہ سو کر بیدار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے:

"**الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور**"

اور اس کے بعد کا زمانہ بچپن وعنفوانِ شباب کا زمانہ ہے۔زوال کے بعد ظہر کی نماز رکھی گئی ہے گویا اس میں انسان کی کہولت کی طرف اشارہ ہے، آدمی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عمر ختم ہو رہی ہے۔اور عصر کی نماز گویا اس کا الارم ہے کہ بوڑھاپا آ گیا، قبر کی فکر کرو۔غروب آفتاب موت کی خبر دے رہا ہے، موت کو یاد کرنے کے لئے مغرب کی نماز فرض کی گئی اور عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد پڑھی جائے گی، گویا مرنے کے بعد کچھ

ذکر وتذکرہ انسان کا باقی رہتا ہے، اس میں مشابہت ہے شفق سے۔ پھر دنیا اس کو بھلا دیتی ہے کہ کون تھا؟ اس کو یاد دلانے کے لئے عشاء کی نماز فرض کی گئی کہ نام ونشان مٹ جائے گا۔

ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ اور کی ہے، اس پر میں نے حواشی لگائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

"وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون"

اس آیت کریمہ میں حصر ہے کہ انسان کی پیدائش کا بس ایک ہی مقصد عبادت ہے۔ حق تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات وانعامات کئے ہیں اور مسلسل ان کی بارش ہورہی ہے! اعضاء انسانی یہ ایسے انعامات ہیں کہ ان کا احصاء نہیں ہوسکتا۔ غور کرو اگر تمہاری آنکھیں نہ ہوتیں تو تم بت کی مانند نظر آتے، اگر کان کی سماعت زائل ہوجائے تو دنیا کی آوازوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے، اگر ہاتھ کی اُنگلیاں کٹ جائیں تو تم ایک لوٹا تک نہیں اُٹھا سکتے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے:

"وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها"

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: نعمت کو واحد استعمال کیا گیا ہے جب ایک نعمت کا احصاء ممکن نہیں تو خدا کے انعامات بے شمار ہیں ان کا احصاء کیوں کر ممکن ہوگا؟ آدمی جب کسی کو نوکر رکھتا ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہاری ہر وقت فرمانبرداری کرے۔ پس اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تقاضا تھا کہ تم ہر وقت عبادت میں مشغول رہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم پر صرف چند اوقات کی نمازیں فرض کی ہیں۔ گویا ہمارے اوقات کو تقسیم کر رکھا ہے۔ آدھا اپنے لئے اور آدھا ہمارے لئے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ رات عبادت کے لئے مقرر کی جاتی اور دن کام کے لئے، مگر اس میں ہمارے لئے دشواری تھی کیونکہ بہت سی ضروریات ہماری رات سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس کرنے میں بھی ہمارے لئے دشواری تھی۔ اللہ جل شانہ نے دن میں

آدھا اپنے لئے رکھا، صبح سے ظہر تک کام کے لئے اور ظہر سے مسلسل چار اوقات کی نمازیں ہیں۔

صاحب نورالانوار نے لکھا ہے کہ عزیمت یہ ہے کہ پورا وقت نماز میں صرف کیا جائے مگر مالک نے کرم فرمایا صرف چند رکعتوں کو پورا شمار کرلیا۔ اس کے بعد فرائض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف کو مستحسن قرار دیا۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنایا اور دن کو مشغولیت کے لئے۔ رات میں سونا ضروری ہے خواہ تھوڑا ہی ہو وہ کفایت کرتا ہے برخلاف دن کے سونے کے۔ اسی لئے عشاء کا وقت مستحب نصف لیل تک ہے۔ اس کے بعد مکروہ ہے، کیونکہ آرام کا وقت ہے اس کے بعد ایک ضابطہ تیار کیا کہ جس کے صحیفہ میں روزانہ صبح وشام کے اوقات میں عبادت ہو۔

مالک کے کرم سے اُمید ہے کہ اس کو معاف فرمادیں گے، اسی لئے مغرب کے مقابلہ میں فجر کی نماز رکھی گئی اور صبح وشام تسبیحات کا پڑھنا مسنون ہے۔ سوتے وقت کی دعا بتائی گئی کہ پڑھ کر چپکے سے سوجاؤ تا کہ صحیفہ کے دونوں حصے میں عبادت آجائے۔ اسی سبب سے ظہر میں تعجیل اگر گرمی کا موسم ہو تو ابراد افضل ہے اور عصر میں تاخیر افضل ہے کہ صحیفہ کے دونوں طرف عبادت میں آجائے اور درمیان کے حصہ کو مالک اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالیں۔

بہرحال نماز کے اوقات میں اللہ کے احسانات کے مناسب یہی تھا کہ پورے وقت میں نماز ادا کی جاتی مگر ہماری سہولت کے پیشِ نظر یہ حکم دیا گیا کہ چند رکعتیں خواہ مختصر سہی اگر پڑھ لی جائیں تو مالک قبول کرلے گا۔ اس کے علاوہ نوافل کو رکھا گیا کہ اگر کوئی عزیمت پر عمل کرنا چاہے تو پڑھ لیا کرے۔ تہجد واوابین، چاشت واشراق کی نمازیں اسی قبیل سے ہیں۔ میرے ذہن میں اوقات کی تقسیم یہ ہے: ۸ گھنٹے تو سونے اور کھانے وغیرہ کے لئے اور آٹھ گھنٹے عبادت کے لئے اور آٹھ گھنٹے ملازمت و دیگر ضروریات کے لئے۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ فرمارہے تھے۔ وہ سادے آدمی تھے مگر نماز کی حلاوت سے آشنا تھے۔ انہوں نے کہا

کہ مولوی صاحب! بتاؤ تو صحیح جنت میں بھی نماز ہوگی؟ تو انہوں نے کہا کہ ''نہیں''۔ تو انہوں نے کہا کہ پھر ایسی جنت کو لے کر میں کیا کروں گا۔ ایک بزرگ کی خواہش تھی کہ قبر میں مجھے تلاوت کا موقع ملے، چنانچہ ان کی قبر سے تلاوت کی آواز سنی گئی۔

فکرِ آخرت

ارشاد فرمایا: ''عدوا انفسکم فی الموتی''، اپنے نفسوں کو مُردوں میں شمار کرو۔ یہ تصور قائم ہو جائے تو ہر عمل آسان ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا، لوگوں نے کہا کہ اپنے بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا تو فرمایا کہ اگر میری اولاد صالح ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''واللہ ولی المؤمنین'' اللہ تعالیٰ مؤمنین کا کارساز ہے۔ اور اگر غیر صالح ہے تو ان پر اپنے پیسے کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

ارشاد فرمایا: اوراد و وظائف کے لئے ہمیں وقت کیوں نہیں ملتا جبکہ یہ چیزیں کام آنے والی ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ زندگی بہت تھوڑی ہے، جیسے خواب کہ اس میں بہت سی چیزوں کو ہم دیکھتے ہیں مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر اس زندگی میں اچھے اعمال نہیں کئے گئے تو یہ وبالِ جان بن جائے گا۔

ارشاد فرمایا: مدرسہ کا کوئی طالب علم جب انتقال کرتا تھا تو اپنی جوانی میں میں خود اس کو نہلاتا تھا اور مفتی سعید صاحب مرحوم میرے رفیق ہوتے تھے۔ موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ یہ لذتوں کو توڑنے والی ہے جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اگر کوئی ہنستا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ پھر فرمایا: مجھے تو بجلی کے بند ہونے پر بھی موت یاد آتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا واقعہ

ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سب اکابر کا فاقہ اختیاری تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الدر الثمین صفحہ نمبر ۶۰ میں لکھا ہے کہ میرے والد صاحب نے اپنے ابتدائی دور میں دائمی طور پر روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ پھر انہیں اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے تردد ہوا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "الھدایا مشترکۃ" میں نے ان کے سامنے اس کو پیش کیا، انہوں نے اس میں سے ایک ٹکڑا توڑ لیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "الھدایا مشترکۃ"۔ میں نے ان کے سامنے اس کو پیش کر دیا، انہوں نے بھی ایک ٹکڑا توڑ لیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "الھدایا مشترکۃ" میں نے عرض کیا اگر اس طرح میں تقسیم کرتا رہا تو اس فقیر کے لئے کیا باقی رہے گی۔ "انفاس العارفین" میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سلسلۂ سلوک ملتا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سلسلۂ نسب۔ اس لئے میں مرعوب ہو گیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان دو میں کوئی بات نہیں تھی۔ اس لئے میں نے عرض کیا۔

آداب کی رعایت

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! آداب و مستحبات کی رعایت ضروری ہے۔ صفوں کی درستگی کے بارے میں حدیث میں آیا ہے "لاتختلفوا فتختلف قلوبکم" تم (صفوں میں) اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اختلاف کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب آدمی تہاون کی وجہ سے آداب کو چھوڑتا ہے، اس پر خدا کی طرف سے ایک عذاب مسلط ہو جاتا ہے اور سنتیں چھوٹنے لگتی ہیں۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ آدمی جب کسی بُرائی کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر وہ عادتیں اس کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ بہر حال اس پر سنت کے چھوٹنے کا عذاب مسلّط ہو جاتا ہے۔ شروع میں ایک دو دفعہ چھوٹنے پر ایک بوجھ معلوم ہوتا ہے مگر جہاں دو چار دفعہ چھوٹیں تو پھر یہ کیفیت بھی جاتی رہتی ہے۔ اس کے بعد اس پر فرائض کے چھوٹنے کا عذاب مسلّط ہو جاتا ہے اور جب فرائض چھوٹنے کا عذاب مسلّط ہو جائے تو اس پر معرفت کا حرمان مسلّط ہوتا ہے اور سوء خاتمہ کا عیاذ باللہ اندیشہ ہوتا ہے۔ فقد کفر کا یہی مصداق ہے۔ ہر خیر، خیر کو کھینچتا ہے اور شر، شر کو کھینچتا ہے۔ جب آدمی اپنے کسی علم پر عمل شروع کر دیتا ہے تو یہ اس کو دیگر علوم کی طرف کھینچتا ہے۔

آج تمام مدرسوں سے ہزاروں فضلا نکلتے ہیں مگر ڈھونڈنے پر کوئی مدرس نہیں ملتا، کیونکہ پڑھنے کے زمانے میں آداب کو پیش نظر رکھ کر کہ پڑھنے والے بہت کم ہیں۔ پڑھنے کے زمانے میں اگر آداب کی رعایت رکھ کر پڑھتے تو اس کی برکتیں حاصل ہوتیں۔ پہلے زمانے میں اتنی استعداد ہوتی تھی کہ بے پڑھا ہوا پڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا، آج معاملہ برعکس ہے۔

طالب کے لئے بیعت مفید ورنہ غیر مفید

ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جال لگا رکھا ہے اس امید پر کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ پھنس جائے۔ یہ جب ہوگا جب طلبِ صادق ہو، بغیر طلبِ صادق کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میرا بھی تجربہ ہے جو اپنی رغبت وخواہش سے بیعت ہوا، اس کو تو فائدہ ہوا، اور جس نے کسی سفارش پر بیعت کی اس کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

وکیل عبداللہ مرحوم کو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا، جب انہیں ایسا تعلق ہے کچھ ذکر وشغل انہیں بتا دیں، تو حضرت نے فرمایا: کہ ''بلا طلب نہیں بتا سکتا''۔ میں نے عرض کیا کہ میں لکھ دوں، حضرت نے فرمایا ''اپنی طرف سے''۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے گنگوہ بیعت کے لئے حاضر ہوئے، تو حضرت نے فرمایا: مولوی خلیل احمد نے ترغیب دی ہوگی۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا اس سے میں نے نہیں کہا ہے۔ البتہ مولانا یحییٰ وغیرہ ترغیب دیتے تھے۔ میرے حضرت تو آفتاب ہیں، یہاں ترغیب کی کیا ضرورت۔

علماء ومدرسین سے خصوصی خطاب

ارشاد فرمایا: کسی کی آبروریزی بڑی سخت چیز ہے۔ اگر کوئی کسی کو گرانا چاہے تو اس کو چاہئے کہ جواب نہ دے۔ علماء و مدرسین میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے۔ وقار کا مسئلہ مولویوں کی جماعت میں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ ہمیں اپنے وقار کو بڑھانے اور دوسروں کو گرانے کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ آج کل مدرسین عام طور پر دوسروں کے وقار کو گرانے میں اس قدر لگ گئے ہیں کہ دوسرے تو گرتے نہیں خود گر جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ"

جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے اللہ اس کو اُونچا کرتا ہے۔

آج کل ہمارے آپس کے فسادات بڑھتے جا رہے ہیں۔ میں نے الاعتدال میں اس مضمون کی بہت سی حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، علماء کرام کو خاص طور سے بار بار پڑھنا چاہئے۔ جس طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میرے اس مضمون کو تین دفعہ پڑھو، اسی طرح میں بھی تاکید کرتا ہوں کہ اعتدال کو بار بار پڑھو۔ حدیث میں آیا ہے **"من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب"** جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے اس کے ساتھ میں نے اعلانِ جنگ کر رکھا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے، جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اللہ اس کی پردہ دری کرتا ہے۔ بھائی موت وحیات کا ٹھکانہ نہیں۔ اس لئے تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ اگر کسی کو عزت دے تو اس کو ذلیل کرنے کی فکر نہ کرنا چاہئے۔ اضافہ از مرتب

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

حسد حرام ہے اور رشک جائز ہے۔ تم خود بڑھو اور امتیاز پیدا کرو، میری ابتدائی مدرسی میں میرے اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری کے درمیان طلباء کا یہ دستور بن گیا تھا کہ میری تقریر سُن کر ان کے سبق میں جا کر اعتراض کرتے اور وہاں کی یہاں نقل کرتے۔ ہم دونوں نے بار بار کہا کہ کسی استاد کا نام لے کر اعتراض نہ کیا جائے بلکہ مولانا نے یہ فرمایا کہ جب شیخ نے یہ مطلب بیان فرمایا تو یہ منہ کیا جو اس سے اختلاف کرے۔ انہیں باتوں سے مدرسین میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے مدارس اور دینی جگہوں پر یہ مرض عام ہے۔

الاعتدال حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بکس میں رہتی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اس کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ بھائی سعید حضرت گنگوہی کے پوتے تھے۔ مزاج میں تیزی تھی، میری ان سے زندگی بھر لڑائی رہی۔ میرے بہت اصرار پر آخر میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ میری وساطت سے ان کی ابتدائی مدرسی میں دس روپے آئے، میں نے کہا کہ کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ حلوہ کھاؤں گا، دماغ میں قوت آئے گی پھر مولانا انور شاہ صاحب بن جاؤں گا۔ مدرس تھے کہتے تھے کہ کتب خانہ میں جاتا ہوں تو ناظر کتب خانہ کہتا ہے کہ جاؤ مہتمم سے لکھا کر لاؤ۔ اور مولانا انور شاہ صاحب جب کتب خانہ میں آتے ہیں سارے کتب خانہ والے دوڑتے ہیں۔ جب مولانا انور صاحب جیسا بنوں گا تو لوگ میرے ساتھ بھی ایسا معاملہ کریں گے۔

بہر حال بھائی سعید ایک روز آئے اور کہا کہ الاعتدال آپ نے بہت اچھی کتاب لکھی ہے میں اس کے دس نسخے خرید کر اپنے انگریزی داں دوستوں کو تقسیم کروں گا۔ مگر میں نے ان کو ہدیۃً دے دیئے۔

ہمارے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ مادح وذام کو برابر سمجھتا ہوں، معمولات کی پابندی کرو، ہر چیز میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھو، دوسری چیزوں کی طرف التفات نہ کرو۔ لوگوں کے مدح وذم کی پرواہ نہ کرو، محرمات سے بچتے رہو، بزرگوں کا مقولہ ہے، ریا صرف اس کا نام نہیں کہ لوگ بڑا سمجھیں۔ یہ تو شرک ہے، لوگوں کے دیکھنے کے سبب عمل کو چھوڑ دینا یہ بھی ریا ہے۔

قابلِ رشک موت

ارشاد فرمایا: اپنی زندگی کے اوقات کی قدر وقیمت پہچاننی چاہئے۔ مولانا سعید صاحب دہلوی کے وعظ کے دو شعر بہت مشہور تھے۔ شاید ہی کوئی وعظ ایسا ہوتا ہو جس میں وہ ان کو نہ پڑھتے ہوں۔ پھر حضرت اقدس نے ان اشعار کو بہت درد سے متعدد بار پڑھا:

رنگالے نا چندیا گندھالے نا سیس
تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
کھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

فرمایا: بھائی! معلوم نہیں کب وقت آجائے۔ بھائی اکرام (والد بزرگوار حضرت مولانا انعام الحسن صاحب) کی موت بے شک قابلِ رشک ہے۔ حالتِ سجدہ میں ان کی

رُوح پرواز کرگئی۔ یہی حال والدہ ہارون کا ہوا تھا کہ دوسرے سجدہ میں اس کی رُوح پرواز کرگئی۔

تبلیغی جماعت کی ضرورت

ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کی عادتِ شریفہ یہ ہے کہ جب مرض کہیں اُترتا ہے تو حق تعالیٰ اس مرض کے موافق کوئی دوا اُتارا کرتے ہیں۔ اب سے سو برس پہلے جب یہاں انگریزوں کا اقتدار ہوا تو انہوں نے ہمارے مذہب کو بگاڑنے کی کوشش کی اور ہمارے عقائد و اعمال کو تبدیل کرنے کے درپے ہوگئے۔ انگریز بڑے مدبّر و ہوشیار تھے۔ اللہ جل شانہ نے اس وقت ہمارے اکابر کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اس انگریزی اور مغربی تہذیب کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مدارس قائم کرو۔

چنانچہ ان حضرات نے مدارس قائم کئے اور ان کی مساعی سے مدارس کا یہ سلسلہ قائم ہوا۔ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد وغیرہ مدارس اسی زمانے میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے قائم کئے۔ اللہ جل شانہ نے بڑی مدد فرمائی۔

انگریز اپنے منصوبے میں ناکام رہے اور ان کی اسکیم پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکی اور ان مدارس کی برکت سے بہت سے لوگوں نے دین کو اپنایا اور اس پر استقامت دکھائی، حالانکہ ان اکابر کے پاس نہ مال تھا نہ حکومت تھی، البتہ سو برس میں انگریزوں نے ہمارے نوجوان طبقہ کو دین سے ضرور برگشتہ کیا اور آہستہ آہستہ ان کی تہذیب و ثقافت نے نوجوان وعوام الناس کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کرلیا، اور اس قدر متاثر کیا کہ حالت بدل گئی۔

اسی فتنہ ومرض کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی کام کو جاری فرمایا۔ اب اس کی قدردانی یہ ہے کہ ہمیں پوری توجہ اس کی طرف کرنی چاہئے۔ اس لئے جب کسی بیماری کا کوئی علاج تجویز ہوجائے اگر کوئی اس پر استقامت دکھائے گا تو کامیاب ہوگا ورنہ اپنا ہی نقصان ہوگا۔ آج سے سو برس پہلے عام طور پر قلوب میں دین اور علم دین کی عظمت و قدر تھی۔ ہر گھر میں مدرسہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب یہ مدارس قائم ہوئے تو ان کا نام سُنتے ہی لوگ ان کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوئے۔ مگر آج ایک صدی گزرنے کے بعد

انگریزی اثر نے ہمارے مدارس و خانقاہوں اور مکاتب سے عام بے توجہی پیدا کر دی ہے۔ اس کی بنا پر اس کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے گھروں پر جا جا کر انہیں متوجہ کیا جائے، کیونکہ پہلے جب کسی شیخ کا نام سُن لیتے تھے تو خود بخود اس کی طرف آتے تھے اور فیضیاب ہوتے تھے۔

یہی حال مجالس ذکر و مدارس و مکاتب کا تھا مگر آج حالات بدل گئے اس لئے تبلیغ کی ضرورت پڑی۔ مشرق و مغرب میں ہر جگہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے لوگ دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

مدارس و خانقاہیں اس وقت مفید ہوں گی جب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے لئے تبلیغ ہے، بغیر لوگوں کی توجہ کے کوئی نفع اُٹھانے کے لئے نہیں آئے گا (مجلس میں ترکی جماعت تھی)۔ میرا مشورہ ہے کہ یہاں سے ملفوظات مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ترکی میں ترجمہ کرا کے اس کو سمجھو اس میں سب تفصیل آ گئی ہے۔

موجودہ دور میں جس طرح دین کمزور ہو رہا ہے اسی طرح مطابع کی کثرت کی بنا پر نئی نئی مطبوعات طبع ہو ہو کر آ رہی ہیں۔ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے حیدر آباد سے سنن بیہقی کا ایک نسخہ نقل کرایا تھا۔ اس کے بعد میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے گنگوہ سے ان کی نقل کرا کے مدرسہ مظاہر علوم کے کتب خانہ میں داخل کر دیا۔ اس کو مولانا ثابت علی صاحب مہتمم مدرسہ بڑی مشکل سے کسی کو دیکھنے کے لئے دیتے تھے۔ حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو "**البدایہ والنہایہ**" کو دیکھنے کا بہت شوق تھا مگر اس زمانے میں حسرت ہی رہی۔ مصنف عبدالرزاق اور بہت سی وہ کتابیں جن کا مولانا عبدالحیؒ صاحب نے الفوائد البہیۃ میں ذکر فرمایا ہے طبع ہو کر آ رہی ہیں۔ مولانا ثابت علی صاحب مہتمم فرماتے تھے کہ مولانا زکریا، جوں جوں استعدادیں گرتی جا رہی ہیں سندیں اتنی ہی لمبی ہو رہی ہیں۔ میرے پاس بعض اکابر کی سندیں موجود ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ ان کا فوٹو چھاپ دوں۔

بہر حال میں بیان کر رہا تھا کہ پہلے زمانے میں دینداری تھی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے مسلمانوں کے کارتوس کے بارے میں کہا کہ اس میں سُور کی چربی رہتی ہے اور ہندوؤں سے کہا کہ اس میں گائے کی چربی رہتی ہے، یہ انگریزوں کی سیاست تھی۔

اسی زمانے کا ایک قصہ ہے کہ رائپوری نہر کی کھدائی ہو رہی تھی، اس میں ایک سونے کا ڈلا ملا۔ نانوتہ کے قریب ڈپٹی کلکٹر کا خیمہ پڑا تھا۔ چنانچہ مزدور ایک سقہ کے سر پر رکھ کر ڈپٹی کے پاس لے گئے اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بہت ہی گھورتا رہا اور تعجب کرتا رہا۔ اس کے بیس برس بعد وہ ڈپٹی مظفر نگر میں کلکٹر ہو کر گیا تو اس کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک سقہ نے ایک لڑکی کے کان سے سونے کی بالی نکال لی ہے اور اس کو کنوئیں میں ڈال دیا ہے۔ جب کلکٹر نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس سقہ نے کہا کہ میں نے سونا سمجھ کر نکالا تھا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پیتل کی ہے۔ اس لئے کنوئیں میں ڈال دیا۔

وہ کلکٹر بہت دیر بیٹھ کر غور کرتا رہا اور اس سقہ کو پہچان لیا اور کہا کہ تم تو نانوتہ میں میرے پاس سونے کا ڈلا لائے تھے؟ اس نے اقرار کیا۔ اس نے کہا کہ یہ فرق کیوں ہوگیا؟ سقہ نے کہا کہ ''اس زمانے میں دوسرے کی چیز اپنے پاس رکھنی مشکل تھی مگر اب وہ بات جاتی رہی''۔ اس انگریز کلکٹر نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا کہ میں اپنی قوم انگریز کو مجرم سمجھتا ہوں۔

گنگوہ میں ایک مولانا احمد علی صاحب تھے۔ ان کی ایک کتاب مناجات پر ہے۔ وہ بوڑھے اور معذور تھے۔ ان کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ مولانا احمد علی صاحب نے یہ قصہ سنایا کہ گنگوہ میں لال مسجد کے پاس سے ایک فوجی گزرا اور اس نے مسجد کو سلام کیا۔ میں نے لڑکوں کے ذریعہ اس کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور اس سے پوچھا کہ ہم نے سب کچھ سنا مگر یہ نہیں سنا کہ کسی نے مسجد کو سلام کیا ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ کا گھر ہے۔

جب میں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ کوئی دس برس ہوئے میں اپنے گھر سے والد صاحب سے لڑ کر بھاگ گیا تھا۔ تنومند آدمی تھا۔ سہارنپور جا کر فوج میں بھرتی ہو گیا۔ چونکہ فوجی لوگ کسی چیز کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس لئے لوٹ جھپٹ کر سو اشرفیاں میں نے جمع کی تھیں، چنانچہ عرصے کے بعد جب میں واپس ہوا تو اس مسجد کے پاس آ کر

نہایا۔ جب اپنے وطن لکھنؤ پہنچا تو معلوم ہوا کہ مسجد میں ہمیانی چھوٹ گئی۔ میں پریشان واپس آیا اور تلاش کیا مگر نہیں ملی۔ اس لئے جب اس مسجد کے پاس سے گزرتا ہوں تو اس کو سلام کرتا ہوں۔

مولانا نے فرمایا کہ وہ دیکھو چھپر ہے، آٹھ دس برس سے کوئی چیز لٹک رہی ہے۔ اس زمانے میں دیانت بہت تھی، اس کو جا کر کھولا تو پوری سو اشرفیاں تھیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس میں سے دس اشرفی مولانا کو دینا چاہا مگر مولانا نے انکار کر دیا۔

ارشاد فرمایا: یہ تبلیغی کام دینداری پیدا کرنے کے لئے ہے۔

حصہ چہارم

متفرق ملفوظات

ملفوظات بروایت مولانا احمد لولات رحمۃ اللہ علیہ

☆ فرمایا.. معاصی سے نفرت مرتبہ کے لحاظ سے اُونچی چیز ہے مگر رغبت کے ساتھ اجتناب اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

☆ فرمایا..

یعلم اللہ راہِ خدا از دو قدم بیش نیست
یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے در کوئے دوست

اس کی شرح میں فرمایا کہ راستہ بہت آسان ہے نفس پر قدم رکھنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ گناہ چھوڑ دے، یہ تو ابتدائی ہے اصلی قدم تو یہ ہے کہ لذائذ کو، حظوظ نفس کو تنعمات کو چھوڑ دے۔

☆ فرمایا.. جس جگہ جو چیز نہیں ملتی اس جگہ اس کی قدر بہت ہوتی ہے، مثلاً ہندوستان میں انگور کم ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جماعت افغانستان کی طرف گئی۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق وہاں کے حالات سُنے تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ وہاں انگور گوشت کے مقابلے میں بہت سستے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ جتنے دن وہاں رہے انگور کھاتے رہے۔ اسی طرح اللہ کے یہاں عجز وانکساری نہیں بڑائی ہی بڑائی ہے اس لئے وہاں عجز وانکساری کی بڑی قدر ہے۔

☆ فرمایا.. معلوم نہیں کہنے کی بات ہے یا نہیں، اس لئے کہ عمل کر کے ظاہر کر دینے سے اس کا ثواب تو جاتا رہتا ہے مگر اس لئے کہہ دیتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے میرا ثواب پڑا جاتا رہے۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں وہاں کے مُردوں کو کچھ نہ کچھ ایصال ثواب ضرور کرتا ہوں۔ بمبئی پہنچتے ہی وہاں والوں کو دو قرآن ختم کر کے ثواب پہنچایا۔

☆ فرمایا.. بخل، کفایت شعاری اور قناعت الگ الگ چیزیں ہیں۔ بخل تو یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے رُکے۔ کفایت شعاری یہ ہے کہ فضولیات اور لذائذ میں خرچ کرنے سے رُکے اور قناعت یہ ہے کہ جو مل جائے اس پر راضی رہے، یہ نہ

سوچے کہ فلاں چیز مل جاتی تو اچھا تھا یا فلاں چیز بھی مل جائے۔ ایک صاحب کسی کے یہاں مہمان گئے۔ انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جو کی روٹی لاکر رکھ دی۔ ان صاحب نے کہا کہ اگر نمک بھی ہوتا تو کیسا اچھا لگتا۔ میزبان کے پاس نمک نہ تھا، وہ گئے اور کسی کے پاس اپنا لوٹا رکھ کر بطور رہن نمک لے آئے۔ مہمان نے کھانا کھا کر کہا، یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ماحضر پر قناعت نصیب فرمائی۔ میزبان بے اختیار بول اُٹھا ''اگر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا رہن نہ ہوتا''۔

☆ اسم ذات دوضربی کے متعلق فرمایا اگر دل کسی کو دے رکھا ہو تو اللہُ اللہ (ہاء معروف) کہے اور اگر اپنے پاس ہو تو اللہُ اللہ (ہاء مجہول) کہے۔ ذوق وشوق بڑھانے کے لئے اللہُ اللہ (ہاء معروف) ہے اور وساوس کو قطع کرنے کے لئے اللہُ اللہ (ہاء مجہول) معروف ومجہول کی تاثیر علیحدہ علیحدہ ہے۔

☆ فرمایا.. کہ یہ عام تجربہ ہے اور میرا بھی مجرب ہے کہ لوگ کسی اللہ والے کو کسی کام کے لئے دعا کو لکھتے ہیں تو وہ کام ہو جاتا ہے چاہے خط بعد میں پہنچے۔ غور سے سُن! اس کی خاص وجہ ہے وہ یہ کہ اہل اللہ کی دعاؤں کا ایک اہم جزو یہ ہوتا ہے کہ یا اللہ جس کسی نے اپنے حسن ظن سے جو کہ تو نے ہی اس کے اندر پیدا کر رکھا ہے مجھے جس جائز مقصد کے حصول کے لئے دعا کو لکھا یا کہا ہے تو اس کے مقصد کو پورا فرما۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے کام بنا دیتے ہیں۔

☆ فرمایا.. اب میں چاہتا ہوں کہ اجازت دینا بند کر دوں۔ جس کو اجازت دیتا ہوں وہ تو مطمئن ہو کر کام ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اکابر بھی وقت سے پہلے اجازت دینے کے خلاف رہے ہیں لیکن میں نے بہت سوں کو وقت سے پہلے اجازت دے دی۔ شروع میں میں بھی جلدی نہیں کرتا تھا۔ مفتی محمود صاحب کو سب سے پہلے اجازت دی ان کی چالیس سال تک رگڑائی کی، مولانا منور صاحب کو بھی بہت دیر میں دی۔ میرا تجربہ ہے کہ جن کو اجازت دینے میں دیر کی وہ تو کام کے بنے اور جن کو وقت سے پہلے دی وہ نام ہی کے رہ گئے۔

☆ فرمایا.. طواف کرتے وقت یہ تصور کریں کہ بیت اللہ شریف پر انوارات

نازل ہورہے ہیں اور وہاں سے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اور ہمارے اندر بھی آرہے ہیں ایک صاحب نے پوچھا اگر طواف کے وقت معیت کا استحضار ہو، فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔

☆ فرمایا۔ حسد گندی سے گندی چیز پر آمادہ کردیتا ہے، اس واسطے سورۃ فلق میں "مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" حسد سے خاص طور پر پناہ مانگی ہے۔

☆ فرمایا۔۔ مقدرات تو اپنی جگہ اٹل ہیں مگر پریشانی تو طبعی چیز ہے، ہوتی ہی ہے لیکن پریشانی کے وقت کی دعا تلاوت اوراذکار بہت وزنی اور قیمتی ہوتے ہیں، اس لئے ایسے اہم اوقات کو خوب وصول کرنا چاہئے۔

☆ فرمایا۔۔ ہم نے پاک رسول ﷺ کو نہیں پہچانا۔ ان کی تعلیم کو نہیں پہچانا اور جتنا پہچانا اس پر عمل نہیں کرتے۔

☆ فرمایا۔۔ میں رُوحانی علاج میں ایک شیخ کے مرید کے لئے دوسرے کا شغل مناسب نہیں سمجھا کرتا۔

☆ ایک صاحب نے پوچھا مدینہ منورہ میں تو شیخ کی ضرورت نہیں؟ وہاں سرکار ﷺ خود موجود ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ضرورت ہے! طبائع کا انداز یہ ہے کہ محسوس سے اثر قبول کرتی ہے۔

☆۔۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر کسی کی کُل کی کُل دعائیں قبول ہوں تو کیا کوئی آزمائش تو نہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرمائے۔ اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں بشرطیکہ اس سے عجب وغرور نہ پیدا ہو۔ اس کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ شیطان ہرطرح سے آدمی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

☆ فرمایا۔۔ کام کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے یکسو ہوکر اخلاص سے کام میں لگے رہو۔ مخالفوں سے نہ مناظرہ کرو نہ ان کی باتوں کا جواب دو، نہ دینے کی فکر کرو اور نہ محاذ قائم کرو، بس اپنا لگے رہو۔

☆ فرمایا۔۔ برابری اور مقابلے کے خیال سے معاشرت اچھی نہیں رہتی۔ چھوٹے بن کر رہنے میں بڑا مزہ ہے: "من تواضع للہ رفعه اللہ" رفعت حاصل ہونا لازم ہے ہوکر رہے گی۔

☆ فرمایا۔۔ مدینہ کے قیام کے لئے بڑے اُونچے اخلاق کی ضرورت ہے جو ہم میں نہیں۔ ایک بزرگ کو صرف یہ کہنے پر کہ ہمارے یہاں کی دہی میٹھی ہوتی ہے اور یہاں کی کھٹی، اخراج کا حکم ہوا تھا کہ وہیں جا کر رہو جہاں کی دہی میٹھی ہے اور ہم پتہ نہیں دن بھر میں کتنی گستاخیاں کرتے ہیں، اللہ ہی معاف کرے۔

☆ فرمایا۔۔ لوگوں میں کچھ علوشان ہی بہت بڑھ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حقیر فقیر ناچیز مسکین کے خوشنما الفاظ میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

☆ فرمایا۔ تفکرات اور پریشانی میں اللہ کا پاک نام کثرت سے لینا چاہئے کہ سکون قلب اور پریشانیوں کے دفعیہ کا سبب ہے۔

☆ فرمایا۔ تعویذات میں اسمائے الٰہیہ سے مدد بہت زیادہ مفید ہے اور آخر میں درود شریف سب سے بہترین تعویذ ہے۔

☆ فرمایا۔۔ بیعت سے پہلے تو بہت غور و خوض کرنا چاہئے، لیکن بیعت کے بعد تاوقتیکہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب یا بدعت نہ دیکھے ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے۔ پھر فرمایا، بھائی عیب سے کون خالی ہے۔

☆ فرمایا۔۔ اپنے آپ کو نااہل سمجھنا تو بہت ضروری ہے، کسی وقت بھی اپنے اندر اہلیت کا شائبہ بھی نہ آنا چاہئے لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ضروری ہے کہیں کفرانِ نعمت نہ ہو۔ اپنی نااہلیت کے اظہار سے زیادہ اپنی نااہلیت کا استحضار زیادہ مفید ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بُرا کہے یا اپنی شان کے خلاف کوئی معاملہ کرے، مثلاً مجمع میں اعزاز واکرام نہ کرے، اس پر غصہ نہ آوے، نہ دل میں احساس ہو۔ جب تک اس کا احساس اور غصہ آتا رہے گا اس وقت تک اپنی نااہلیت قلبی نہیں زبانی ہے۔

☆ فرمایا۔۔ دعائے گنج العرش وغیرہ کتابوں کی اسناد صحیح نہیں۔ حدیث پاک میں جو دعائیں آئی ہیں ان کو پڑھیں۔

☆ فرمایا۔۔ ٹائی پہن کر نماز ہو جاتی ہے مگر کفار کا لباس ہے اس لئے اُتار دینا چاہئے۔

☆ فرمایا۔۔حزب البحر محض برکت کے لئے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اگرچہ احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں وہ مشائخ کے نزدیک زیادہ اُونچی ہیں۔

☆ فرمایا۔۔کبھی تو علم بہت اچھی چیز تھی اب علم کا نام ذلت ہوگیا ہے۔ان مولویوں نے ناک کاٹ رکھی ہے۔ایک طالب علم کو کسی ناروا فعل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔اس کی رہائی کے بعد اس سے فرمایا کہ اگر واقعی یہ سچ نہیں ہے اور خدا کرے کہ سچ نہ ہو تو مسلمانوں پر ظلم ہو ہی رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور اگر یہ سچ ہے تو تو نے تین ظلم کئے:

۱۔اسلام پر ۲۔مدرسہ پر ۳۔اہل علم پر

☆ فرمایا۔۔مشائخ سے ان کی گفتگو سے زیادہ فائدہ ان کے سکوت سے ہوا کرتا ہے۔کانوں کی بنسبت دل کی مشغولی بہت زیادہ مفید، اہم اور کارآمد ہے۔

☆ فرمایا۔۔اصل سلوک اتباع سنت ہے۔عبادات میں، عادات میں، اخلاق میں۔

☆ فرمایا۔۔جن لوگوں کا کاروبار سودی ہو اگر ان کی آمدنی سود کے علاوہ بھی ہو تو دعوت اور ہدیہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ساری آمدنی سودی ہو تو بالکل بھی جائز نہیں۔

☆ فرمایا۔۔معمولی درجہ کی بدعات ایسی نہیں ہوتیں جس سے فسخ بیعت کیا جاوے۔البتہ اُونچے درجات کی ایسی ہوتی ہیں جن سے فسخ بیعت کیا جاوے بلکہ فسخ ضروری ہے۔

☆ فرمایا۔۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سگریٹ کے ساتھ اکثر نہیں ہوا کرتی۔

☆ فرمایا۔۔جس بچے کا حمل نماز کے وقت کی صحبت سے ہو وہ عاق ہوتا ہے، یہی علماء نے لکھا ہے۔

☆ فرمایا۔۔قرض کے لئے **"اللّٰھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک"** روزانہ ستّر مرتبہ اوّل آخر درود شریف سات مرتبہ جمعہ کے دن خاص طور سے عصر اور مغرب کے درمیان پڑھنا اور دوسرے دنوں میں جب بھی ہو بہت مفید ہے۔

☆ فرمایا۔۔درود شریف کی کثرت ردّ بدعت کے لئے بہت ہی مفید اور موثر ہے۔

☆ فرمایا۔۔کبر، نخوت، شہرت، حب جاہ، حب مال یہ سب امراض ہیں اور ان

سب کو بہت اہتمام سے دُور کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے ہمیشہ مشائخ کی قدیم عادت یہی رہی کہ پہلے مجاہدات سے بُرے اخلاق وامراض دُور کرتے تھے پھر ذکر شغل بتاتے تھے۔ لیکن حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا زیادہ اہتمام رہا کہ شروع ہی سے اوراد واذکار کی پابندی کرائیں کہ اس کی برکت سے اخلاق بھی درست ہوجاتے ہیں۔

☆ فرمایا۔۔ در بدر مانگنے میں ذلت ہوتی ہے یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ ذلت اپنی ذات کے لئے ہوتب تو بہت بے جا ہے، لیکن اگر اخلاص کے ساتھ اللہ کے کام کے لئے ہوتو انشاء اللہ موجب اجر ہے۔

☆ فرمایا۔۔ کسی شخص کو اس کی معذوری کی تحقیق کئے بغیر مجرم قرار دینا، یہ الزام ہے اور ''الاعتدال'' اس کا بہترین علاج ہے۔

☆ ایک صاحب نے پوچھا کہ بعض لوگ کسی اچھے یا بُرے کام کو بڑے زور سے شروع کرتے ہیں پھر جب حصول مقصود قریب ہوتا ہے تو بعض تو لگے رہتے ہیں، بعض سرد ہوجاتے ہیں۔ جواباً فرمایا: ابتداء میں تو جذبہ ہوتا ہے، پھر طبیعت غالب آجاتی ہے۔ مناسبت والے لگے رہتے ہیں عدم مناسبت والے چھوڑ دیتے ہیں: کل میسر لما خلق لہ، پھر قدرے سکوت کے بعد فرمایا: ہر کسے را بہر کارے ساختند۔

☆ ایک صاحب نے عرض کیا کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت خاصہ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ فرمایا: مجھے علم نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت حافظ صاحب میں بعض خوبیاں ایسی ہیں گویا حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا نقش ہیں۔ اس کے بعد ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کل دوپہر کو خواب میں یوں دیکھا کہ کبھی آپ تشریف فرما ہوتے کبھی حضرت رائپوری نظر آنے لگتے، کبھی پھر آپ معلوم ہوتے۔ فرمایا: یہ غایتِ تعلق ہے اور کچھ نہیں۔

☆ فرمایا۔۔ بزرگوں کی نسبت کبھی ایک کی طرف منتقل ہوتی ہے کبھی متعدد کی طرف، البتہ نسبت خاصہ ایک ہی کو ملتی ہے۔

☆ فرمایا۔۔ ایک صاحب نے جنہیں تحقیق وتنقید کی بہت عادت ہے پوچھا کہ

حضرت کیا بزرگوں کی آنکھیں نہیں ہوتیں جو وہ ایک چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور پھر کوئی اس کے خلاف کان بھرے تو باور کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وہ کسی مؤمن کو جھوٹا نہیں سمجھتے اسی لئے محدثین کے یہاں صوفیاء کی روایت معتبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز سے کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص جو آپ کے یہاں کا قدیمی حاضر ہے داڑھی منڈاتا ہے۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت بری بات ہے کہ تم داڑھی منڈاتے ہو۔ اس نے کہا حضرت میرے تو نکلی ہی نہیں ہے (حالانکہ خوب لمبا تڑنگا عمر رسیدہ تھا اور داڑھی کا منڈا ہونا خوب واضح تھا)۔ جب وہ شاکی آئے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی تم کسی مومن پر تہمت باندھتے ہو، بہت بری بات ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ میری نکلی ہی نہیں ہے۔ پھر فرمایا میرے پیارے باتوں سے کچھ نہیں ہوتا نہ تحقیقات میں کچھ رکھا ہے نہ تنقیدات میں کچھ دھرا ہے، کہاں تک تحقیق و تنقید کئے جائے گا اب تو کچھ کر لے۔ جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے دنیا کی فکر چھوڑ دے، اپنی فکر کر لے۔

☆ فرمایا۔۔ طالب علم کے لئے نہایت اہم پرہیز تعلقات کی کمی ہے۔ دوستوں سے تعلقات علم کے لئے اور طلب علم کے لئے سمِ قاتل ہیں۔ اساتذہ کے احترام میں جہاں تک ہو سکے کمی نہ ہو کہ اساتذہ کی بے احترامی سے علم کی برکت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

☆ فرمایا۔۔ مجھ سے جس کا بیعت کا تعلق ہے اس کو تسخیر کے عمل کرنے کی میری طرف سے کوئی ممانعت نہیں مگر میں تسخیر کے عمل کا سخت مخالف ہوں اور اس سے اپنے دوستوں کو روکتا ہوں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اس عمل کا سکھانے والا ماہر اور کامل نہ ہو اس وقت تک ناقص سے سیکھنے میں یا کتابیں دیکھ کر سیکھنے میں خطرات زیادہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص شیر کے شکار کا ماہر نہ ہو وہ شیر پر گولی چلا دے تو کیا حشر ہوگا۔

☆ فرمایا۔۔ اجتماعات، اختلاط سے قلب ضرور متاثر ہوتا ہے اس کے علاج مشائخ نے مختلف تجویز کئے ہیں اعتکاف بھی مفید ہے اور اس سے زیادہ مفید اکابر کی صحبت ہے۔

☆ فرمایا۔۔ جب خشیت نہیں تھی تو خوب طواف کئے خوب کعبہ کے پردوں سے

چمٹے اور جب خشیت آئی تو دور سے ہی خانہ کعبہ کو دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ حرم کعبہ میں ہوتے ہوئے حجرِ اسود کو جی بھر کر چومنے سے محروم ہیں۔

☆ فرمایا۔ اپنی زبانوں کی بہت حفاظت کریں۔ حدیث پاک میں آیا ہے آدمی زبان سے ایک لفظ نکالتا ہے جس کی اس کو پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہا۔ بہت سرسری سمجھتا ہے مگر اس لفظ کی وجہ سے وہ جہنم کے آخری طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید

اللہ کے دو سی آئی ڈی ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں جو ہر چیز لکھتے ہیں۔ ان کا لکھا سب دفتر موجود رہتا ہے جس کی کوئی تغلیط بھی نہیں کر سکتا نہ اس کو کوئی جھٹلا سکے۔

☆ قصیدہ بردہ سنتے ہوئے فرمایا عشق بہت مبارک چیز ہے اگر کسی کو ہو جائے بس جگہ غلط نہ ہو۔

☆ فرمایا۔ موثر حقیقی کا اعتقاد تو ہر مسلمان کو ہونا چاہئے۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ دوا علاج یا تو میں تعمیل امر نبوی ﷺ میں کرواتا ہوں یا دوسروں کی خاطر میں۔ باقی ان دواؤں سے ہوتا ہواتا کچھ نہیں۔

☆ فرمایا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ صاحب پوچھتے ہیں کہ ہمارے عیوب کا ہمیں تو پتہ چلتا نہیں اس لئے حضرت ایسے عیوب کی وضاحت فرمادیں جو اس راہ میں خاص طور سے رکاوٹ بنتے ہوں۔ فرمایا بھائی مجھے خود اپنے عیوب معلوم نہیں ہوتے۔ چندے سکوت کے بعد فرمایا:

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب
دو اندر ز فرمودہ بر روئے آب
یکے آنکہ در غیر بد بیں مباش
دوم آنکہ در نفس خود بیں مباش

☆ ایک دن بڑے سوز و رقت سے فرمایا:

مرا دردیست اندر دل چومی گویم زباں سوزد
اگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

☆ ایک صاحب کے ہندوستان کے حالات دریافت کرنے پر فرمایا:

سراسر دل دکھانا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو

پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

☆ ایک قریبی عزیز کو ہندوستان کا حال زار بتاتے ہوئے فرمایا:

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی

یہ جو ہے خراب تیرا ہی گھر نہ ہو

☆ ایک صاحب نے ہندوستان سے دورانِ قیام مدینہ خط لکھا۔ جس میں سہارنپور کے حالات دگرگوں اور مسلمانوں کے تفرقے اور انتشار کی خبریں لکھیں تو فرمایا:

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا

اس کی بلا سے بوم رہے یا ہُما رہے

☆ ایک خادم سے جو زیادہ سوتے تھے فرمایا:

جو ہو فرقت کی بیتابی تو یہ خواب گراں کیوں ہو

قدرے توقف کے بعد فرمایا:

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے

عمر بھر سویا کرے گا خاک کے سائے تلے

☆ ایک خادم نے جب انتہائی مسکین صورت بنا کر معافی چاہی اپنے کسی جرم کی درآنحالیکہ حضرت کے بہت چہیتے تھے تو فرمایا:

روزِ محشر اس کا دامن چھوڑ ہی دینا پڑا

دیکھ کر اتنا کہ منہ اترا ہوا قاتل کا تھا

☆ ایک صاحبزادہ صاحب کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ شعر تحریر فرمایا:

یہی دن ہے دعا لے لو کسی کے قلب مضطر کی

جوانی آ نہیں سکتی میری جاں پھر نئے سرے سے

☆ ایک سفر کا نظام بنتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس جگہ کو تو حضرت کا بھی

جی چاہتا ہوگا۔ فرمایا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی

کچھ توقف کے بعد مکمل شعر دہرایا۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

☆ ایک خادم روٹھ کر چلے گئے اور کئی روز نہ آئے تو ان کا حال دریافت فرمایا۔ کسی نے بتایا کہ وہ کہہ رہے تھے اب نہیں آؤں گا۔ فرمایا:

کچھ وہ کھنچے کھنچے سے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

پھر جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا:

نہ ملئے گا نہ ملئے گا کوئی ہم مر نہ جائیں گے
خدا کا شکر ہے پہلے محبت آپ نے کم کی

پھر فرمایا:

تمہاری جو ہم بن گزرتی ہے خوش
ہماری بھی تم بن گزر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چند روز
بہلتے بہلتے بہل جائے گی

ایک لاڈلی نواسی کو کسی چیز کے عنایت فرمانے پر جب اس نے حسبِ عادت ناز ونخرہ کیا تو اصرار کرتے ہوئے فرمایا:

ہے یہی شرط وفاداری کے بے چوں و چرا
تو مجھے چاہے نہ چاہے میں تجھے چاہا کروں

☆ ایک صاحب سے فرمایا جو تنقید واعتراض کے بہت عادی ہیں۔

کہاں تک روئے گا اے جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر لے تو پرائے غم سے تو فرصت نہ ہوگی

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا نظامِ سفر کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حضرت کچھ صاف بات نہیں فرمادیتے؟ فرمایا:

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

☆ ایک خاص متعلق کو قیامِ مدینہ کے دوران تحریر فرمایا:

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جائیں یا رب ایسے دیوانے کو ہم

ملفوظات بروایت حضرت مولانا احرار الحق صاحب

☆ علی گڑھ کے ایک صاحب جن کا نام مجھے معلوم نہیں ہے، جوان سیاہ داڑھی اُس وقت ان کی تھی۔ وہ حضرت کو بہت مانتے تھے اور حضرت ان کو بہت مانتے تھے۔ حضرت مدرسہ قدیم کی مسجد میں معتکف تھے۔ حضرت کی خواہش تھی کہ وہ رمضان پورا سہارنپور میں گزاریں۔ لیکن غالباً انہوں نے تین دن قیام فرمایا۔ ۲۵ کو آئے اور ستائیسویں کی صبح کو حضرت سے مصافحہ کر کے جانے لگے تو حضرت نے فرمایا:

رہ گئی بات کٹ گئی رات، تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

☆ ایک دفعہ مدرسہ قدیم کی مسجد میں ''فضائل صدقات'' جلد اول پڑھی جا رہی تھی اس میں یہ شعر آ گیا

رنگالے نا چنریا گندھالے ناسیس
تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلا لے پیا کس گھڑی
کھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

حضرت اس کو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے اور سامعین بھی روتے رہے۔

☆ حضرت کے یہاں پہلے صبح کو باسی روٹی اور باسی سالن بچا رہتا تو مہمانوں کے سامنے پیش کرتے اور متعدد بار میں نے سنا ہے کہ فرماتے:

''ایک بھٹیارا تھا، وہ باسی روٹی دو پیسہ میں بیچتا اور تازہ روٹی ایک پیسہ میں۔ اس کی ساری باسی روٹیاں بک جایا کرتیں۔ کسی نے اس سے وجہ پوچھی تو کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باسی روٹی کا زمانہ زیادہ قریب ہے اس لئے باسی کی قیمت دو پیسہ اور تازہ کی قیمت ایک پیسہ ہے''۔

متعدد دفعہ فرمایا کہ:

''ایک شخص نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مرنے لگوں تو میرے پاس آنا میں ایک چیز بتلاؤں گا۔ اتفاق سے وہ ایک دفعہ بیمار پڑ گیا اس کے قریب لوگ گئے۔ وہ

سمجھ رہے تھے کہ کوئی خزانہ بتلائے گا اس لئے موقع کے متلاشی تھے۔ بیماری کو دیکھ کر انہوں نے سوچا کہ جلدی کر کے پوچھ لیں تو کہا کہ آپ نے ایک چیز بتانے کو کہا تھا وہ بتلا دیجئے۔ تو اس شخص نے کہا کہ ''دستر خوان پر جو روٹیوں کے ٹکڑے پڑے ہوں جن پر سالن گر گیا ہو اس کو کھا لیجئو''۔

۸۲ھ یا ۸۳ھ کا واقعہ ہے۔ سحری کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہمانوں کو بلوایا، ایک مہمان نہیں آئے تو حضرت نے پوچھا کہ فلاں مہمان کہاں ہیں؟ ایک صاحب نے جواب دیا کہ غسل کر رہے ہیں تو حضرت نے مزاح کے طور پر حضرت مولانا منور صاحب مدفیوضہم سے فرمایا کہ: ''مولوی منور! رمضان میں تو شیطان بندر ہتا ہے''۔

☆ ایک دفعہ فرمایا کہ:

''جی چاہتا ہے کہ پیسہ پاس نہ ہو اور کوئی ضرورت اٹکے نہ''۔

☆ متعدد بار فرمایا کہ: ''مولانا عطاء اللہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے، یہ کچا گھر مشترکہ پلیٹ فارم ہے''۔

رشوت دے رہا ہے؟

رمضان المبارک سہارنپور گزار رہا تھا۔ بہرائچ کے ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت سے سفارش کر دو کہ حضرت میری اہلیہ کو غائبانہ بیعت کر لیں۔ میں نے حضرت مولانا مسعود الٰہی صاحب سے کہا کہ آپ سفارش کر دیں میری ہمت نہیں ہوتی۔ اول اول مولانا مسعود الٰہی صاحب نے مجھے بھیجنے کی کوشش کی لیکن میرے زیادہ اصرار پر وہ تشریف لے گئے اور حضرت سے کہا کہ یہ مولوی احرار کے آدمی ہیں، حضرت ان کی اہلیہ کو بیعت کر لیں۔ حضرت نے فرمایا: ''اس کو بھیجو''۔

جب میں ڈرتے ڈرتے گیا تو حضرت نے فرمایا کہ: ''جب یہ تیرے آدمی ہیں تو تو نے دوسرے کو واسطہ کیوں بنایا، خود کیوں نہیں آیا۔ جا تجھ سے تین دن تک بات نہ کروں گا''۔

حضرت کے اس فرمان سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ زمین میرے پیر کے نیچے سے

ہٹ گئی۔ آ کر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ کیا کریں؟ لوگوں نے مختلف تدبیریں بتائیں۔ پھر حضرت مولانا عبدالرحیم متالا سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ: ''حضرت کا پیر پکڑ کر معاف کرالو''۔ چنانچہ اسی دن کانپتے ڈرتے بڑی ہمت کر کے پہنچا اور حضرت کا پیر پکڑ کر معاف کرالیا اور اپنی مرعوبیت کا عذر پیش کیا اور حضرت خوش ہو گئے۔ اس کے بعد میرے پاس ایک نیا رومال تھا اس کو ہدیہ میں دینے لگا تو حضرت نے فرمایا کہ: ''یہ رشوت دے رہا ہے؟'' میں نے کہا کہ حضرت یہ اس لئے دے رہا ہوں کہ حضرت اس کو قبول فرمالیں گے تو مجھے تسلی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت نے اس کو قبول فرمالیا۔

بیکار پیسہ صَرف کرنے پر تنبیہ

حضرت جب حج کو تشریف لے جایا کرتے تو لوگوں کو روک دیا کرتے کہ وہ نہ آئیں۔ حضرت کے روکنے کے باوجود میں چلا گیا۔ حضرت نے مصافحہ نہیں کیا اور کہا کہ: ''جب روک دیا تھا تو کیوں آیا؟''۔ پھر بعد میں مصافحہ کرلیا۔

اس کے دوسرے یا تیسرے سال حضرت پھر تشریف لے جارہے تھے پھر میں دہلی پہنچا تو حضرت نے مصافحہ نہیں فرمایا اور کہا کہ: ''اس سے پہلے بھی تم کو روک چکا تھا پھر بھی تم آ گئے؟''

چنانچہ تقریباً ایک ہفتہ قیام رہا اور حضرت مصافحہ نہیں کر رہے تھے۔ طبیعت بہت مرجھائی سی تھی۔ حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ: ''مولوی احرار بہت رنجیدہ ہیں، بہت اُداس ہیں۔ کھانا بھی ان سے نہیں کھایا جا رہا ہے''۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ: ''کیوں؟'' مولانا اظہار الحسن صاحب نے فرمایا کہ: ''آپ نے ان سے مصافحہ نہیں کیا اس لئے''۔ حضرت نے فرمایا کہ: ''وہ تو میرے مخصوص لوگوں میں سے ہے۔ یہ سب تو پیار کی باتیں ہیں''۔

غالباً جس صبح کو حضرت جانے والے تھے اسی رات کو مغرب کے بعد حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدفیوضہم نے حکیم مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہ العالی سے کہا کہ مولوی

احرار کا مصافحہ حضرت سے نہیں ہوا ہے، وہ پریشان ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا حکیم محمد الیاس صاحب مدظلہ العالی نے حضرت سے تذکرہ کیا۔ حضرت نے فوراً بلایا اور مصافحہ کیا اور دعائیں دیں۔ اور فرمایا کہ:

''دیکھ پیارے! نظام الدین والے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیتے ہیں ملاقات نہیں ہوتی۔ بات چیت نہیں ہوتی۔ نہ تو مجھے دیکھے نہ میں تجھے دیکھوں۔ بیکار پیسہ صَرف ہوتا ہے ایسے آنے کا کیا فائدہ؟''۔

ایک دو ڈانٹ اور ہے جو خطوط میں درج ہیں۔

ملفوظات بروایت مولانا سجاد صاحب

مدارس میں جوڑ کے لئے فکر

ایک مرتبہ اس ناکارہ نے مدارس میں جوڑ پیدا کر کے تبلیغ کا ایک خاکہ حضرت کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال کیا تو حسبِ عادت خوب تحسین فرمائی۔ آگے اور ارشاد فرمایا، مگر پیارے ایک مدرسے کے لوگ تو اس زمانے میں متفق ہوتے ہی نہیں تو تم اتنے مخلص کام کرنے والے مدرسوں میں کہاں پاؤ گے۔ از خود جو ہو سکے کرو باقی تمہارا حوصلہ بلند ہو تو میں منع نہیں کرتا۔ اس ارشاد کے بعد یہ لایعنی وسوسہ ہی میرے دل سے نکل گیا۔

قرض لینے کی ممانعت

ایک مرتبہ ایک مضمون پر میں نے ایک رسالہ مرتب کیا اور بطور استشارہ حضرت کی خدمت میں اطلاعی عریضہ بھیجا تو ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی چھپوانے کی ذمہ داری لے تو خیر ورنہ میری طرح قرض مت مانگتے پھرنا، وہ بے چارہ بھی نسیاً منسیاً ہو گیا۔

وعظ کی ترغیب

ایک مرتبہ میں نے عریضہ لکھا کہ میں حضرت کے ہدایتی والا ناموں میں سے منتخب کر کے اپنے پاس نقل محفوظ کر رہا ہوں، تو ارشاد فرمایا کہ میری زندگی میں چھپوانے کی زحمت مت کرنا۔ ان مجموعہ ارشادات سے اور ہمیشہ بار بار تعلیم و وعظ گوئی کی ترغیب سے میں یہی سمجھا کہ حضرت کو مجھ سے یہی خدمت لینا پسند ہے اور ہمیشہ کے لئے بعونہ تعالیٰ اسی کی نیت کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی مبارک منشاء کو پورا فرمائے۔

ملفوظات بروایت مولانا قطب الدین گیاوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ بندہ نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! بندہ کی مراقبہ وغیرہ میں اتنی طبیعت نہیں لگتی جتنی ذکر میں، فرمایا:

''کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ مراقبہ سے مقصود اللہ کے ذکر وفکر اور دھیان کا پیدا کرنا ہے''۔

بندہ جب شاخ کا مدرس ونگران ہوگیا اور اس کے پاس ہی محلہ پٹھان پور میں امام مقرر ہوگیا تو ایک روز بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! مکان کے اعتبار سے اب آپ سے اس ناکارہ کی دوری ہوئی جارہی ہے اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری کا موقع کم ہوتا ہے اس سے بڑی فکر ہوتی ہے۔ تو حضرت نے ایک بڑی اہم اور اُونچی بات فرمادی کہ:

''کوئی حرج کی بات نہیں، وہ پیر کیا جو دُور کی خبر نہ رکھے''۔

بارہ (۱۲) تسبیح کے ذکر کی پابندی کرتے ہوئے جب کافی دن ہوگئے اور ذکر کا شوق بڑھا تو حضرت اقدس سے زیادتی کی درخواست کی، تو حضرت نے فرمایا کہ:

''تعلیم کی ذمہ داری اہم ترین ہے پھر بھی اگر وقت میں گنجائش ہو اور دماغ میں تحمل ہو تو اسم ذات کا ذکر ایک ہزار تک کرلیا کرو''۔

امراض قلب میں سے ذکر وغیرہ کے معمولات میں سے ذکر میں طبیعت نہ لگنا، وسوسہ آنا اور نمازوں میں حضور قلبی نہ ہونے کی جب کوئی شکایت کی تو فرمایا کہ:

''اس کی طرف توجہ نہ کرو، جہاں مال ہوتا ہے وہیں چور جاتا ہے۔ اہتمام سے ذکر اور دوسرے معمولات کی پابندی کرو، انشاء اللہ یہ سب باتیں جاتی رہیں گی اور نماز و ذکر میں جی بھی لگے گا''۔

ملفوظات بروایت حضرت مولانا ھاشم پٹیل مدظلہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چند ملفوظات

☆ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا انداز بہت نرالا تھا۔ ایک دفعہ بندے نے کسی معمول کے ادا نہ ہونے کا لکھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ صبح کی چائے چھوڑ دو، کتنا وقت ملے گا۔ معمولات رُوحانی غذا ہیں، اس کا چھوٹنا یا بے اعتنائی مناسب نہیں۔

☆ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میرے ایک دوست کُرتا گھٹنوں سے اُونچا پہنتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو اس کا کُرتا میرے بنیان سے چھوٹا تو نہیں۔

☆ ایک دفعہ واپسی کے مصافحہ کے موقع پر عرض کیا حضرت کچھ نصیحتیں فرمائیں، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور یوں ارشاد فرمایا: میرے پیارے معمولات پر پابندی اور میں نے ساری نصیحتیں اپنے رسائل میں لکھ دی ہیں ان کو اہتمام سے دیکھتے رہا کرو۔

☆ ایک دفعہ بدگمانی کے علاج کے سلسلہ میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر رکھا کرو اور دوسروں کی خوبیاں سوچا کرو۔

☆ ایک دفعہ مجلس میں فرمایا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے اس وقت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نصیحت کی:

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر رُوئے آب
یکے آں کہ برخود خودبین مباش
دیگر آں کہ برغیر بدبین مباش

☆ جذبی کیفیت کے بعد اپنے وطن جوگواڑ سے رمضان المبارک میں حاضری ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ اعتکاف کی اجازت نہیں زیادہ آرام کرو۔ بندے نے عرض کیا کہ حضرت اعتکاف تو کئی سال ہوئے الحمد للہ ترک نہیں ہوا۔ ارشاد فرمایا اجازت ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ آرام زیادہ کرو گے اور یوں ارشاد فرمایا کہ اب تو میں تمہیں عمر بھر نہیں بھولوں گا۔

ملفوظات بروایت حضرت سید صابر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرضِ قلب کے سلسلے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا علاج

بندے کی چونکہ عادت تھی کہ اکثر حضرت سے اپنے باطن خراب ہونے کی شکایت کرتا رہتا تھا۔ایک مرتبہ حضرت نے اس کے لئے درود شریف یا تبلیغ میں وقت لگانا تجویز فرمایا۔ایک مرتبہ یہ ناکارہ حاضرِ خدمت ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ عمرے کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ناچیز نے اپنے معمولات بیان کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضرت باطن کی حالت بہت خراب ہے۔اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے باطن کیسے خراب ہے، اچھا تو مجھے یوں بتا باطن خراب کیسے ہوتا ہے، بار بار کہتا ہے باطن خراب ہے۔اللہ نے اپنے ذکر کی توفیق عطا فرما رکھی ہے پھر باطن خراب کیسے ہے؟ یوں نہ کہا کرو، تم یوں ہی کہا کرتے ہو۔اس خاکسار کو چونکہ حضرت کے سامنے اور خصوصاً جبکہ حضرت کا لہجہ کچھ تیز ہو کچھ کہنے کی بالکل جرأت نہیں ہوتی تھی بلکہ مافی الضمیر کو ادا کرنے میں احصار کی کیفیت ہوجاتی تھی اس لئے اور تو کچھ عرض نہ کرسکا بلکہ زبان سے یہ نکلا کہ پہلے مبشرات وغیرہ بہت ہوتے رہتے تھے، تو اس پر حضرت نے فرمایا: ارے وہ تو ویسے ہی بہلانے کی باتیں ہوا کرتی ہیں یوں نہ کہا کرو۔

ملفوظات بروایت بھائی جمیل احمد صاحب

اصل مقصود اتباعِ سنت ہے

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراستِ ایمانی سے اسی وقت محسوس فرمالیا کہ یہ دائم المریض ضعیف انسان اس سے زیادہ پر مداومت نہیں کر سکے گا۔

پھر تو بزرگوں کی توجہات سے کچھ ہی عرصے میں بحمد اللہ ذکر جہری سے نہ صرف یہ کہ مناسبت ہوگئی بلکہ ذکر کے دوران عجیب طرح کے انوار کا مشاہدہ ہوتا رہا۔ میں حضرت شیخ کو ان کیفیات سے مطلع کرتا رہا اور حضرت نصائح فرماتے رہے اور خطوط میں بھی تحریر فرماتے رہے کہ:

''یہ انوار، انوار ذکر ہیں۔ یہ مبارک تو بہت ہیں مگر قابل التفات نہیں۔ یہ ایسے ہیں جیسے راستہ چلنے والے کے لئے سڑک کے دونوں طرف پھول پھلواری چمن ہو کہ وہ پُر لطف و پُر فضا اور راستہ چلنے میں معین تو ضرور ہوتے ہیں لیکن کوئی اسی میں لگ جائے تو ظاہر ہے کہ راستہ قطع نہیں ہوگا۔ اصل مقصود اتباع سنت ہے، وہ جتنا زیادہ حتیٰ کہ عادات میں بھی حاصل ہو جائے کمال ہے اور مقصود ہے''۔ وغیرہ وغیرہ

لذّتِ ذکر

حضرت شیخ قدّس سرّہ کے حکم سے قریب قریب ہر سال حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی۔ زیادہ وقت رائپور ہی میں گزرا، لیکن اس کے علاوہ ایک دفعہ کوہ مری کے قریب گھوڑا گلی میں جہاں حضرت نے رمضان گزارا وہیں میرا بھی پورا رمضان گزرا۔ وہاں حضرت مولانا علی میاں مدظلہ اور دیگر اکابر کی معیت بھی حاصل رہی۔ لاہور میں صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی میں بھی حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں قیام رہا۔

میں اکثر اوقات یہ مصرعہ پڑھ کر ذکر جہری پر تنقید کیا کرتا تھا

شیریں نشود دہاں بنام شکر

ایک دن رائپور میں نہر کے کنارے بہ دورانِ ذکر ایسا محسوس ہوا کہ منہ میں شہد بھرا ہوا ہے، اس وقت دل پر القاء ہوا کہ بلا شبہ شکر شکر کہنے سے تو منہ میٹھا نہ ہوگا کہ یہ مخلوق کا کام ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اس لئے اس کے نام میں بھی تاثیر ہے اور سبح اسم ربک الاعلٰی کی تفسیر قلب پر منشرح ہوگئی، بعد میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ بھی حضرت شیخ قدس سرہ سے بار بار سنا کہ:

''اللہ تعالیٰ کا نام اگر غفلت سے بھی لیا جائے تب بھی اثر کئے بغیر نہیں رہتا''۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن جبکہ لاہور میں صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مقیم تھا۔ ذکر کے دوران عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی، زبان بند ہوگئی، اور انتہائی کوشش کے باوجود کلمہ کے الفاظ زبان سے نہیں نکل پا رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تو چونکہ ذکر لسانی کی لذت اور کیفیت سے نا آشنا تھا اس لئے تجھے یہاں بھیجا گیا تھا، اب اسی کی لذت میں اٹک گیا، جا ذکر حقیقی کی تبلیغ کر۔

میں نے آ کر حضرت کے خادم خاص جناب آزاد صاحب کے ذریعہ خوانِ باریابی حاصل کی اور عرض حال کیا تو حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے مسکرا کر فرمایا:

''الحمد للہ مقصد پورا ہو گیا۔ اب جاؤ۔۔۔ جو چاہو کرو''۔

اس سے میں نے یہ سمجھا کہ اب جو مشغلہ اختیار کیا جائے اسی میں سلوک کے منازل طے ہو جائیں گے۔

ملفوظات بروایت حضرت ڈاکٹر اسماعیل صاحب مدظلہ العالی

امراض باطنی کا علاج

امراض قلب کے لئے ہدایات تو بے شمار ہیں، دو ایک باتیں بطور نمونہ از خروارے لکھ رہا ہوں۔

وساوس کا علاج عدم التفات فرمایا کرتے تھے۔

قبض کی وجوہات میں فرماتے تھے کہ بسا اوقات گناہوں کی وجہ سے بالخصوص بدنظری سے ہوجایا کرتا ہے اور اس کا علاج توبہ واستغفار ہے۔ بندہ نے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ ذکر کی مجلس میں اپنے بعض دوستوں کو آگے بٹھاتا ہوں اور خود پیچھے بیٹھ کر بعض ضربیں اپنے دل کے بجائے ان کے دل پر لگاتا ہوں جس کا نفع وہ بھی محسوس کرتے ہیں لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا نہیں ہے۔ اس لئے معلوم نہیں میرا طریقہ صحیح ہے یا غلط۔ حضرت قدس سرہ نے اس کی تصویب فرمائی اور فرمایا ضرور کرو، مفید ہے۔

وارد قلبی کا حکم

۱۳۸۹ھ جبکہ بندہ کا قیام کراچی میں تھا اور زیادہ وقت خلوت میں گزرتا تھا تو اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنے کا ارادہ کرتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب بتلا دیا۔ اس طرح قلب پر وارد ہوتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حال مع مثالوں کے لکھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصویب فرمائی اور تنبیہ بھی فرمائی کہ اگر خلاف شرع کوئی بات ہو تو اس پر عمل نہ کرو۔

چند واقعات

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کھانا کھانے کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سُنانا چاہا، لوگ متوجہ ہوگئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھانا بند کر کے مت سُنو، کھانا بھی کھاتے رہو اور میری بات بھی سُنتے رہو، پھر یہ قصہ سُنایا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ خانہ کعبہ کا غلاف پکڑے زار و قطار بے اختیار رو رہا ہے مگر جب میں نے اس کے دل کی طرف توجہ کی تو معلوم ہوا کہ اس کا دل خدا کی طرف ایک منٹ کے لئے بھی متوجہ نہیں ہوا ہے۔ پھر وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظّمہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ انگور کی ایک ٹوکری لئے صبح سے شام تک بیچتا رہا، اس کے دست و پا اور زبان تو خرید و فروخت میں مشغول ہیں لیکن جب میں نے اس کے دل میں جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا دل ایک سیکنڈ کے لئے بھی خدا کی طرف سے غافل نہیں۔ اسی طرح میری باتیں بھی سُنتے رہو۔

ملفوظات بروایت مولانا معین الدین صاحب

تصوّف کی تعلیم سے پہلوتہی پر تنبیہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں میرے کتاب پڑھنے کی وجہ سے آنے جانے والے مجھے ملاقات کا ذریعہ بناتے تھے، میں اکثر لوگوں کو مخصوص خدام کی جانب متوجہ کردیا کرتا تھا جو اس کام کے لئے گویا حضرت کی طرف مقرر کردہ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ کلکتہ سے ایک صاحب بھائی صادق رمضان گزارنے کے لئے سہارنپور آئے، ان کو بیعت اور سلوک کی تعلیمات پر کچھ اشکالات تھے۔ وہ حضرت سے گفتگو بھی کرنا چاہتے تھے اور ذکر بھی سیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے مسلسل اصرار کے بعد ایک روز میں ان کو لے کر ہمت کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معتکف میں پہنچا اور ایک ہی دو جملے کہنے پایا تھا کہ حضرت نے تنبیہ فرمائی کہ:

''تم نے خود ان کو مطمئن کیوں نہیں کردیا اور خود ذکر کیوں نہیں سکھا دیا، ہم نے تم کو اجازت دی ہے اور تم کو بیعت کرنے کے متعلق لکھا بھی ہے، کیا اس کے لئے کوئی دستاویز لکھ کر دوں''؟

اور صادق بھائی سے فرمایا کہ:

''آپ انہیں سے گفتگو کرلیں اور انہیں سے ذکر سیکھ لیں''۔

حضرت اقدس کی یہ تنبیہ بھی اعلیٰ درجے کی تربیت تھی اور رجال سازی جس کی فکر حضرت اقدس کو ہمیشہ رہی اور نہ معلوم کتنے ہزار افراد کو حضرت اقدس کے اسی انداز تربیت نے کام کا آدمی بنا دیا، یہ واقعہ بھی اسی شعبے کا ایک جز تھا۔

ملفوظات بروایت مولانا محمد طاہر صاحب

تدریس کی اوّلیت

حضرت شیخ الحدیث صاحب کو دفتری کاموں کی زیادتی کے سبب میری مجبوری کا بخوبی علم تھا، اس لئے حضرت نے اس سلسلہ میں کوئی خاص ہدایت نہیں فرمائی مگر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش ضرور تھی اور حضرت اقدس یہ چاہتے تھے کہ میں دفتری کام سے درس وتدریس کے شعبہ میں منتقل کر دیا جاؤں اور انہوں نے کئی بار حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ آپ نے طاہر کو کہاں پھنسا دیا اس کو تو تعلیمی شعبہ میں رکھنا چاہئے تھا۔

کبھی ارشاد فرمایا کہ اس کو ایک آدھ سبق دے کر تو دیکھئے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے یہ کہا کہ اس کی صلاحیت سے میں واقف ہوں لیکن نہ معلوم کن مواقع کے تحت انہوں نے مجھے تعلیمی شعبہ میں نہیں لیا، اگر تدریسی شعبہ میں ہوتا تو شیخ کی خواہش کے پورا ہونے کا کچھ سامان ہو جاتا۔

تبلیغ و مدارس کے قیام کی ہدایت

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرّہ نے تبلیغی کام کی اہمیت پر بار بار زور دیا اور اس میں حتی الامکان تعاون کی ہدایت فرمائی اور مدرسہ دینیہ قائم کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی مگر میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ان کاموں میں پورے طور پر حصہ نہ لے سکا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک شاخ رائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی بستی سے تھوڑے فاصلے پر قائم کی گئی ہے جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کورس کے مطابق سوم عربی تک تعلیم دی جاتی ہے اور حفظ قرآن کا بھی اہتمام ہے اس کی نظامت احقر کے سپرد کی گئی ہے۔ اس کے کچھ ذیلی مکاتب شہر کے مختلف گوشوں میں قائم کئے گئے ہیں۔

ملفوظات بروایت مولانا نجیب اللہ صاحب

☆ سہارنپور میں ایک مرتبہ حضرت قدس سرّہ سے عرض کیا کہ حضرت جب ذکر شروع کرتا ہوں تو شہوت پیدا ہوتی ہے اور جوں جوں ذکر میں زور اور انہماک ہوتا ہے شہوت میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ اس پر حضرت قدس سرّہ نے فرمایا اس کی طرف دھیان نہ کیا کر ذکر کرتا رہ، یہ کیفیت خود ہی ختم ہو جائے گی۔

☆ ایک مرتبہ عرض کیا حضرت وساوس بہت آتے ہیں تو فرمایا: اس کی فکر نہ کیا کر اپنا کام کرتا رہ، لاحول اور استغفار کثرت سے پڑھتا رہا کر کہ جس گھر میں کچھ ہووے ہے اسی میں چور داخل ہوتا ہے۔

☆ ایک مرتبہ عرض کیا کہ میرے اندر غصہ بہت ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آجاتا ہے۔ اس پر فرمایا: ہاں پیارے حق بات پر غصہ آنا تو ایمان کی علامت ہے باقی جب غصہ آیا کرے تو یہ تصوّر کیا کر کہ اللہ کے میرے اُوپر کتنے احسانات ہیں اور ہم سے اس کا کتنا شکر ادا ہوتا ہے؟ اگر وہ اس پر غصہ ہونے لگے اور پکڑ کرنے لگے پھر کیا ہوگا؟

☆ ایک مرتبہ ایک خادم نے ایک مہمان کو دھکا دے کر زور سے دروازہ بند کر لیا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ خادم کسی کام سے دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے، کمرہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور بندہ تھے۔ حضرت قدس سرّہ نے استفسار فرمایا کیا ہوا تھا، اس نے کسی کو دھکا دیا، بندہ نے حقیقت حال عرض کی۔ اس پر فرمایا: ''ہاں پیارے تو کسی کو دھکا نہ دیا کر''۔ بندہ نے عرض کیا حضرت میں کسی کو دھکا نہیں دیتا۔ اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: ''یہ لوگ مجھ سے معلوم نہیں کتنی محبت سے کتنی دُور دُور سے ملنے آتے ہیں اور میں ان سے اپنی بیماری اور مجبوری کی وجہ سے نہیں مل پاتا، اللہ ہی معاف فرمائے اگر وہاں پوچھ ہوگئی تو کیا جواب ہوگا، پھر روتے رہے۔

ملفوظات بروایت مولانا زبیر صاحب

کسب فیض کے لئے شرط ''معمولات کی پابندی''

بیعت کے بعد سب سے پہلی حاضری ایک ماہ کے لئے حضرت کی خدمت میں ۱۹۶۸ء میں سہارنپور میں ہوئی اور بندہ نے تخلیہ کا وقت لے کر اپنی حاضری کا مقصد اور اپنی حالتِ بد کا تذکرہ بلا تکلف کر دیا، جس پر ارشاد فرمایا کہ (اصلاح تو میری بھی نہیں ہوئی اور میری مثال نل کی سی ہے۔ مبدءِ فیض جلّ شانہ کی ذاتِ عالی ہے مگر ملے گا نل ہی کے ذریعہ۔ اس کے لئے معمولات کے اہتمام کی ضرورت ہے)۔ اور پھر ذکر بالجہر اپنے خاص حجرۂ تصنیف میں تلقین فرمایا۔

ملفوظات بروایت مولانا اشتیاق احمد صاحب

وساوس پر حضرت کی نظر

سہارنپور کی اس پہلی حاضری کا واقعہ ہے، غالباً پہلا دن تھا۔ عصر کے بعد کی مجلس میں یہ عاجز بیٹھا تھا۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ بالکل خاموش تشریف فرما تھے۔ دل میں یہ خطرہ گزر رہا تھا کہ اس طرح بیٹھے رہنے سے کیا حاصل کہ معاً حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ گویا ہوئے اور فرمایا: (مفہوم یہ تھا) کہ مجھے مولانا وصی اللہ صاحب کا یہ مقولہ بہت پسند آیا کہ جو شخص مجلس میں میرے خاموش رہنے کو اپنے لئے مفید نہ سمجھے وہ میری مجلس میں نہ آئے۔ یہ سُننا تھا کہ میں ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

حضرت کی دعا سے شفایاب ہونا

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی دعا کی قبولیت و برکت کا ایک دوسرا واقعہ بھی میری زندگی میں بہت نمایاں ہے جس کا کھلے آنکھوں مشاہدہ ہوا اور جس کا تذکرہ میں اپنے احباب سے بارہا کر چکا ہوں کہ مجھے بچپن سے دانتوں سے خون نکلنے کی سخت شکایت تھی۔ بعض اوقات کلّی کرتے وقت دانتوں سے خون نکلنا شروع ہو جاتا اور آدھ آدھ گھنٹہ کلّی کرتا رہتا تھا۔ دانتوں سے پھل کھاتا تو پھل پر خون کے نشانات آجاتے تھے، تقریباً پندرہ سال سے یہ شکایت تھی۔ یونانی، انگریزی اور ہومیوپیتھک ہر طرح کے علاج کر کے تھک چکا تھا۔ خون آنے میں معمولی سی کمی بھی واقع نہیں ہوئی تھی۔ سہارنپور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں ماہ مبارک گزارنے کے ارادہ سے حاضری ہوئی، ملاقات کے وقت رُوحانی وجسمانی امراض سے شفاء کی درخواست کی۔ ماہ مبارک ہی میں دیکھا کہ خون کا آنا بند ہو گیا ہے، دو چار دن تو اتفاق پر محمول کیا مگر الحمدللہ وہ دن ہے اور آج کا دن تقریباً ۱۶۔ ۱۷ سال ہو گئے خون نہیں آیا۔ اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے جن کو میں نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت پر محمول کیا مگر چونکہ یہ دلیل ولایت نہیں اس لئے ان کے تذکرہ سے پہلوتہی کرتا ہوں۔

سرکاری امداد مدارس کے لئے مضر ہے

ہمارے مدرسہ میں چند سال ہوئے ممبران و منتظمین واساتذہ میں یہ بات چلی کہ مدرسہ کو "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ بہار" جو گورنمنٹ کا ادارہ ہے اور بہار کے اکثر و بیشتر مدارس اس سے ملحق ہیں اس مدرسہ کو بھی اس سے ملحق کر دیا جائے۔ میں نے حضرت اقدس کو اس سے مطلع کیا اور اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جواب مرحمت فرمایا، جس میں الحاق کا ضرر بلکہ بغیر الحاق کے بھی کسی نوع کی سرکاری امداد قبول کرنے کا نقصان بیان فرمایا۔

ملفوظات بروایت مولانا کفایت اللہ صاحب

ڈانٹ کا پہلا واقعہ

حضرت قدس سرہ نے داخل سلسلہ فرما کر اپنا نظام الاوقات بیان فرمایا اور ساڑھے گیارہ بجے دوپہر کو بوقتِ طعام حاضر ہوجانے کا حکم فرمایا۔ احقر پانچ سات منٹ تاخیر سے پہنچا ہاتھ دھو کر دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ حضرت قدس سرہ نے ڈانٹ کر فرمایا: او مولوی صاحب اُٹھ جاؤ، بازار جاکر کھالو، سخت ڈانٹ پلائی۔ احقر دسترخوان پر ہی بیٹھا رہا۔

دوسرا قصہ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب پالنپوری کے انتقال پر تعزیتی خط پالنپور روانہ کرنا تھا۔ حضرت قدس سرہ کو پتہ یاد نہیں تھا، حضرت کے خادم پوسٹ کارڈ حضرت کی طرف سے پتہ لکھوانے احقر کے پاس حاضر ہوئے۔ احقر نے خود پتہ لکھنے کے بجائے خادم سے لکھوانا شروع کیا اس میں قدرے تاخیر ہوگئی۔ حضرت قدس سرہ نے خادم سے فرمایا تاخیر کیوں ہوئی؟ خادم صاحب نے وجہ بیان فرمائی کہ پتہ لکھوانے میں دیر ہوگئی۔ حضرت اقدس اس پر ناراض ہوئے کہ خود پتہ کیوں نہیں لکھا اور غصہ میں پوسٹ کارڈ پھاڑ دیا۔ احقر معلوم ہونے پر معافی کے لئے حاضر خدمت ہوا، اس پر حضرت کی طرف سے ڈانٹ پڑی۔

تیسرا قصہ مولانا حبیب اللہ صاحب گجراتی موضع ڈینڈرول نے اپنے حالات حضرت اقدس کو مدینہ منورہ روانہ کئے۔ حضرت قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا، اس خط کو محفوظ رکھیں جب میں ہندوستان آجاؤں مجھے بتلائیں۔ مولانا موصوف ماہِ مبارک میں جب کہ حضرت والا سہارنپور معتکف تھے۔ احقر کے ساتھ وہ خط لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضرت والا نے وہ حالات غور سے سُن کر موصوف کو روانہ کر دیا اور احقر سے فرمایا تو میری طرف سے ان کو بیعت کی اجازت دیدے۔ بندہ یہ حکم سُن کر کانپ گیا اور ایک عریضہ معذرت کا لکھ کر حضرت قدس سرہ کو پیش کیا۔ اس پر احقر کو سخت ڈانٹ پڑی اور ارشاد فرمایا میرے نزدیک تو وہ بن گیا ہے اگر تیرے نزدیک نہ بنا ہو تو بیعت کی اجازت نہ دے۔ آخر احقر نے حضرت کی طرف سے بیعت کی اجازت دیدی۔

ملفوظات بروایت مولانا یحییٰ مدنی صاحب

تربیتی ارشادات

☆ ایک مرتبہ معتکف میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ کبر بہت ہے، فرمایا کہ ''کس میں نہیں ہے۔ نکل جائے گا، کام کرتے رہو''۔

☆ ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ویرانہ مکان ہے اور بہت سے سانپ جگہ جگہ ہیں بندہ ان کو مار رہا ہے۔

☆ ایک دفعہ حضرت والا سے عرض کیا کہ مجلس میں حضرت والا کے ارشادات سُن کر دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور مر مٹنے کے جذبات وعزائم پیدا ہو جاتے ہیں لیکن یہ کیفیت ہمیشہ باقی نہیں رہتی (رمضان میں حضرت قدس سرّہ مغرب اور عشاء کے درمیان کی مجلس میں خود کچھ واقعات اپنے اور کچھ اپنے اکابر کے سُنایا کرتے تھے) ہنس کر فرمایا کہ:

''بھئی ہمارا تو جذبہ بھی نہیں بنتا''

☆ اعتکاف میں ہی ایک دن عرض کیا کہ طبیعت چاہتی ہے کہ یکسوئی سے ایک عرصے تک حضرت والا کے پاس رہ لوں۔ فرمایا کہ:

''بھائی اصل تو کام ہے۔ البتہ اتنی بات ہے کہ کسی نہ کسی دھانے سے جڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم جڑے ہوئے ہو''۔

☆ بندہ کیونکہ مستقل تبلیغ میں تھا اس لئے ایک دن بندہ کو اور ایک خاص تعلق دار کو بہت اہتمام سے متوجہ کر کے فرمایا کہ:

''غور سے سُنو! اگر کوئی شخص تبلیغ میں نہ لگتا ہو اور ذکر شغل کرتا ہو اسے حقیر نہ جانیو''۔

☆ شبِ قدر کا اعلان

اکیسویں شب کی مغرب میں بارش ہوئی، حضرت والا پر جلال تھا۔ عشاء کے بعد

تراویح وکتاب سے فراغ پر فرمایا کہ:

''پیارو! کچھ کرلو۔ آج شبِ قدر ہے''

معتکف کے اندر جا کر چند خصوصی خدام جو تیل لگاتے اور بدن دباتے تھے ان کو بھی تھوڑی ہی دیر بعد رخصت فرمادیا کہ جاؤ کچھ کرلو۔ ایک خادم نے عرض کیا حضرت والا نے تو آج شبِ قدر ہونا فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

''مجھے تو مغرب کے فرضوں میں ہی خیال ہوگیا تھا اور پھر بارش نے میرے اس خیال کو اور مؤکد کردیا''۔

ملفوظات بروایت مولانا فقیر محمد صاحب

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا خط رمضان سے قبل ہی آجاتا تھا جس میں ہمیشہ یہ فرماتے، پیارے اگر تو رمضان میرے ساتھ گزارے تو زیادہ مفید ہے بشرطیکہ میرا اسہار نپور آنا ہو ورنہ اپنے یہاں کام کرتے رہو۔ اور جب میں حاضر ہوتا تھا تو فرماتے کہ تمہارے جیسے لوگوں کی یہاں ضرورت ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور تمنا

حضرت اقدس ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ بڑوں کو تبلیغ اور بچوں کو تعلیم دیا کرو۔ زور شور نہ باندھو۔ ایک خط میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ کوئی مسجد امامت کے لئے مل جائے بلا تنخواہ کیوں نہ ہو ضرور امامت کرو اور مختلف خطوط میں اکثر یہی تاکید فرماتے رہے کہ بڑوں کو تبلیغ اور بچوں کو تعلیم دیا کرو اور مکتب جاری کرنے پر مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔

ملفوظات بروایت مولانا عبدالرحیم متالا صاحب

بزرگوں کا وجود سدّ سکندری ہے

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کا وجود حوادث اور فتن کے لئے سدّ سکندری ہوتا ہے، مجھے بڑا فکر ہو رہا ہے۔ اور کچھ ہی دنوں کے بعد ہند و پاک میں جنگ شروع ہو گئی تھی ان دنوں (حضرت جی کے وصال کے بعد جب ہم لوگ دوپہر قیلولہ کے بعد ظہر کی اذان پر حضرت کو لینے جاتے تو اکثر فرماتے کہ نیند نہیں آتی۔ اور اکثر یہ شعر پڑھتے:

نیند بھی فرقت میں کھا بیٹھی ہے نہ آنے کی قسم
خواب میں دیکھنے کا آسرا بھی جاتا رہا

جب ۱۹۶۵ء میں ہند و پاک جنگ شروع ہوئی، وہ دن بھی بڑے سخت تھے۔ انہی دنوں میں حضرت نے یٰسین شریف کا ختم عشاء کے بعد مدرسہ قدیم کی مسجد میں شروع کرایا۔ چونکہ جنگ کی وجہ سے شہر میں بجلی بالکل بند رہتی تھی اور جن سنگھ کے نوجوان غروب ہوتے ہی گلیوں میں منظم طریقہ پر پہرہ دیتے اور رات بھر جاگتے۔ چھوٹا سا بلب بھی کہیں جلتا ایک شور اور ہنگامہ مچا دیتے۔ عشاء کے بعد کوئی راہ گذر ملتا، باز پرس کرتے۔ دن کے وقت میں شہر میں جانے میں ہندو مسلمانوں کو گھور گھور کر دیکھتے۔ ہر طرف خبروں کا تبادلہ اور جنگ کے تذکرے ہوتے، فضا میں عجیب کشیدگی اور خوف ہوتا۔ لیکن الحمد للہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وجود باوجود کی برکت نمایاں تھی کہ کسی قسم کا ذرّہ برابر کوئی خوف و ہراس خدام کے دلوں میں محسوس نہیں ہوتا تھا۔

بھائی تو ہم سے تو گیا

تیسرے سال احقر کی شادی طے ہوئی۔ حضرت سے اجازت لے کر ایک ماہ کے لئے گھر جانا ہوا۔ بقرہ عید کے دنوں میں شادی ہوئی تھی۔ جب سے شادی کا تذکرہ ہوا

تھا، حضرت سے برابر صلاح مشورہ ہوتا رہا اور حضرت کے مشورے سے الحمد للہ سب طے ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت فرمانے لگے، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم کی شادی طے ہوئی۔ انہوں نے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا تذکرہ اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا دعا تو ضرور کروں گا "لیکن بھائی تو ہم سے تو گیا"۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضرت کو بچہ کا مژدہ سنایا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے جواب دیا، دعا تو ضرور کروں گا "لیکن بھائی تو تو اپنے آپ سے بھی گیا"۔

ملفوظات بروایت الحاج احمد ناخدا صاحب

☆ ایک صاحب نے ایک مرتبہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ میں باب جبرائیل کے قریب عجب کا علاج دریافت کیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کثرت ذکر اور درود شریف تمام باطنی امراض کے لئے مفید ہے۔ ایک مرتبہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے لئے فضائل صدقات اور الاعتدال پڑھنے کے لئے فرمایا۔

☆ ایک مرتبہ میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ موجودہ فتنوں سے کس طرح بچا جائے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

''سنت کی اتباع کرو اور استغفار اور درود شریف ہر روز جتنا کثرت سے ہو سکے پڑھتے رہو۔ اس سے تمام فتنوں سے حفاظت رہے گی''۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''آیۃ الکرسی اور تین قل بھی ہر نماز کے بعد تجویز فرمایا، کہ اس سے تمام گناہوں سے حفاظت ہو گی''۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص نصیحت یہ تھی کہ ''ایک دوسرے سے جھگڑا کرنے سے احتیاط کرو اور موت کو بکثرت یاد کرو''۔

☆ ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ ''تمام موجودہ گناہوں سے حفاظت کے لئے مراقبہ دعائیہ بہت مؤثر ہے''۔

ملفوظات بروایت مولانا رشید الدین صاحب

''ذکر جہری سراً'' کرنے میں مضائقہ نہیں

میں نے ایک خط میں حضرت کو لکھا کہ بعض مرتبہ سفر کے دوران ریل میں ہوتا ہوں یا جلسہ وغیرہ میں جانا ہوتا ہے تو قیام گاہ میں اجنبی لوگ ہوتے ہیں یا سوتے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں بارہ تسبیح جہراً کس طرح کی جائے۔ مدینہ منورہ سے جواب آیا کہ عوارض کی وجہ سے اگر بارہ تسبیح سراً کرلی جائے تو مضائقہ نہیں۔

ایک تجربہ سو اشخاص پر

مدرسہ کے بعض احباب کے احوال شیخ کے سامنے آئے تو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ اپنا ایک تجربہ لکھتا ہوں جو کم از کم سو اشخاص پر میں نے کیا ہوگا کہ مخالف سے ہرگز انتقام کا ارادہ نہ رکھیں۔ اپنا تعلق مالک سے رکھیں کہ سب سے بہتر انتقام لینے والا وہی ہے۔ اپنی طرف سے ہر مسلمان کے ساتھ صلاح وفلاح کا ارادہ رکھیں اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کردیں۔

میں نے آپ بیتی میں اس قسم کے کچھ واقعات لکھے ہیں۔ سال گزشتہ مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا کہ وہ مضمون میں نے اپنے مدرسہ کے اساتذہ کو سُنایا۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا:

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست
تر ادانند جواناںِ سعادت مند پند پیر دانا را

ملفوظات بروایت مفتی ولی حسن صاحب

تربیت کے چند واقعات

تربیت کے سلسلے میں حضرت کے کئی فرمودات یاد تھے، اب کچھ یاد نہیں ہیں۔ ایک بات یاد آرہی ہے۔ ایک بار میں۔ نے عرض کیا کہ ذکر چھوٹ گیا اور درمیان میں کافی عرصہ گزر گیا۔ حضرت نے تحریر فرمایا: جب اس طرح ذکر چھوٹ جایا کرے تو غسل کر کے عطر وغیرہ لگا کر دو رکعت توبہ کی نیت سے پڑھ کر پھر ذکر شروع کرو۔ وساوس کی شکایت کی تو فرمایا: اس کا علاج بھی کثرتِ ذکر ہے اور وساوس کا علاج اس کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔

ملفوظات بروایت مفتی محمود الحسن

حضرت شیخ قدّس سرّہ کا علوِ مرتبت

حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے مختلف مجالس میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے متعلق بہت سارے واقعات بیان فرمائے۔ جن میں چند درج ذیل ہیں:

سہارنپور میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شخص نے دعوت کی۔ حضرت نے قبول فرمالی۔ اس نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی بھی دعوت کی حضرت شیخ نے انکار کردیا۔ انہوں نے جا کر حضرت سہارنپوری سے عرض کردیا کہ حضرت میں نے میاں زکریا کی دعوت کی انہوں نے قبول نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا کہ:

"کیوں میاں زکریا! تم نے کیوں دعوت قبول نہیں کی، انکار کردیا؟ چلو ان کے ہاں"۔

راضی ہوگئے، اچھی بات، گئے اور جا کر کھانا بھی کھایا۔ واپس آ کر اُنگلی حلق میں ڈال کر قے کردی جو کچھ کھایا تھا۔ کسی نے پوچھا حضرت کیا بات تھی؟ بتاتے نہیں تھے، مگر ہر ایک کا منہ چڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اصرار کرکے پوچھ ہی لیا۔ فرمایا کہ:

"اصل بات یہ ہے کہ اس شخص کا کھانا جائز نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کی آمدنی حرام ہے، سود لیتا ہے اس لئے میں نے انکار کردیا تھا اور حضرت کو علم نہیں تھا حضرت نے قبول کرلی تھی۔ حضرت کے لئے قبول کرنا جائز ہوا، میرے لئے انکار کرنا درست ہوا۔ اس نے میرے حضرت سے مجھ پر زور ڈلوایا۔ اب میں پریشانی میں مبتلا ہوا کہ اگر وجہ بتلاتا ہوں تو اس کی حضرت کی نظروں میں تحقیر وتذلیل ہوتی ہے، نہیں بتاتا تو حرام کھانا لازم آتا ہے، تو میں نے سوچا کہ حرام کی اذیت میری ذات تک محدود ہے، اس کا عیب نہیں کھلے گا، اس کی تحقیر وتذلیل نہیں ہوگی اس لئے میں نے اس کو برداشت کرلیا۔ جا کر کھانا کھالیا اور پھر آ کر میں نے قے کرکے نکال دیا۔ الحمد للہ میں تو اس سے محفوظ رہا۔ حضرت کی طبیعت البتہ خراب رہی"۔

حضرت کا فیض

حضرت مولانا جعفر صاحب پور بوی (خلیفہ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب) نے اپنے خواب کی تعبیر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کی تھی۔ خواب یہ تھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے ہیں اور وہ سارے عالم میں ایک ایک ٹکڑا کر کے بانٹ رہے ہیں اور مولانا جعفر صاحب کے پاس ایک طشت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سر مبارک پیش کیا گیا ہے۔

حضرت نے جواب بیان فرمایا تھا کہ:

''میری تالیفات چونکہ جگر کے ٹکڑے ہیں اور سارے عالم پڑھی جاتی ہیں، اس لئے یہ نقشہ دکھلایا گیا''۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے موصوف کو بھی لکھا اور اس کا خلاصہ اس ناکارہ کے پاس بھی بھیج دیا۔ حضرت کے جواب اور ان کے خواب کے متعلق یہ خیال پیدا ہوا کہ اس میں تو رُوحانی نیابت کے استحقاق کا پہلو نکلتا ہے اس لئے میں نے حضرت شیخ کو لکھ دیا کہ ''حضرت کا نائب تو کوئی خادم ہی ہوگا موصوف (مولانا جعفر) تو غیر متعلق ہیں''۔ اس میں چونکہ ایہام اپنے استحقاق کا ہو سکتا تھا اسی لئے حضرت نے سخت نکیر فرمائی تھی۔

خواب و کشف میں فرق

اسی طرح ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اگر کسی کو عالم واقعہ میں ہو تو وہ بڑھا ہوا ہے یا عالم خواب میں زیارت کرنے والے کا درجہ بڑھا ہوا ہے؟ حضرت نے اس ناکارہ سے دریافت فرمایا: بولو کون بڑھا ہوا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ عالمِ واقعہ میں زیارت کرنے والے کا درجہ بڑھا ہوا ہے، اس لئے کہ اس میں انتہائی غفلت نہیں ہوتی مگر اس کے برعکس خواب میں انتہائی غفلت ہوتی ہے تو حضرت نے نکیر فرمائی کہ:

''خواب کی زیارت کا شرف تو صحیح حدیثوں میں منصوص ہے مگر کشف کا منصوص نہیں ہے، اس لئے خواب کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ الّا یہ کہ کوئی بڑے درجہ کا ولی کامل صاحب مشاہدہ وکشف ہو تو دوسری بات ہے''۔

غیر اللہ کی محبت کا علاج

ایک بار حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
''اگر سالک ذاکر جس کو ذکر جہری کا سبق ملا ہو، غیر اللہ کی محبت میں مبتلا ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ اللہ کے ذکر میں لفظ اللہ کے پیش کو مجہول پڑھے ورنہ اللّٰہُ کے پیش کو معروف پڑھے''۔

وقت کی قدر کی جائے

فرمایا: اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچاننی چاہئے۔ حدیث میں آتا ہے:

''فلیتزود العبد من نفسه لنفسه ومن حیاته لموته ومن شبابه لکبره ومن دنیاه لآخرته''۔

بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے اور زندگی موت سے پہلے اور نوجوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادِ راہ تیار کر لے۔

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے
یہ جزرومد جواہر کی لڑی ہے

عبودیت واطاعت کا ثمرہ

فرمایا: میرے دوستو! مالک کے سامنے جھک جاؤ تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی۔ صحابہ کرام کے قصے معلوم ہیں۔ ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر چند صحابہ کو ساتھ لے کر

ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا:

"ایها الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول الله ﷺ فارحلوا فانا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه"۔

"اے زمین کے اندر رہنے والے جانوروں اور درندو! ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے"۔

یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جوان درندوں اور موذی جانوروں میں دوڑ گئی اور وہ اپنے بچوں کو اُٹھا اُٹھا کر سب چل دیئے۔ (اشاعہ)

بوستان میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ چیتے پر سوار تھے، ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا تو اس بزرگ نے کہا:

تو از حکم داور بگردن نہ پیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکمِ تو ہیچ

اظہار و حقیقت میں فرق

فرمایا: ہم لوگ اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناکارہ وسیہ کار لکھتے ہیں مگر یہ رسم بن گئی ہے۔ اگر کسی مجمع میں کوئی اعتراض کر دے تو مُن کر دماغ کھولنے لگتا ہے، حالانکہ اگر ماننے کی بات ہے تو اس پر ناگواری کیسی، اس کو ضرور ماننا چاہیئے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"

میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

خصوصیت سے جو لوگ ذاکر و اجازت یافتہ ہیں، ان کے اخلاق ایسے ہونے چاہئیں کہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنیں، نہ کہ اُکھڑنے کا اور متنفر ہونے کا۔

افراط و تفریط سے اجتناب

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں کو بُرائیوں کے ساتھ ذکر نہ کرو، بلکہ ان

کی بھلائیوں کا تذکرہ کرو۔ ہم لوگ اس قدر افراط وتفریط میں مبتلا ہیں کہ تعریف میں تو کسی کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں، اور کسی کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى"۔

''کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرلے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو، انصاف اختیار کرو۔ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔

ذکر الٰہی میں فتنوں سے حفاظت ہے

فرمایا: آج ہمارے مدارس میں ساری خرابیاں اسٹرائک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر'' زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہوجائیں تو قیامت آجائے گی''۔ یہی حال مدرسوں کی بقا کا ہے۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے، اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا۔ اللہ اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ۔ اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا، اللہ کا ذکر حوادث وفتن میں سدِّ سکندری ہے۔ پہلے زمانے میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی۔

معاصی پر ندامت

رذائل سے کون خالی ہے۔ **"کلکم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون"**۔ معصیت کو ہلکا تو سمجھنا نہیں چاہئے۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے لیکن معصوم ہونا انبیاء کی شان ہے۔ اپنے معاصی کو یاد کرکے جتنا ہوسکے اُتنا ہی رویا کرو۔

دو روپے کا سوئٹر پندرہ برس

تقسیم ہند کے موقع پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام نظام الدین میں چار مہینے تک رہا، اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''جب یہ ناکارہ اخیر شعبان میں نظام الدین گیا تو گرمی کا زمانہ۔ صرف ایک کُرتا، پاجامہ لنگی ساتھ تھی۔ اس زمانے میں میرا دستور یہی تھا کہ جمعہ کے دن لنگی باندھ کر دھونے والوں کو کپڑے دے دیئے اور وہ دھونے والے آپس میں لڑتے بھی تھے کہ کون دھوئے۔ اس لئے بھی کوئی اشکال نہ ہوتا تھا۔ دو تین گھنٹہ میں سوکھ گئے تو پہن لئے، اس لئے استعمال کا کوئی کپڑا ان تین کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ چار ماہ وہاں محبوس رہنا پڑا، اس میں خوب سردی آ گئی۔ کپڑا خریدنے کا کہاں موقع تھا کہ دہلی آنا تو بہت خطرناک تھا۔ میرے مخلص دوست صوفی اقبال ہوشیار پوری ثم الباکستانی ثم المدنی بھی میرے ساتھ محبوس تھے۔ وہ میری سردی کو محسوس کر کے ایک فوجی سے دو روپے میں ایک سوئٹر خرید کر لائے تھے۔ میں سوئٹر پہننے کا نہایت مخالف تھا، بلکہ مجھے اس سے نفرت تھی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی نہ پہنا اور نہ اپنے بچوں کو پہنایا مگر مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے۔ میں نے اس کو پندرہ برس تک پہنا۔ اس کے بعد میرے ایک دوست مرحوم، وہ کئی سال سے مجھ پر مصر تھے کہ اس سوئٹر کا قصور معاف کر دو اور یہ بطور تبرک مجھے دے دو۔ میں اس کو اپنے کفن میں رکھوالوں گا اور میں ان سے یہ کہتا کہ دو روپے کا جب مجھے اور ملے گا تب دوں گا، مگر دو روپے کا کہیں نہیں ملتا تھا۔ پندرہ برس کے بعد انہوں نے ایک نیا سوئٹر مجھے لا کر دیا اور کہا واقعی دو روپے کا لایا ہوں۔ مجھے یقین تو نہ آیا مگر میں نے دو روپے اور اپنا سوئٹر ان کے حوالے کر دیئے''۔ (آپ بیتی جلد ۵ ص ۲۱)

بازار سے بے تعلق

ایک بار درسِ بخاری میں فرمایا:

''پوری عمر میں ایک مرتبہ بازار سے چار پیسے کے پان خریدے ہیں، وہ بھی حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی اہلیہ محترمہ کے لئے، ورنہ زندگی بھر کوئی چیز بھی نہیں خریدی''۔ (بیاض مولانا عبدالرحیم متالا)

تواضع و کسر نفسی

فرمایا: ''صاحب کمال جتنی زیادہ ترقی کرتے ہیں اتنی ہی ان میں تواضع زیادہ ہوتی

ہے۔ اخیر میں یہ ہوجاتا ہے کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ کون بُرا ہوگا''!
(بیاض مولانا عبدالرحیم متالا)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ اسی معراج کمال پر فائز اور انتہائی تواضع کے حامل تھے۔ ارشاد فرماتے تھے:

''میں بلا تواضع و تصنع بہت سی مرتبہ ختمات میں اس واسطے نہیں جاتا کہ میری وجہ سے اوروں کی دعائیں ردنہ ہوجائیں، لیکن اوروں کو چونکہ اہمیت اس ناکارہ کی زیادہ ہوتی ہے اس لئے مجبوری کو جاتا ہوں''۔

اپنے عیوب ونقائص کا استحضار ہی تواضع کی اصل رُوح ہے اور بعض اہل حال کی زبان فرطِ حیا کی وجہ سے دعا سے گنگ ہوجاتی ہے، لیکن حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ پنبہ و آتش اور شیشہ دا آہن کی جامعیت رکھتے تھے۔ اس لئے اپنی اپنی جگہ دونوں کا حق ادا فرماتے تھے۔ ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''پیارے میں اور میری توجہ جیسی ہے وہ مجھے ہی معلوم ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جتنی بُرائیاں آرہی ہیں وہ میری وجہ سے آرہی ہیں، لیکن مالک سے مانگے بغیر چارہ نہیں، فقیروں کا کام تو مانگنا ہی ہے۔ اس کے کرم سے بعید نہیں کہ جو امیدیں دوست لگائے بیٹھے ہیں وہ پوری ہوجائیں۔ اللہ کے احسانات اُمت کے حال پر لاتعدو لاتحصی ہیں مگر اُمت خود معاصی میں اتنی گرفتار ہے۔ جتنا کرم بڑھتا جارہا ہے، نافرمانیاں بڑھتی جارہی ہیں''۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ اپنے متعلقین کی اصلاح کے لئے ان کی کوتاہیوں پر نکیر بھی فرماتے تھے، لیکن عین اس حالت میں بھی یہ استحضار رہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرا حال تو تمہیں معلوم ہے کہ اپنے کو سب سے زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں، اس لئے دوسروں کی لغزش اور گناہوں پر غصہ بہت کم آتا ہے، البتہ جہاں کہیں انتظام میرے متعلق ہوتا ہے وہاں انتظاماً غصہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوتا ہوں اور بمصالح مدرسہ تغیر وتبدل بھی ضروری سمجھتا ہوں''۔ (مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا، ۱۰ جولائی ۱۹۷۸ء)

غلبۂ تواضع کی وجہ سے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو اپنے عقیدت مندوں کی جانب

سے تعریف وستائش کا کوئی لفظ سُننا گوارا نہیں تھا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محب صادق مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہم کی فرمائش پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ نے ایک قصیدہ میں حضرت نور اللہ مرقدہ کے اوصاف نظم کئے۔ ''وصف شیخ'' کے نام سے یہ قصیدہ مع شرح کے شائع ہوا تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مولانا متالا صاحب زید مجدہم کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''مفتی صاحب نے کلکتہ میں جو نظمیں کہیں وہ تو برحق، لیکن تم نے اس سیاہ کار کے متعلق جو فرمائش کی وہ بالکل بے محل ہے۔ میرے پیارے! مجھے ایمان پر مرنے دو، پھر جو چاہے لکھتے رہو۔ "ان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ" اگر ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو تمہارے سب کے حسن ظن صحیح ہیں اور اگر خدا نہ کرے۔۔۔۔۔ خدا نہ کرے کوئی دوسری صورت ہوئی تو تم ہی بتاؤ کہ میرے علاوہ تمہاری بھی کتنی رسوائی ہوگی۔ میں تو دوستوں کو بہت منع کرتا ہوں کہ میری زندگی میں کچھ میرے متعلق نہ لکھو''۔

(مکتوب بنام محمد یوسف متالا، ۱۷ جنوری ۱۹۷۸ء)

ایک مرتبہ اپنے مخلص خادم جناب صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی کے نام تحریر فرمایا:

''میرا فیض ساری دنیا میں پہنچ رہا ہے اس کو تو تم جانو یا تمہارے مجددی صاحب جانیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں جہاں گندگی پھیل رہی ہے وہ میری وجہ سے ہے۔ عبدالحفیظ کے مکاشفے سر آنکھوں پر، اللہ جل شانہ محض اپنے فضل وکرم سے مجھ رُوسیاہ کو کسی قابل بنادے''۔ (مکتوب بنام صوفی محمد اقبال صاحب، ۱۹ نومبر ۱۹۸۰ء)

جناب مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم سے ''سوانح یوسفی'' مرتب فرمائی تھی۔ اس کا ایک باب جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے متعلق تھا حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی مدت فیوضہم سے لکھوایا اور کتاب کے اہم ابواب طباعت سے قبل حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو سُنائے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلقہ حصہ اس خیال سے نہیں سُنایا کہ اگر سُنایا گیا تو حضرت نور اللہ مرقدہ اس کو کتاب میں شامل کرنے سے منع کر دیں گے۔ طباعت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سُن کر مولف مرحوم

کے نام وہ طویل گرامی نامہ لکھوایا جو آپ بیتی جلد نمبر ا کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

عزیز گرامی قدر ومنزلت، عافاکم اللہ وسلم۔ بعد مسنون

''تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دونوں جہاں میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے منافع دینی ودنیوی سے بھرپور متمتع فرمائے۔ امید سے زیادہ بہتر لکھی''۔

''ایک باب کے سوا جو تم نے علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے لکھوایا، ساری کتاب میں بہت لطف آیا۔ البتہ یہ باب تم نے گلاب کے حوض میں ایک بوتل پیشاب کی ڈالنا، یا مہذب الفاظ میں نہایت نفیس مخمل میں پُرانے ٹاٹ کا پیوند لگا کر کتاب کو بدنما کر دیا''۔

(آپ بیتی جلد نمبر ا ص ۳)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب ''**اوجز المسالک**'' پر ایک مختصر سا مقدمہ تحریر فرمایا تھا۔ جس میں چند کلمات حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بھی آ گئے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مقدمہ تو شوق میں آتے ہی سُنا، مگر حضرت! بلا تصنع وبلا تورہ یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کی تحریرات میں کتاب کے متعلق جو ہو وہ سر آنکھوں پر کہ لوگوں کے واسطے ترغیب کا سبب ہو، لیکن اپنے متعلق اس میں جو سُنتا ہوں اس کو واقعی برعکس نہند نام زنگی کافور سے بڑی ندامت ہوتی ہے ''کاش میں اس قابل ہوتا''۔ علی میاں سے میرا مستقل اصرار اسی پر رہتا ہے''۔

''عزیز محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عزیز یوسف رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی سوانح لکھی، اور اس میں ایک

باب اس سیہ کار کے متعلق بھی تبعاً آ گیا تو علی میاں نے ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ یہ باب میں لکھوں گا اور یہ باب طباعت سے پہلے تجھے نہیں دکھایا جائے گا۔ ہر چند میں نے انہیں کہا، آؤ پہلے مجھے سُنادو، تاریخی چیزوں میں غلطیاں ہوجاتی ہیں مگر علی میاں نے کہا کہ تو نہ معلوم کس کس چیز پر قلم پھیر دے۔ چنانچہ میرا خیال صحیح ہوا اور کچھ غلطیاں ہوگئیں، اسی کے رد میں میں نے علی میاں کو ایک خط لکھا، اسی سے آپ بیتی بن گئی"۔

تم دوستوں کی دعا سے الحمدللہ آج طبیعت بہت اچھی ہے، البتہ چکر بہت آتے رہتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے دوستوں کے رات کو قرآن پاک پڑھنے کی تلاوت کو سُنتا رہتا ہوں۔

ایک آگ دبی ہے دل میں

بھائی پیارو! اپنے اپنے سامانوں کی خوب حفاظت کرو اور قیمتی سامان ہو تو معتبر آدمی کے پاس رکھ دو، ہمارے ہاں جگہ بھی کافی ہے چوری سے حفاظت کے لئے۔

عزیزانِ مجلس کا اصرار تھا کہ جلسہ کرو۔ حضرت انکار فرماتے رہے کئی دفعہ لوگوں نے تقاضا کیا تو فرمایا:

"جلسہ ہمارے بس کا نہیں ہے، جلسہ تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بس کا تھا کہ انتظام تو ہے تین ہزار کا اور آجائیں بیس ہزار آدمی۔ حضرت کی دعا و توجہ سے تین ہزار کا کھانا بیس ہزار کو کافی ہوجائے"۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ چالیس دن میں ایک بادام کھایا کرتے تھے، ان کو ضعف نہیں ہوتا تھا اور ہم پیٹ بھر کر کھا کر بیمار ہوجاتے ہیں۔ بیماریاں ساری زیادہ کھانے سے ہوتی ہیں۔

اکابرین کے یہاں بہت جگہ یہ دستور دیکھا نہ بولنے کا۔ چنانچہ چچا جان رحمۃ اللہ علیہ (مولانا الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ) کے یہاں ایک دور تھا نہ بولنے کا۔

حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کے یہاں عصر کے بعد مجلس ہوتی تھے، پانچ سات آدمی ہوتے تھے، سب چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے۔ کسی نے کوئی بات پوچھی تو حضرت نوراللہ مرقدہ نے جواب فرمایا ورنہ خاموش مجلس رہتی۔

حضرت نوراللہ مرقدہ کے یہاں ۲۸ ہجری سے لے کر ۴۴ ہجری تک رمضان حضرت ہی کے پاس گزارے۔ تقریریں وغیرہ نہیں ہوا کرتی تھیں بس اندر ہی میں بیٹھ جاتا تھا۔

پہلے زمانے میں گرمی کا رمضان ہوا کرتا تھا، میں رات بھر قرآن پاک یاد کرتا تھا۔ عشاء کے بعد شروع کرتا تھا تراویح کا پارہ اور نفلوں میں اس کو پڑھا کرتا تھا، رات دن میں اس کی کوشش ضرور رہتی تھی کہ تیس پارے پورے ہو جائیں۔

اس زمانے میں سہارنپور میں فقیروں کا دستور تھا کہ زور زور سے اچھی اچھی لے لگایا کرتے تھے، ''ہاتھوں سے کام لو دل سے بگو''۔

میرے پیارے دوستو! ہم تو ختم ہو گئے۔ تمہارا زمانہ کچھ کرنے کا ہے، اندر سے غافل نہ ہو۔ میرے پیارو! قصہ سے کچھ نہیں ہوتا، کرنے سے ہوتا ہے۔ قصے تو ان آنکھوں نے بہت دیکھے اور مشائخ کے دور بھی بہت دیکھے، اس نا کارہ نے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا دور دیکھا ہے، اس وقت میری عمر ڈھائی برس کی تھی اور جب حضرت کا انتقال ہوا، اس وقت میری عمر آٹھ برس کی تھی۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ جب کھانے کے بعد خانقاہ تشریف لاتے تو ایک سناٹا ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کی زیارت گنگوہ میں ہوئی ان کے بدن پر ایک کپڑا بندھا رہتا تھا جیسا کہ حجاج باندھتے ہیں اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا اور کمر پر پٹکا ہوتا تھا۔